کشمیر کے معاصر اُردو ادب میں محمد رفیق بھٹی کا مقام

(تحقیقی و تنقیدی مطالعہ)

محقق

محمد فریاد

رجسٹریشن نمبر: 119-FLL/MSURDU/F14

نگران

ڈاکٹر عزیز ابن الحسن

ایسوسی ایٹ پروفیسر

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

شعبۂ اردو

کلیۂ زبان و ادب

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

2017

Acc # TH 21437

MS
891.4391
م ح ک

اردو ادب - شاعری

" - تنقید و تشریح

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

درج ذیل مقالہ شعبۂ اُردو، کلیہ زبان وادب، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں MS اُردو کی ڈگری کی جزوی منظوری کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ زیرِ دستخطی نے یہ مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے اور MS اُردو کی ڈگری تفویض کرنے کی منظوری دیتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **کشمیر کے معاصر اُردو ادب میں محمد رفیق بھٹی کا مقام (تحقیقی وتنقیدی مطالعہ)**

مقالہ نگار: محمد فریاد

رجسٹریشن نمبر: 119-FLL/MSURDU/F14

کمیٹی دفاع مقالہ

ڈاکٹر عزیز ابن الحسن
چیئرمین
شعبۂ اُردو

پروفیسر ڈاکٹر منور اقبال احمد
ڈین
کلیہ زبان وادب

ڈاکٹر کامران عباس کاظمی
اسسٹنٹ پروفیسر (اُردو)
آئی آئی یو، اسلام آباد
اندرونی ممتحن

ڈاکٹر صفدر رشید
اسسٹنٹ پروفیسر (اُردو)
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
بیرونی ممتحن

ڈاکٹر عزیز ابن الحسن
ایسوسی ایٹ پروفیسر (اُردو)
آئی آئی یو، اسلام آباد
نگران مقالہ

مئی، 2018ء

اقرار نامہ

میں، محمد فریاد، رجسٹریشن نمبر 119-FLL/MSURDU/F14 حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کے ایم ایس (اُردو) سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر عزیز ابن الحسن کی نگرانی میں مکمل کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا اور نہ آئندہ کروں گا۔

(محمد فریاد)

مقالہ نگار

شعبہ اُردو

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

۲۰۱۸ء

فہرست موضوعات

صفحہ نمبر

پیش لفظ

باب اول: محمد رفیق بھٹی کے احوال و آثار

راجوری کا پس منظر	۱
محمد رفیق بھٹی کا خاندان	۳
پیدائش	۶
نام	۷
بچپن	۸
تعلیم	۸
اساتذہ	۱۰
آغاز شعر و سخن	۱۰
عملی زندگی	۱۲
شادی اور اولاد کی تفصیل	۱۲
زندگی کے صبر آزما لمحات	۱۴
عملی زندگی کا دوسرا دور	۱۵
سوانحی واقعات	۱۵
شخصیت	۱۶
عادات و خصائل	۱۷
عشق رسول ﷺ	۱۸
محمد رفیق بھٹی کی تخلیقات	۱۹
الف۔ شعری کتب	۲۰
ب۔ نثری کتب	۲۰
مجموعی تاثر	۲۲

باب دوم: محمد رفیق بھٹی کے شعری موضوعات اور اُسلوب

ا۔ محمد رفیق بھٹی کی شعری تخلیقات کا جائزہ	۲۵
شاعری کیا ہے؟	۳۱
شاعر انقلاب	۳۳
نظم کی مختصر تاریخ کا جائزہ	۳۵
وطن پرستی	۳۷
آزادی کا تصور	۳۸
غزل کی مختصر تاریخ کا جائزہ	۴۰
ب۔ محمد رفیق بھٹی کی شاعری کے فکری موضوعات	۴۲
۱ : مذہبی موضوعات	۴۲
۱.۱ : حمد باری تعالیٰ	۴۲
۱.۲ : مُناجات	۴۴
۱.۳ : نعتِ رسول ﷺ	۴۵
۱.۴ : مناقب	۴۶
۱.۵ : رثائی شاعری	۴۷
۲ : اخلاقی موضوعات	۴۸
۲.۱ : حرص و آز کی مذمّت	۴۹
۲.۲ : صبر و توکل	۴۹
۲.۳ : عجز و انکسار	۵۰
۲.۴ : تکبّر کی مذمّت	۵۰
۲.۵ : دعوتِ عمل	۵۱
۲.۶ : پند و نصائح	۵۲
۲.۷ : خود آگاہی	۵۲
۲.۸ : عفو و درگزر	۵۳

۳ : فلسفیانہ موضوعات ۵۳

۳.۱ : فلسفۂ وجود وعدم ۵۳

۳.۲ : فلسفۂ فنا وبقا ۵۴

۳.۳ : فلسفۂ جبر وقدر ۵۵

۳.۴ : فلسفۂ غم ۵۶

۳.۵ : فلسفۂ شباب ۵۷

۳.۶ : فلسفۂ عزّت وذلّت ۵۸

۳.۷ : فلسفۂ موت ۵۹

۴ : متصوّفانہ شاعری ۶۰

۵ : یاسیت وقنوطیّت ۶۱

۶ : عشقیہ شاعری ۶۲

۷ : خمریہ شاعری ۶۴

۸ : طنز ومزاح ۶۶

۹ : تنقیدی شاعری ۶۷

۹.۱ : طبقۂ امرا پر تنقید ۶۸

۹.۲ : سیاسی طبقے پر تنقید ۶۹

۹.۳ : واعظین پر تنقید ۶۹

۱۰ : شخصی وذاتی حالات ۷۰

ج۔کلامِ رفیق کا اُسلوبی جائزہ ۷۱

صنائع وبدائع ۷۲

صنائع لفظی ۷۳

۱ : صنعت تکرار ۷۳

۲ : صنعت سیاق الاعداد ۷۳

۳ : بذلہ سنجی وظرافت ۷۴

۴ : زورِ کلام اور جوشِ بیان ۷۵

۵ : مرقع نگاری ۷۵

صنائع معنوی ۷۶

۱ : ایہام ۷۶

۲ : حسنِ تعلیل ۷۷

۳ : مراعاۃ النظیر ۷۷

۴ : لف ونشر ۷۸

۵ : تضاد یا طباق ۷۸

۶ : مبالغہ ۷۹

۷ : تجاہلِ عارفانہ ۸۰

۸ : ہجوِ ملیح ۸۰

۹ : تضمین ۸۱

۱۰ : سہل ممتنع ۸۱

۱۱ : صنعت تلمیح ۸۲

۱۲ : صنعت جمع ۸۳

علمِ بیان ۸۳

۱ : تشبیہ ۸۴

۲ : استعارہ ۸۵

۳ : کنایہ ۸۶

۴ : مجازِ مرسل ۸۷

اسالیبِ محمد رفیق بھٹی ۸۸

۱ : مکالماتی اُسلوب ۸۸

۲ : استفہامیہ انداز ۸۹

۳ : ندائیہ انداز ۸۹

۴ : لفظی موسیقیّت اور نغمگی کیفیّات ۹۰
۵ : علّت و معلول ۹۱
۶ : مشکل پسندی ۹۱
۷ : فصاحت و بلاغت ۹۲
۸ : شاعرانہ تعلّی ۹۳
۹ : تسلسل اور روانی بیان ۹۴
۱۰ : منفرد تراکیب ۹۴
۱۱ : لمبی ردیف ۹۵
۱۲ : انگریزی الفاظ کا استعمال ۹۶
۱۳ : اُردو محاورات کا استعمال ۹۶
۱۴ : ضرب الامثال کا استعمال ۹۷
کلامِ رفیق میں اُسلوبِ اقبالؔ کی عکاسی ۹۷

باب سوم: محمد رفیق بھٹی اپنی نثری تخلیقات کے آئینے میں

ا۔ محمد رفیق بھٹی کے مطبوعہ سفرناموں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ ۱۰۴
سفرنامہ کیا ہے؟ ۱۱۱
سفرناموں کے موضوعات ۱۱۱
افسانوی ادب میں عصری روح کی تحقیق ۱۱۵
ب۔ محمد رفیق بھٹی کی مضمون نگاری ۱۱۷
محمد رفیق بھٹی کے معاشرتی و اصلاحی مضامین ۱۱۷
نثر میں رنگ خاص ۱۳۱
ج۔ محمد رفیق بھٹی کی خطوط نگاری ۱۳۱
د۔ محمد رفیق بھٹی کی غیر مطبوعہ ڈائریاں ۱۳۷
ہ۔ محمد رفیق بھٹی کا اُسلوب تحریر ۱۴۱

باب چہارم: کشمیر کے معاصر اُردو ادب میں محمد رفیق بھٹی کے مقام کا تعین

ا۔ معاصر اُردو ادب سے کیا مراد ہے؟	۱۴۶
ب۔ معاصر ادبی شخصیات	۱۴۷
ج۔ محمد رفیق بھٹی کی دیگر زبانوں میں شاعری	۱۴۸
د۔ محمد رفیق بھٹی کا اپنے معاصرین سے تقابلی جائزہ	۱۵۶
ہ۔ کشمیر کے معاصر شعراء میں ادبی دنیا میں مقام و مرتبہ	۱۶۳
مجموعی جائزہ	۱۶۹
باب پنجم: ماحصل	۱۷۴
کتابیات	۱۷۸
اشخاص و اماکن	۱۸۳

پیش لفظ

محمد رفیق بھٹی ایک علمی و ادبی شخصیت ہیں۔ وہ بے شمار خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ انھیں نظم اور نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل ہے۔ انھوں نے بحیثیت ادیب تحریک آزادی کشمیر میں حصہ لیا۔ آزاد کشمیر کے مسلمانوں کو جذبہ حب الوطنی کا درس دیا، انھیں بادِ مخالف کے سامنے ڈٹ جانے کا حوصلہ عطا کیا، پھر انھیں انقلاب کی راہ بھی دکھائی۔ مزاحمتی ادب میں انھیں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ وہ نہ صرف اُردو زبان کے باکمال اور بلند پایہ شاعر ہیں بلکہ انگریزی، پنجابی، گوجری، پہاڑی اور ہندی کے بھی ایک اہم شاعر ہیں۔ چوں کہ انھوں نے کئی زبانوں میں شعر کہے ہیں اس لیے انھیں شاعرِ ہفت زبان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کی نثر بھی باکمال اور منفرد اسلوب کی حامل ہے۔ وہ آزاد کشمیر میں اُردو کے اُن چند ادیبوں میں سے ایک ہیں جو زبان و بیان پر ماہرانہ دسترس رکھتے ہیں اور جنھیں بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ ان کی تحریریں دنیا بھر کے علمی و ادبی حلقوں میں وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ آزاد کشمیر کے معاصر ادب میں اُن کی علمی و ادبی خدمات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ میں نے آزاد کشمیر کے نامور شعرا کے ساتھ اُن کے کام کا تقابلی جائزہ لیا ہے اور معاصر شعرا کی آراء کی روشنی میں محمد رفیق بھٹی کے مقام و مرتبہ کا تعین کیا ہے۔

مقالے کا پہلا باب "محمد رفیق بھٹی کے احوال و آثار" پر مشتمل ہے۔ جس میں محمد رفیق بھٹی کی زندگی کے مختلف گوشوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اس کی تیاری میں کتب، رسائل کے علاوہ محمد رفیق بھٹی کے ذاتی، ان کے ہمعصروں، شاگردوں اور دوستوں کے ان انٹرویوز سے استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کے خاندان، تعلیمی سفر، عملی زندگی اور سوانحی واقعات کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ آخر میں ان کی شعری و نثری کتب کا مختصر ترین تعارف بھی پیش کیا گیا ہے۔

دوسرا باب "محمد رفیق بھٹی کے شعری موضوعات اور اُسلوب" پر مشتمل ہے۔ جس میں ان کے شعری مجموعوں ستونِ دار، لہو نگر اور ریگ زار کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ اور ان کی شاعری کے موضوعات پر تحقیق کی گئی ہے۔ اُن کی وطن پرستی اور آزادی کا تصور بطور خاص ذکر کیا گیا ہے۔ کلامِ رفیق میں اُسلوب اقبال کی عکاسی کا بیان بھی ہے۔

مقالے کا تیسرا باب "محمد رفیق بھٹی اپنی نثری تحریروں کے آئینے میں" پر مشتمل ہے۔ جس میں ان کے

مطبوعہ سفرناموں کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔اُن کے معاشرتی ،اصلاحی ،تعلیمی اور دیگر مضامین کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔خطوط نگاری اور غیر مطبوعہ ڈائریوں کے ساتھ اُسلوب کی خصوصیات کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

چوتھا باب " کشمیر کے معاصر اُردو ادب میں محمد رفیق بھٹی کے مقام کا تعین " ہے۔اس میں آزاد کشمیر کے معاصر ادب کا جائزہ لیا گیا ہے۔پھر نامور شعرا مثلاً پروفیسر عبدالعلیم صدیقی ، پروفیسر نذیر انجم ،ڈاکٹر صابر آفاقی ، پروفیسر افتخار مغل اور محمد اکرم طاہر کے کلام کا تفصیلی تقابلی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔محمد رفیق بھٹی کی دیگر زبانوں مثلاً انگریزی ، پنجابی ، گوجری ، پہاڑی اور ہندی شاعری کا نمونہ کلام بھی دیا گیا ہے۔آخر میں محمد رفیق بھٹی کا کشمیر کے معاصر شعرا میں ادبی دنیا میں مقام و مرتبہ کو اہل قلم کے مضامین ،خطوط اور انٹرویوز کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔مقالے کے آخری باب میں " ماحصل " کے عنوان سے تحقیقی کام کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ابواب کے اختتام پر بنیادی اور ثانوی مآخذ کے عنوان سے اُن کتب ،اخبارات و رسائل کی فہرست دی گئی ہے جن کے حوالہ جات اور اقتباسات اس مقالے میں درج ہیں۔نیز آخر میں اشخاص و اماکن جن کا ذکر مقالے میں ہوا کی فہرست بھی دی گئی ہے۔

اس تحقیق کے دوران جن اہل علم حضرات نے میری حوصلہ افزائی اور معاونت فرمائی اُن میں سب سے پہلا نام پروفیسر ڈاکٹر محمد عالم چودھری کا ہے۔جنھوں نے موضوع کے انتخاب میں اور تحقیقی اصول وضوابط کے حوالے سے میری راہنمائی کی۔اُس کے بعد محمد رفیق بھٹی نے کئی اہم کتب ،دستاویزات ،رسائل ،اخبارات ،غیر مطبوعہ مواد اور نجی خطوط عطا کیے اور مواد کی تلاش وجستجو میں تقریباً ڈیڑھ سال تک قدم قدم پر میرا ساتھ دیا۔اس کے علاوہ رفیق العصری ، پروفیسر نعمان احمد صدیقی ،اکرم طاہر ،خواجہ خورشید احمد ،قیوم بخاری ،سردار عبدالرحمان ،ابراہیم گل ،احمد عطا اللہ ،اکرم سہیل ،مخلص وجدانی ،افضل صابری ،زید اللہ فہیم ،سردار منیر احمد خان ،ماسٹر عبدالوہاب تبسم ،صاحبزادہ ابرار حسین شاہ ،مشتاق احمد خان ،ساجد اقبال ،ساجد حسین ، پروفیسر سید کامران عباس کاظمی اور پروفیسر نذیر مسکین کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے دست تعاون کے ساتھ میرے قیام و طعام کا بھی بندوبست کیا۔

ایم فل کے تمام مراحل پر جب کبھی مشکلات کا سامنا ہوا تو میں نے اپنے نگران مقالہ ڈاکٹر عزیز ابن الحسن سے رابطہ کیا۔جنھوں نے مقالے میں موجود اسقام کی اصلاح کی۔پھر مواد کی فراہمی کے مختلف ذرائع ،مواد کی ترتیب اور مقالہ کی تیاری میں بڑی محنت اور توجہ سے رہنمائی فرمائی اور اہم کتب کے مطالعہ کا مشورہ دیا۔ان کے

احسانات تو نا قابلِ فراموش ہیں۔ میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔

اس نیک کام کی تکمیل کے سلسلہ میں اپنے ساتھیوں سید تو قیر بخاری، چچا نصارت، عادل بادشاہ، حافظ شاہد، سید افتخار حسین شاہ اور محمد اسحاق خان کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے کمپوزنگ کے دوران مشکلات سے مجھے یکسر بے نیاز رکھا۔

میں مذکورہ بالا تمام اشخاص کا بے حد ممنونِ احسان ہوں اور اُن کی عمرِ دراز، ترقی مناصب اور مغفرت کے لیے تا قیامت دعا گو رہوں گا۔

محمد فریاد
ایم ایس سکالر (اُردو)
بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد

باب اوّل

محمد رفیق بھٹی: احوال و آثار

راجوری کا پس منظر:

عہد قدیم میں راجوری کا علاقہ ریاست دراوَ ابھیسار کا حصہ ہوتا تھا۔ ۳۲۶ ق م سکندر کے حملے کے وقت ریاست دراوَ ابھیسار کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ کیوں کہ اس ریاست کی حدیں ایک طرف تو کشمیر سے ملتی تھیں جب کہ دوسری طرف راجہ پورس کی ریاست ہزارہ سے جا لگتی تھیں۔ یہ ریاست دریائے جہلم اور چناب کے درمیان تمام بالائی پہاڑی علاقوں پر محیط تھی۔ جن میں راجوری کے علاوہ پونچھ اور کوٹلی کے علاقے شامل تھے۔ جس کے دارالخلافہ کا نام دراوَ ابھیسار پرست تھا۔ مشہور محقق آنجہانی موتی لعل ساقی نے دراوَ ابھیسار کی راجدھانی کو موجودہ راجوری شہر بتایا ہے۔

دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں سلطان محمود غزنویؒ نے ہندوستان پر حملوں کا سلسلہ شروع کیا۔ سلطان محمود نے ۱۰۰۰ء میں لاہور کے راجہ جے پال کو اور ۱۰۰۸ء میں سالٹ رینج میں آنند پال کو ہرایا یہ راجے اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ کشمیر کے راجہ کیشم گپت کی پناہ میں چلے گئے۔ کشمیر کے راجہ نے ان پال راجاؤں کو راجوری کا علاقہ جاگیر کے طور دے دیا۔ انھیں سرحد پر متعین کیا گیا تا کہ محمود غزنوی کے کشمیر پر حملوں کو روکا جا سکے۔

۱۰۱۰ء کے آس پاس راجہ پرتھوی پال اپنے درباریوں اور پال راجاؤں کے ساتھ راجوری پہنچا۔ اس نے علاقے کا نام پال راجاؤں کے نام پر راجپوری رکھا۔ بعد میں یہ نام راجپوری سے راجور اور پھر راجوری ہوا۔ پال شاہی راجاؤں نے ۱۰۱۰ء سے ۱۱۹۴ء تک راجوری پر حکومت کی۔

تاریخ راجور کے مطابق ۱۱۹۴ء میں ایک نومسلم نورالدین عرف نیل سیہنہ نے راجہ آمنہ پال کی حکومت کا تختہ اُلٹ کر راجوری پر جرال پہاڑی راجاؤں کی حکومت کی داغ بیل ڈالی۔ ریاست جموں و کشمیر میں راجوری پہلا راجواڑہ تھا جہاں اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی۔ پہاڑی جرال راجاؤں نے ۱۱۹۴ء سے ۲۱، اکتوبر ۱۸۴۶ء تک راجوری پر مسلسل حکومت کی۔

۱۵۸۶ء میں جب مغلوں نے کشمیر فتح کیا تو راجوری کی اہمیت بڑھ گئی۔ کیوں کہ مغل بادشاہوں کا کشمیر کے دوروں کے دوران راجوری سے گزر ہونے لگا۔ اس دور میں مختلف سراؤں ،قلعوں اور بارہ دریوں کی تعمیر کی گئی۔ تاریخ کشمیر کے مصنف سید محمود آزاد لکھتے ہیں:

> شہنشاہ جہانگیر کا ۱۳ ،بار راجوری میں قیام ہوا۔اس زمانے میں راجوری کے مسلمانوں میں ایک بری رسم رائج تھی کہ یہ اپنی لڑکیاں ہندوؤں کو بھی دے دیتے تھے۔سفرِ کشمیر کے دوران جب جہانگیر بادشاہ کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے شدت سے اس کی ممانعت کی اور اس کے بعد یہ رسم ختم ہوگئی۔اس کا ذکر خود جہانگیر نے اپنی کتاب توزک جہانگیری میں کیا ہے۔[۱]

۱۶۳۶ء میں جب جہانگیر اپنے والد شہنشاہ شاہ جہاں کے ساتھ کشمیر جا رہا تھا تو اس نے راجوری کے پہاڑی راجہ تاج الدین کی لڑکی راج بائی سے دوسری شادی کی۔اس طرح راجوری کے پہاڑی جرال راجاؤں کی مغل شہنشاہوں سے رشتہ داری قائم ہوگئی۔

معاہدہ امرتسر (۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء) حکومت برطانیہ اور مہا راجہ گلاب سنگھ آف جموں کے درمیان قرار پایا۔اس معاہدے کی رو سے انگریزوں نے پچھتر لاکھ روپے نانک شاہی کے عوض کشمیر کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔حبیب کیفوی اس معاہدہ کے سلسلے میں لکھتے ہیں:''ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ نے ۱۸۴۶ء میں انگریزوں سے کشمیر کی حسین و دلفریب وادی پچھتر لاکھ روپے کے عوض خریدی تھی''۔[۲]

ڈوگرہ حکمرانوں نے اپنے اقتدار کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے ریاست جموں وکشمیر میں بے شمار انتظامی تقسیم اور تبدیلیاں کیں۔ ڈوگروں نے اس غیر منصفانہ تقسیم سے انتظامی طور ریاسی کو جو کہ ایک غیر معروف جگہ تھی ضلع اور راجوری کو اس کی تحصیل بنا دیا۔ریاسی راجوری سے تقریباً ۱۰۰ کلومیٹر جنوب مشرق کی جانب ہے۔

ڈوگروں نے راجوری میں مسلمانوں کی اکثریت ختم کرنے کے لئے راجوری کے کچھ گاؤں بھمبر کے ساتھ کچھ ریاسی کے علاقہ کے ساتھ اور کچھ اکھنور کے ساتھ جو جموں کی تحصیل تھی لگا دیئے۔تقسیم برصغیر تک راجوری ضلع ریاسی کی تحصیل رہی۔محمد صغیر خان اُردو اخبـــــار میں لکھتے ہیں:''سکھا شاہی کے خاتمے کے بعد جب رسوائے زمانہ بیعنامہ امرتسر کے ذریعے مہا راجہ گلاب سنگھ نے ڈووگرہ راج قائم کیا تو کسی حد تک ریاست کی نئی ہیئت تشکیل پذیر ہوئی''۔[۳] ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۵ء تک راجوری ضلع پونچھ کی تحصیل تھی۔۱۹۶۸ء میں راجوری

کو ضلع کا درجہ دے دیا گیا۔خوش دیو مینی راجوری کی تاریخ اور تشخص کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''قدرتی حسن ست رنگے موسموں اور دلکش مناظر کے لیے اسے چھوٹا کشمیر بھی کہتے ہیں''۔[۴]

محمد رفیق بھٹی کا خاندان:

محمد رفیق بھٹی کے خاندان کے بارے میں بنیادی طور چار سوالات بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔

۱۔ وہ کون تھے؟ یعنی ان کی ذات اور گوت کیا تھی؟

۲۔ اگر وہ ہندو تھے تو وہ کب مسلمان ہوئے؟ اور اگر وہ مسلمان تھے تو ریاست میں کب آئے؟

۳۔ انھوں نے ریاست کو کب چھوڑا؟

۴۔ انھوں نے ریاست کو کیوں چھوڑا؟

ذیل میں انھی سوالات کے جوابات مجمل طور دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

محمد رفیق بھٹی کا تعلق ''بھٹی راجپوت'' خاندان سے ہے۔تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ کشمیر کے اندر طویل عرصہ مختلف راجپوت خاندانوں نے حکومت کی۔جن میں کسی کی ذریات میں بھٹی قوم بھی شامل ہے۔مورخین کی تحقیق کے مطابق یہ چندر بنسی کے خاندان سے ہیں جو سری کرشن کی نویں پشت میں راجہ گج کی ذریات ہیں۔

تاریخ راجستھان کے مصنف کیپٹن جیمز ٹاڈ کے مطابق بھٹی حکومت چوں کہ کشمیر میں بہت عرصہ رہی اس لئے ہم راجپوتوں کے اکثر قبائل کو بھٹی سمجھتے ہیں۔مصنف تاریخ راجپوتان پنجاب کے مطابق ''یہی راجہ گج تھا جس نے گندھرپ کپل والی کشمیر پر چڑھائی کی۔راجہ گج کے سات پڑپوتے تھے۔جن میں سب سے بڑے کا نام بھٹی تھا۔جس کی ذریات بھٹی یا بھاٹی کے نام سے مشہور ہوئی۔اس قوم کے افراد پنجاب کے آباد کشمیری بھی ہیں''۔[۵]

تواریخ اقوامِ کشمیر کے مصنف محمد الدین فوق رقمطراز ہیں: ''بھٹی چندر بنسی خاندان سے ہیں۔۱۳۳۹ء تک کشمیر میں ان کی حکومت رہی۔۔۔سیالکوٹ، گجرانوالہ، جہلم اور راولپنڈی وغیرہ میں بھی کئی خاندان کشمیری بھٹی راجپوتوں کے ہیں''۔[۶]

محمد رفیق بھٹی کے آبا مغل شہنشاہ اکبر اعظم کے زمانے میں پنجاب سے ہجرت کر کے ریاست جموں و کشمیر میں آباد ہوئے۔ جب پنجاب میں بھٹیوں نے اکبر اعظم کے خلاف عوامی حقوق کی تحریک شروع کی جس کے نتیجے میں دلّا بھٹی اور اس کے تقریباً پانچ سو ساتھیوں کو لاہور میں پھانسی دی گئی تھی۔ اس دور میں پنجاب میں دلّا بھٹی اور اس کے ساتھی ایسے دلیر، نڈر اور بہادر جانباز تھے جنھوں نے مغل سلطنت کے جابرانہ اور عوام مخالف محصولات کے نظام کو للکارا تھا۔ جسے بغاوت قرار دے کر بزورِ شمشیر دبا دیا گیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق یہ لوگ جھنگ سے نکلے اور مغل حکمرانوں کے خوف سے بچنے کے لئے براستہ گجرات، سیالکوٹ، گجر خان، راولپنڈی اور ریاست جموں وکشمیر کے مختلف علاقوں میں آباد ہو گئے۔ وائسرائے ہند لارڈ ایبٹ سن نے اپنی کتاب پنجاب کاسٹس میں لکھا ہے: ''بھٹی ریاست کے حکمران رہے ہیں''۔[۷] بابائے گوجری رانا فضل حسین اپنے مضمون صدا بہار شاعری میں بھٹی خاندان کے بارے میں لکھتے ہیں: ''مجھے یوں لگتا ہے کہ بھٹی خانوادہ حضرت میاں محمد بخشؒ اور حضرت میاں عبداللہ لارویؒ کی قبیل کے شاعر ہیں۔[۸]

ان کے خاندان کو تقسیم ہندوستان کے نتیجہ میں ریاست جموں وکشمیر پر بھارت اور پاکستان کی فوجی مداخلت کے باعث ہجرت پر مجبور ہونا پڑا۔ خانہ بدوشی اور کسمپرسی کے عالم میں یہ خاندان نو آزاد بلکہ نومولود ملک پاکستان کے ایک مہاجر کیمپ واقع مانسر ضلع اٹک میں پناہ گزیں ہوا جہاں ۱۹۵۲ء تک قیام پذیر رہنے کے بعد واپس وطن آ گیا۔

محمد رفیق بھٹی کے خاندان کو ۱۹۶۵ء میں ایک بار پھر پاکستان اور بھارت کے درمیان تنازعہ کشمیر پر جنگ چھڑ جانے کے باعث ہجرت کرنا پڑی۔ اس جنگ نے جنوبی مغربی کشمیر کو میدان جنگ بنا دیا جو سیز فائر لائن سے آگے انٹرنیشنل سرحدوں تک پھیل گئی۔ اس عسکری تصادم نے محمد رفیق بھٹی کو اپنی جان بچانے کے لئے پاکستانی زیر انتظام کشمیر کے شہر میر پور میں آ ٹھہرنے پر مجبور کر دیا۔ محمد رفیق بھٹی نے راقم کو ایک انٹرویو میں بھٹی خاندان کے حوالے سے بتایا:

> کرشن مہاراج ہندوؤں کے بہت بڑے دیوتا تھے۔ وہ چندر بنسی خاندان سے تھے۔ جو چاند کی پوجا کرنے والے کہلاتے ہیں۔ ان کی پشت سے کوئی دسویں پشت میں ایک راجہ گجت مل تھا اس کی اولاد میں سے ساندل بھٹی ایک مشہور شخص گزرا ہے جس کے نام پر ساندل بار کا علاقہ مشہور ہے۔ اس کے بیٹے کا نام فرید بھٹی تھا۔ فرید بھٹی کے پانچ بیٹے بتائے جاتے ہیں۔ جن میں سے مشہور دلّا بھٹی تھا۔ بھٹی جادو

بنسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جن کو شری کرشن کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ہندوستان اور پاکستان کا کوئی زرخیز علاقہ ایسا نہیں جہاں بھٹی موجود نہ ہوں۔ہندوستان کے تمام بڑے مذاہب کے ماننے والے ہیں۔ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی اور احمدی۔ہندوستان پاکستان اور افغانستان کے بیشتر قبائل کا تعلق بھٹیوں سے ہے۔ایک روایت کے مطابق بھٹی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے ہاتھوں مسلمان ہوئے۔دوسری روایت ہے کہ بابا غوث الحق کے ہاتھوں مسلمان ہوئے۔جموں و کشمیر میں بھٹی اکبر اعظم کے زمانے میں داخل ہوئے۔گجرات اور راولپنڈی کے علاقوں سے جموں و کشمیر تک رسائی حاصل کی۔جموں کے تقریباً سارے علاقوں میں اس قبیلہ کے لوگ آباد ہیں۔[9]

بھٹی خاندان کا مکمل شجرۂ نسب جموں کے محافظ خانے، دہلی اور برٹش کونسل لائبریری لندن میں محفوظ ہے۔ذیل کا شجرۂ نسب قبول اسلام کے بعد کا ہے۔

شجرہ نسب

ساندل خان بھٹی

فرید خان بھٹی

ودھو خان بھٹی

سجاول خان بھٹی

ریسو خان بھٹی

عالم خان بھٹی

جموں خان بھٹی

کبیر خان بھٹی

فتح محمد خان عرف مانا خان بھٹی

محمد علی بھٹی عرف ملی خان

ہاشو خان بھٹی

نواب دین بھٹی

محمد رفیق بھٹی

پہلی بیوی	دوسری بیوی
نعمت بی بی	نور جہاں
اولاد	اولاد
نرگس شہزاد احمد، سجاد احمد، جواد احمد، ناہید، فرحت	عماد احمد، وہاج احمد، تہذیب، تقدیس شہزادی

پیدائش:

محمد رفیق بھٹی کوہستان پنجال کی ڈھلوانوں میں آباد ساج نامی گاؤں ضلع ریاسی حال راجوری میں ۲۱ جنوری ۱۹۴۵ء کو ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ وہ خود اپنے تعلق کا ذکر یوں کرتے ہیں: ''راقم کا تعلق سلسلہ کوہستان پنجال کے دامن میں آباد ایک گاؤں ساج سے ہے''۔[۱۰] میرپور نمبر میں محمد رفیق بھٹی کی پیدائش کا ذکر درج ذیل حوالہ سے بیان ہوا ہے: ''پروفیسر محمد رفیق بھٹی ۲۱ جنوری ۱۹۴۵ء کو پنجابی کے خوبصورت و قادر الکلام شاعر الحاج نواب دین بھٹی کے گھر مقبوضہ کشمیر ضلع راجوری میں موضع ساج کے مقام پر پیدا ہوئے''۔[۱۱] اُن کے والد نواب دین نواب بھٹی بڑے مہربان ہمدرد اور مخیّر تھے۔ وہ دوسروں کی خوشی سے خوش اور غم میں غمگین ہو جاتے تھے۔ وہ انسان دوستی پر عمل پیرا تھے۔ وہ علامہ اقبالؒ، قائداعظمؒ اور عطا اللہ شاہ بخاریؒ کے بڑے مداح تھے۔ وہ پنجابی کے قادر الکلام شاعر تھے۔

محمد رفیق بھٹی نے والد گرامی کی اچانک وفات کے بعد کمال حوصلے اور استقامت کا مظاہرہ کیا اور والد محترم کے غیر مطبوعہ کلام کو شائع کروایا۔ مثنوی عشق نہ پُچھدا ذاتاں الحاج نواب دین بھٹی کے پنجابی کلام کا ایسا تخلیقی شاہکار ہے جس میں مصنف نے پنجابی ادب عالیہ کو ادب جدید کے سانچے میں ڈھالنے کا لازوال کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اس مثنوی میں دو مختلف برادریوں کے درمیان ایک رشتے کے بارے میں کشمکش کا تفصیلی ذکر ہے۔ جس میں آخر کار محبت کی جیت ہوتی ہے۔ ذات برادری کے بت ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس مثنوی کے چند اشعار بطور نمونہء کلام درج ذیل ہیں:

اصل حقیقت سچا جذبہ ریتاں پتر پانی
رہسی نام محبت والا باقی سب کچھ فانی
قوماں ذاتاں چھوٹھ پیارا اس وچ سچ نہ کوئی
آدم دی اولاد ہاں سارے آدم ذات نہ ہوئی
عالم دینے برا نہ کیتا جے اس نیوں لگایا
عشق خدا دا سچا جذبہ عشق نبی دا سایا
عشق سمندر دی ڈنگیائی عشق فلک دی چوٹی
جسدے دل وچ عشق نہ ہوئے قسمت اُسدی کھوٹی
عشق زمانے دی رشنائی عشق علم دا تارا
عشقوں بود نبود تمامی عشقوں کُل پیارا
نبی ولی سب عاشق بندے ربّ دے عشقے رنگے
دنیا نوں وی تج دیندے نیں عاشق لوگ ملنگے
''عشق نہ پُچھے دین دھرم نوں عشق نہ پُچھے ذاتاں''
وِچ تاریخاں نظری آون عشق دیاں کراماتاں[۱۲]

نام:

محمد رفیق بھٹی کے والدین نے ان کا نام محمد رفیق رکھا۔لیکن وہ اپنے خاندانی قبیلے کی مناسبت سے بھٹی بھی ساتھ لکھتے ہیں۔ان کا پورا نام محمد رفیق بھٹی ہے۔رفیق کے معنی ساتھی، ہمسفر اور دوست کے ہیں۔وہ اسم بامسمیٰ ہیں۔یعنی وہ ایک بہترین ساتھی اور ہمسفر ہیں۔وہ مشکل وقت میں دوستوں کو تنہا نہیں چھوڑتے بلکہ دوستی کا حق پورا پورا ادا کرتے ہیں۔وہ معاشرے کے نبض شناس ہیں۔

بچپن:

محمد رفیق بھٹی نے ایک مسلم معاشرے میں آنکھ کھولی لیکن اس میں فرقہ بندی اور قبیلوں کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔اسی قبیلائی نظام کی وجہ سے معاشرے میں تعصب پایا جا تا تھا۔وہ بچپن میں دوسرے بچوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے۔وہ کبڈی، بازو گیری اور شکار کے بڑے شوقین ہیں۔ان کے والدین خوشحال تھے اس لئے بچپن میں اچھی پرورش پائی۔پڑھنے لکھنے کا شوق بچپن ہی سے ہو چکا تھا۔ان کی طبیعت اور مزاج میں اضطراب اور بے چینی کی کیفیت بچپن سے تھی۔بچپن میں اُن کے ساتھ ایک عجیب و غریب واقع پیش آیا۔وہ کہتے ہیں:''میں چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ہمارے ایک فارسی کے استاد فیض محمد گجر تھے۔امتحان ہوا تو سب سے زیادہ نمبر (فارسی کے پرچہ میں) میرے ہوئے۔استاد نے کہا رفیق کھڑے ہو جاؤ۔میں کھڑا ہو گیا۔انھوں نے کہا ہاتھ باہر نکالو۔میں نے دونوں ہاتھ سامنے کر دیئے۔دو چھڑیاں ایک ہاتھ پر اور دو چھڑیاں دوسرے ہاتھ پر رسید کیں اور کہا تمھارے نمبر اس سے بھی زیادہ کیوں نہیں آئے''۔[۱۳] بچپن میں ان کا سکول گھر سے بہت دور تھا۔وہ اندھیرے میں ہی ناشتہ ساتھ لے کر گھر سے نکل جاتے۔راستے میں اکثر سو بھی جایا کرتے تھے۔کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ دریا (کس) میں پانی بہت زیادہ آ جاتا وہ پورا پورا دن انتظار کر کے شام کے وقت گھر آتے۔

تعلیم:

محمد رفیق بھٹی کو چار سال کی عمر میں مانسر کیمپ میں مہاجرین کے لئے قائم سکول میں داخل کروا یا گیا۔جب والدین نے وطن واپسی کے لیے رختِ سفر باندھا تو ضلع کوٹلی کی موجودہ تحصیل نکیال پہنچ کر اپنے دو بچوں محمد حمید بھٹی اور محمد رفیق بھٹی کو اپنے قرابت دار مولوی فیض محمد بھٹی کے پاس چھوڑ کر خود اپنے آبائی گاؤں ساج پہنچ گئے۔مولوی فیض محمد بھٹی (مرحوم) ان دنوں پرائمری سکول بھنگار گالہ میں مدرس تھے۔محمد رفیق بھٹی اور ان کے بڑے بھائی محمد حمید بھٹی کو اس سکول میں دوسری جماعت میں داخل کروا دیا گیا۔دونوں بھائی اس سکول میں تقریباً ایک سال تک زیرِ تعلیم رہے۔پھر گجرانوالہ میں دونوں بھائیوں کو کمیٹی سکول نزد گلاب دیوی مندر میں داخل کروا دیا گیا۔جہاں یہ تقریباً ایک سال تک زیرِ تعلیم رہے۔یہاں ان کے بڑے بھائی محمد صدیق بھٹی پاکستان آرمی میں ملازم تھے۔

ان کے والدین جب اپنے گاؤں ساج میں قدرے پرسکون ہوئے تو دونوں بچوں کو اپنے پاس واپس بلا لیا گیا۔واپس آنے پر دونوں بچوں کو پرائمری سکول فتح پور داخل کروا دیا گیا جو ان کے گھر سے سات (۷) کلو

میٹر کے فاصلے پر تھا۔محمد رفیق بھٹی اس سکول میں تقریباً ڈیڑھ سال زیرِتعلیم رہے۔جب گھر سے نسبتاً قریب موضع بھٹیاں حسیوٹ میں سکول قائم ہوا تو انھیں اس سکول میں منتقل کیا گیا جہاں سے انھوں نے پانچویں جماعت کا امتحان پاس کیا۔سکول کے زمانے میں وہ یہ دعا اکثر مانگا کرتے تھے۔

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب

محمد رفیق بھٹی کے والدین بچوں کی تعلیم وتربیت میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔پانچویں پاس کرنے کے بعد انھیں گورنمنٹ ہائی سکول راجوری میں چھٹی جماعت میں داخل کروایا گیا۔اس سکول کو بعد میں ہائیر سکینڈری کا درجہ دیا گیا۔۱۹۶۲ء میں انھوں نے اسی سکول سے ہائیر سکینڈری کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور پورے سکول میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔

وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے خواہشمند تھے۔والدین نے ان کی علمی کارگزاری سے متاثر ہوکر ۱۹۶۳ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج پونچھ کے تین سالہ ڈگری کورس میں داخل کروا دیا۔کالج میں داخلہ لینے کے بعد ان کی علمی،نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں کو چار چاند لگ گئے۔تقریری مقابلوں اور شعروشاعری نے انھیں پورے کالج میں نمایاں کردیا۔انگریزی اور اُردو زبان کے تقریری مقابلوں میں اوّل پوزیشن لینے پر انھیں انعامات اور اسناد سے نوازا گیا۔کالج میں داخلہ لیے دو سال ہی مکمل ہوئے تھے کہ ۱۹۶۵ء میں ایک بار پھر بھارت اور پاکستان کے درمیان تنازعہ کشمیر پر جنگ چھڑ گئی۔

پاکستان اور بھارت کے مابین جنگ کی وجہ سے محمد رفیق بھٹی کو اپنی جان بچانے کے لیے ایک بار پھر ہجرت کرنا پڑی۔وہ پاکستانی زیرِانتظام کشمیر کے شہر میرپور میں آٹھہرے۔اعلیٰ تعلیم کے دلدادہ محمد رفیق بھٹی نے ہجرت کی مشکلات کے باوجود تعلیم کا شوق پورا کرنے کے لئے گورنمنٹ ڈگری کالج میرپور میں داخلہ لے لیا۔ایک ہونہار طالب علم کی حیثیت میں اپنی محنت اور لگن سے اس کالج میں بھی اپنا نام روشن کیا۔وہ بزمِ ادب، بزمِ سیاسیات، بزمِ معاشیات اور مہاجر طلبہ کی تنظیم کے صدر بھی چنے گئے۔

میرپور کالج سے ۱۹۶۷ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد انھوں نے اعلیٰ تعلیم کے لیے پنجاب یونیورسٹی کے دروازے پر دستک دی۔انھوں نے ۱۹۶۹ء میں معاشیات کی ڈگری حاصل کی۔پھر حمایت اسلام کالج لاہور میں ایل ایل بی میں داخلہ حاصل کرلیا اور لاء کا امتحان بھی پاس کرلیا۔جس چیز کو ان کی زندگی کا

ماحصل قرار دیا جاسکتا ہے وہ ان کا سرمایۂ علم ہے جو انھوں نے محنت شاقہ سے حاصل کیا۔

اساتذہ:

والدین تو انسان کو اس دنیا میں لانے کا وسیلہ بنتے ہیں مگر حقیقی معنوں میں انسان کو انسانیت کا درجہ کمال دلانے میں استاد ہی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وہی شاگرد جو کل تک کچھ نہیں جانتا تھا رفتہ رفتہ اتنا قابل اور کارآمد بن جاتا ہے کہ وقت کی کٹھن راہوں پر بھی تنہا چلنا سیکھ جاتا ہے۔ استاد شاگرد کے اخلاق و کردار کی تکمیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

محمد رفیق بھٹی کے اساتذہ اخلاق و کردار، محبت، شفقت، رواداری، تحمل مزاجی اور بردباری کا اعلیٰ پیکر تھے۔ بودھ راج، مولوی فیض محمد، کے کے بالی، پروفیسر پی این پُشپ، پروفیسر عبدالغنی بٹ، پروفیسر عبدالعلیم صدیقی، پروفیسر محمد اکرم طاہر، پروفیسر محمد یوسف چوہدری، پرنسپل خواجہ حمید ممتاز اور پروفیسر امین طارق قاسمی کے علم و فضل نے ان کی علمی تشنگی کو جلا بخشی۔ اس کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد اور پروفیسر اعظم علی اورکزئی بھی ان کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

استاد طلبہ کے ذہن تبدیل کر کے ان میں اخلاص، کردار اور لگن و محنت کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ محمد رفیق بھٹی کی شخصیت اور کردار میں بھی ان کے اساتذہ کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے اپنے اساتذہ کی تعلیم و تربیت ہی کی بدولت کشمیر کے معاصر اُردو ادب میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ کسی نے کیا خوب کہا:

؎ خود سے چل کر نہیں یہ طرزِ سخن آیا ہے
پاؤں استادوں کے دابے ہیں تو فن آیا ہے

آغاز شعر و سخن:

محمد رفیق بھٹی نے طالب علمی کے زمانہ سے لکھنا شروع کر دیا تھا۔ کالج میں انھوں نے شعر و سخن کی مجالس میں اپنا کلام پڑھنا شروع کیا۔ ان کی ایک مشہور نظم ''چار پائی نامہ'' کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ جنوبی کشمیر میں لوگ میاں محمد بخش کی مثنوی سفر العشق المشہور قصہ سیف الملوك و بدیع الجمال کو الہامی اور روحانی کلام کا درجہ دیتے ہیں۔ اس خطے میں لوگوں کے شعری ذوق کا سہرا سیف الملوك کو جاتا ہے۔ انھوں نے بڑے شوق اور انہماک سے گہرائی کے ساتھ سیف الملوك کا مطالعہ کیا۔ ۱۹۵۸ء تا

۱۹۶۲ء کے عرصہ کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: ''اپنے گاؤں میں خوشی وغم کے ہر موقع پر مجھے سیف الملوک پڑھنے کی فرمائش ہوتی تھی عموماً دو دو آدمی مل کر سیف الملوک پڑھتے تھے۔سیف الملوک کے یوں پڑھنے اور مطالعہ کرنے سے میں شائد ولی نہ بن سکا لیکن میرے اندر سخنوری اور سخن شناسی کا ایک جوہر ضرور پیدا ہوا''۔[۱۴]

وہ بنیادی طور پر حضرت میاں محمد بخشؒ کے روحانی فیض سے فیض یاب ہیں۔اس کے ساتھ سید وارث شاہؒ، بُلھے شاہؒ، بابا فرید گنج شکرؒ اور خواجہ فریدؒ کے کلام نے بھی ان کی فکری تربیت کی ہے۔شعروسخن کے آغاز کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں: ''جہاں تک شعروادب سے میری وابستگی کا تعلق ہے، یہ بڑا پرانا رشتہ ہے۔ میں نے ۱۹۶۲ء میں شعروادب کے خارزار میں قدم رکھا۔میرے والد محترم الحاج نواب دین پنجابی زبان کے عوامی شاعر تھے۔میں ان کا کاتب تھا''۔[۱۵]

محمد رفیق بھٹی کی شاعری اور علمی وادبی مضامین مختصر رسائل وجرائد مثلاً سروش، میزان، نرد بان، تہذیب، لہراں، شمس بری، قرطاس، چٹکا، شیرازہ، مہارادب، عکس کشمیر، اپنا دیس، مستقبل، بھروسہ اور جنبش قلم میں شائع ہوئے ہیں۔ان کے مطالعے کا میدان بڑا وسیع ہے۔انھوں نے کلاسیکی، نو کلاسیکی اور جدید ادبی رجحانات کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کی ذاتی لائبریری میں اُردو، عربی، فارسی اور پنجابی شعرا کے دواوین وکلیات بکثرت موجود ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں قدیم وجدید کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ اُن کے کلام میں مشکل پسندی بھی ہے اور سہل پسندی بھی۔انھوں نے اساتذہ کے کلام کو بہت گہرائی اور گیرائی سے پڑھا لیکن اپنی انفرادیت کو بہرصورت قائم رکھا۔ان کی ابتدائی شاعری کے چند اشعار یہ ہیں:

کیوں بُھلائے بیٹھے ہو گلگت و بلتستان کو
بیچتے ہو سیم و زر کے واسطے ایمان کو
اپنے ہاتھوں بیچ ڈالا تم نے تخت و تاج کو
مدتوں ترسو گے یوسف شاہ چک کے راج کو
حرفِ آزادی کے معنوں سے نہیں ہو آشنا
تم نے سیکھی ہی نہیں اپنے شہیدوں سے وفا [۱۶]

عملی زندگی:

۱۹۷۰ء سے محمد رفیق بھٹی کی زندگی کا عملی دور شروع ہوتا ہے۔ جب حبیب بینک لمیٹڈ کے سیکنڈ افسر کی حیثیت سے تقرری کے لئے مقابلہ کے امتحان میں شریک ہو کر پاس قرار پائے اور تربیت کے لئے کراچی مامور کئے گئے۔ کورس مکمل کرنے کے بعد انھیں حبیب بینک مین برانچ میر پور تعینات کیا گیا۔ کچھ دنوں بعد انھیں چکسواری برانچ میں ٹرانسفر کر دیا گیا جہاں برانچ منیجر بھی رہے۔

وہ جب کالج میں داخل ہوئے تو انھیں پروفیسر بننے کا شوق پیدا ہوا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انھیں ایک معروف بینک میں ملازمت مل گئی۔ ان کا پہلا شوق ختم نہ ہوا۔ اسی وجہ سے دو سال بعد بینک کی ملازمت سے استعفا دے دیا۔ انھوں نے اپنے ایک انٹرویو میں بتایا: ''دو سال تک میں بینک کی آفیسری/منیجری کو کڑوا گھونٹ سمجھ کر پیتا رہا حالاں کہ یہ بڑی پر کشش ملازمت تھی لیکن طبیعت کا رجحان یہ نہیں تھا''۔ [۱۷]

شادی اور اولاد کی تفصیل:

معاشرتی زندگی میں کارہائے نمایاں کے حامل افراد کی اعلیٰ کارکردگی کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیتے وقت ان کی ازدواجی زندگی کو بھی زیر بحث لایا جاتا ہے کیونکہ بقول شخصے ''ہر بڑے آدمی کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے''۔ اس نسبت سے محمد رفیق بھٹی کے بارے میں یہ تحقیقی و تنقیدی جائزہ لینے کے عمل میں ان کی ازدواجی زندگی کا خلاصہ کچھ یوں سامنے آتا ہے۔

۱۹۶۲ء میں ہائیر سیکنڈری سکول راجوری سے ہائیر سیکنڈری کا امتحان پاس کرنے کے فوراً بعد قبیلائی رسم ورواج اور دیہی سماجی ماحول کے مطابق ان کے والدین نے اپنی برادری کے ایک گھرانے میں ان کی شادی کروا دی۔ ان کی بیگم کا نام نعمت بی بی تھا۔ ان کو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے دوران اپنی بیوی کا تعاون بھی رہا۔ کسی مرحلہ پر ان کی ازدواجی زندگی ان کی علمی و ادبی سرگرمیوں پر اثر انداز ہوتی نظر نہیں آتی۔ ان کی ازدواجی زندگی میں کوئی رخنہ، خلل یا اختلاف نہ تھا۔ اپنی شریک حیات نعمت بی بی کے ساتھ ان کی رفاقت تقریباً چونتیس: ۳۴ برس تک خوش اسلوبی سے جاری رہی۔ ۱۹۹۶ء میں ان کی رفیقہ حیات پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ خالق حقیقی سے جا ملیں۔ انتقال کے وقت مرحومہ کے بطن سے تین بیٹے شہزاد احمد، سجاد احمد اور جواد احمد اور تین بیٹیاں ناہید، فرحت اور نرگس سوگواران میں شامل تھے۔ اب یہ تینوں شادی شدہ اور عیال دار ہیں۔

۱۹۹۸ء میں انھوں نے اپنی ازدواجی زندگی کے خلا کو پُر کرنے کے لیے اپنی چچازاد بہن نور جہاں سے دوسری شادی کی۔ جن کے بطن سے دو بیٹے عماد احمد اور وہاج احمد اور دو بیٹیاں تہذیب اور تقدیس شہزادی زیرِ تعلیم ہیں۔ اگرچہ ان کی موجودہ بیگم عمر میں ان سے چونتیس سال چھوٹی ہیں لیکن ازدواجی زندگی خوشگوار، پرسکون اور کامیاب ہے۔

عملی زندگی کے سفر میں با وفا، باحیا، اور دکھ سکھ میں استقامت والی رفیقہ حیات عطیہ خداوندی سے کم نہیں۔ اگر مرد اپنی بیوی سے خوش اور پرسکون ہو تو وہ عملی زندگی کے امور کو احسن طریقے سے بخیر و خوبی انجام دینے میں کامیاب رہتا ہے۔ بلا شک و شبہ جن مردوں کو وفادار اور حیادار بیویاں ملتی ہیں وہ خوش نصیب ہوتے ہیں۔ اپنی ازدواجی زندگی کے حوالے سے وہ کہتے ہیں:

> میرا اس بات پر یقین ہے کہ جس طرح کوئی مرد اپنی بیوی سے وفا داری اور حیاداری کا طلبگار ہوتا ہے اسی طرح بیوی بھی مرد سے وفا اور حیا کی حقدار ہوتی ہے۔ میاں بیوی کے مابین احترام اور اعتماد کا ماحول ازدواجی زندگی کی اساس ہے۔ ہمارے مشرقی معاشرے میں مرد عورت سے زیادہ وفا، حیا اور فرمانبرداری کی توقع رکھتے ہیں۔ عورتوں کی نفسیات اور جنسی جذبات کا خیال رکھے بغیر مثالیت کے حامی ہوتے ہیں۔ میں نے اپنی ذاتی زندگی میں عورت کو مرد سے کبھی کم تر نہیں جانا۔ میرا مشاہدہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں عورت آج بھی مظلوم اور محکوم ہے۔ آج بھی قانونی، فکری اور عملی اعتبار سے ہم عورت کے ساتھ جنسی امتیاز پر فخر کرتے ہیں اور اسے ایک شے تصور کرتے ہیں۔ ازدواجی زندگی ہموار اور خوشگوار نہ ہو تو علم و ادب یا تصنیف و تخلیق کا کوئی نمایاں کام سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ گھریلو ناچاقی اور نااتفاقی غور و فکر کو مفلوج کر دیتی ہے۔ مجموعی طور اس ازدواجی سفر میں ہمارے درمیان کوئی تکلیف دہ یا دل شکن مرحلہ نہیں آیا۔[۱۸]

کامیاب ازدواجی زندگی کا انحصار صرف زوجین کے خوشگوار باہمی تعلق پر نہیں ہوتا۔ بلکہ دیگر بہت سے عوامل مثلاً اولاد، رشتہ دار، سماجی ماحول، اور مالی حالات بھی اس میں بالواسطہ یا بلا واسطہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ اپنی اولاد کے حوالے سے وہ کہتے ہیں:

> خاندانی زندگی میں مثالیت سوائے وہم کے کچھ نہیں۔ میں نے اپنی اولاد سے کبھی یہ توقع نہیں رکھی کہ وہ بڑے بڑے منصب حاصل کریں یا مشہور شخصیات بنیں۔ البتہ یہ

امید ضرور رکھی ہے کہ وہ اچھے انسان بنیں، رزق حلال کمائیں، محتاجی اور محرومی سے بچنے کے لیے علم و فن تک رسائی حاصل کریں اور فی زمانہ عزت و آبرو سے زندگی گزاریں۔ کیوں کہ دولت، امارت، شہرت اور مرتبہ ایک نسبتی یا اضافی کیفیت ہے۔ امیر سے امیر آدمی بھی کسی دوسرے شخص کے مقابلے میں کمتر یا غریب ہوسکتا ہے اور غریب سے غریب آدمی بھی کسی دوسرے کے مقابلے میں امیر یا برتر ہوسکتا ہے۔[19]

زندگی کے صبر آزما لمحات:

شاعر معاشرے کا وہ فرد ہوتا ہے جو اپنے دردوں اور زخموں کو بھلا کر دوسروں کے دردوں اور زخموں کی بات کرتا ہے۔ اپنی محرومیوں اور مشکلات کو بخوشی قبول کرتا ہے لیکن دوسروں کی محرومیوں اور تکالیف کے ازالے کے لیے بے تاب رہتا ہے۔ وہ دلوں کو گرماتا، روح کو تڑپاتا اور فکر کو تازگی عطا کرتا ہے۔

محمد رفیق بھٹی جب گورنمنٹ ڈگری کالج پونچھ میں بی۔اے کے طالب علم تھے تو عین سالانہ امتحان شروع ہونے سے قبل ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ چھڑ گئی۔ ان کو تعلیم کا سلسلہ منقطع کر کے بیوی بچوں سمیت ہجرت کرنا پڑی۔ اپنا گھر، جگہ، رشتہ دار اور وطن یک دم چھوڑنا ایک مشکل امر تھا۔ اعلیٰ تعلیم کا شوق لیے انھوں نے ہجرت کی مشکلات کے باوجود دوبارہ ڈگری کالج میر پور میں داخلہ لیا۔ ان کی تعلیم مسلسل اکھاڑ پچھاڑ اور بے قاعدگی کا شکار رہی۔ بی۔اے کرنے کے بعد ایم۔اے اور ایل ایل بی کے چار سال کے دوران ہجرت کے عالم میں جب تعلیمی اخراجات کے لیے کوئی باقاعدہ آمدنی نہ ہو تو اسے جاری رکھنا عزم و ہمت اور ثابت قدمی کا قابل قدر کارنامہ ہے۔ وہ پڑھائی کے دوران ٹیوشن سے بھی اپنے اخراجات پورے کرتے رہے۔

ان کی شریک حیات نعمت بی بی کے ساتھ ان کی رفاقت تقریباً چونتیس (۳۴) سال تک خوش اسلوبی سے جاری رہی۔ ۱۹۹۶ء میں ان کی بیوی پر فالج کا حملہ ہوا جو جان لیوا ثابت ہوا اور وہ خالق حقیقی سے جا ملیں۔ یہ مرحلہ بھی ان کے خاندان کے لیے بڑا کٹھن اور صبر آزما تھا۔ اس کے علاوہ ان کو عملی زندگی میں بھی اپنوں نے بہت دکھ اور تکالیف دیں لیکن انھوں نے برداشت اور حق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ محمد رفیق بھٹی کے لیے یہ بڑے صبر آزما لمحات تھے۔ غیروں کے ظلم و ستم اور اپنوں کی بے وفائی سے ان کی زندگی سخت کٹھن ہوگئی۔ بہر حال اس پیکرِ عزم و عمل اور اسلام کے پکے شیدائی نے ان تمام مشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور کبھی زبان پر شکایت کا ایک لفظ تک نہ لایا۔

عملی زندگی کا دوسرا دور:

محمد رفیق بھٹی علم و ادب، تعلیم و تدریس اور تخلیق و تحقیق میں گہری دلچسپی اور لگاؤ رکھتے تھے۔ جب پبلک سروس کمیشن آزاد کشمیر نے انھیں لیکچرار معاشیات کے لیے میرٹ پر مستحق قرار دیا تو انھوں نے محکمہ تعلیم شعبہ کالجز کو اپنی زندگی کے مستقبل کے سفر کے لیے چن لیا۔ تعلیم و تدریس کے اس سفر میں انھوں نے آداب ملازمت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تمام مراحل بخیر و خوبی مکمل کیے۔ لیکچرار، اسسٹنٹ پروفیسر، ایسوسی ایٹ پروفیسر اور پھر پروفیسر ترقی یاب ہوئے۔

انھوں نے معلّمی کے پیشے کا آغاز گورنمنٹ ڈگری کالج کوٹلی سے کیا۔ بعد ازاں گورنمنٹ ڈگری کالج میر پور، چڑہوئی، ڈنہ کچیلی، چکسواری، اسلام گڑھ اور سماہنی میں انتظامی و تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ ان کا شمار موسٹ سینئر پرنسپلز میں بھی ہوتا ہے۔ اس دوران انھوں نے مختلف ممالک مثلاً انگلینڈ، ایران، بھارت اور سعودی عرب کے مطالعاتی دورے بھی کیے۔ وہ اُردو کے علاوہ انگریزی، ہندی، پنجابی، فارسی، پہاڑی اور گوجری زبانوں میں اظہار خیال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے میزان، خبرنامہ اور نردبان جیسے علمی و ادبی رسائل کا اجراء کیا۔ محمد افضل صابری کہتے ہیں: ''رفیق بھٹی بڑے اچھے استاد ہیں معاشرتی لحاظ سے مضبوط قد کاٹھ کے آدمی ہیں۔ انقلابی شاعر جانے جاتے ہیں۔ ان کی مجموعی زندگی ہر لحاظ سے کامیاب ہے''۔[۲۰]

ان کی عملی زندگی کا دوسرا دور ۱۸ نومبر ۱۹۷۲ء سے ۲۰ جنوری ۲۰۰۵ء تک تسلسل سے جاری رہا۔ اس دور میں انھوں نے ہمت، محنت، کوشش، صبر و تحمل اور جرأت کے ساتھ کشمیر کے معاصر اُردو ادب میں اپنا ایک نمایاں مقام بنا لیا۔

سوانحی واقعات:

محمد رفیق بھٹی ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ وہ ابتدائی تعلیم اور ہجرت سے لے کر پیشہ ورانہ زندگی میں مسلسل سفر میں نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اس سفر میں آنے والی مشکلات کا جواں مردی سے مقابلہ کیا۔ ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی۔ وہ نڈر، بے خوف، بے باک اور حق کی خاطر جان بھی قربان کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ وہ نظم و ضبط، حق، سچ اور انصاف کے اصولوں پر عمل پیرا ہیں۔ ان کی زندگی کے دو واقعات یہاں بیان کیے جاتے ہیں:

محمد رفیق بھٹی گورنمنٹ ڈگری کالج پونچھ میں زیر تعلیم تھے۔ پروفیسر راجہ عبدالحمید خان اور وہ ایک ہی کمرے میں رہتے تھے۔ایک دوسرے طالب علم غلام احمد میر نے ان سے پانچ یا سات روپے ادھار لیے۔ وہ تھنہ منڈی کا رہنے والا تھا۔سگریٹ بھی پیتا تھا۔ جب مقررہ وقت پر محمد رفیق بھٹی نے اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو وہ ٹال مٹول کرنے لگا۔ بالآخر اس نے پیسے واپس کر دیے مگر آٹھ آنے کم۔انھوں نے اسے گریبان سے پکڑ لیا اور کہا میرے پیسے پورے واپس کرو۔اس نے عبدالحمید خان کو آواز دی کہ مجھے بچاؤ۔ محمد رفیق بھٹی نے کہا عبدالحمید (خان) میرے نزدیک نہ آنا میں نے پیسے پورے وصول کرنے ہیں۔ پروفیسر عبدالحمید خان کہتے ہیں: ''رفیق بھٹی ایسا آدمی ہے جو اپنا حق حاصل کرنے اور حق کی خاطر تشدد کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا''۔[۲۱]

محمد رفیق بھٹی ایک دفعہ جھنگ گئے واپسی پر بیگم اور بچے بھی ساتھ تھے۔ ریل گاڑی آتی ہے ان کو وریام اسٹیشن پر سے دینہ آنا تھا۔ انھوں نے ٹی ٹی او آفیسر سے درخواست کی کہ بیوی اور بچے بھی ساتھ ہیں اچھی سیٹ دے دو۔ اس نے کہا کہ بہت رش ہے۔ اسی اثنا میں باہر ریل گاڑی کھڑی ہوتی ہے۔ سپاہی بولا بابو آپ کو سیٹ چاہیے؟ انھوں نے سوچا کہ کوئی فرشتہ ہے۔ اس نے انھیں ساتھ لیا اور بیوی بچوں کو بوگی میں بٹھایا پوری بوگی میں صرف دو سپاہی تھے جن کے ہاتھوں میں ایک ایک کلاشنکوف تھی۔انھوں نے ہر سٹاپ پر اپنی گنز انھیں دیں اور خود سواریاں بٹھائیں۔ پوری بوگی صرف دو سپاہیوں کے حوالے تھی۔ اس سے انھیں ریلوے کے خسارے کا اندازہ ہوا۔

ان کا بچپن پیر پنجال کے دامن میں گزرا۔جس پر زیادہ تر برف پڑی رہتی ہے۔ایک دفعہ تتن سر جھیل کی سیر کے دوران ان کو شدید بھوک لگی ایک قریبی بکروال کے جھونپڑے میں گئے اور روٹی مانگی۔بکروالنی جو روٹی پکا رہی تھی آپ کو دیکھ کر ''بولی کڑی بدھی وی اے ،نواں کپڑا لایا وی ایں تے روٹی منگنو پھرے، بابو لگ رہیوائے''یعنی نئی گھڑی پہنی ہوئی ہے،لباس بھی نیا ہے، بابو لگ رہا ہے اور پھر بھی مانگ رہا ہے۔

شخصیت:

محمد رفیق بھٹی انتہائی جاذب نظر اور پُرکشش شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ وسیع الظرف اور خوش طبع آدمی ہیں۔ بطور مدرس وہ اعلیٰ مقام و مرتبے کے مالک ہیں۔ وہ لائق ،محنتی اور ذہین ہیں۔ وہ ملنسار بھی اعلیٰ پائے کے ہیں۔ وہ مجاہدانہ زندگی گزارنے کے قائل ہیں۔ جہالت ، کفر اور ظلم و ستم کے خلاف انھوں نے ساری زندگی جہاد کیا۔انھوں نے اپنے قلم اور زبان کی تیغ ہمیشہ بے نیام رکھی۔تحریر و تقریر اور اپنے مضامین کے ذریعے ریاستی

عوام میں آزادی کی لہر پیدا کی۔ وہ ایک باوقار شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کی شخصیت میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک رہبر و راہنما میں ہوا کرتی ہیں۔ تعلیم و تدریس کے شعبہ سے منسلک ہونے کے بعد ان کی شخصیت اور نکھر کر سامنے آئی۔ ان کی شخصیت میں ایک مصلح اور مبلغ کی تمام خوبیاں اور صلاحیتیں موجود ہیں۔ ان کا چلنا اور بولنا باوقار ہے۔ جماعت کا کمرہ ہو یا عام انسانی اجتماع وہ ہر جگہ باوقار گفتگو کرتے ہیں جس سے ان کی شخصیت کے کمالات کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اپنا تعارف انتہائی عاجزی و انکساری سے یوں پیش کرتے ہیں:

کوئی شاعر نہ مصنف نہ قلمکار ہوں میں
کوئی عالم نہ معلم نہ اداکار ہوں میں
ایک بندہ ہوں عبادت ہے ضرورت میری
ایک انساں ہوں محبت کا طلبگار ہوں میں

وہ اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک ہیں۔ وہ تعلیم کا مقصد اور اساس اخلاق اور کردار سازی کو ہی قرار دیتے ہیں۔ وہ سادہ اور صاف لباس پسند کرتے ہیں۔ شلوار قمیص ان کا پسندیدہ لباس ہے۔ وہ جب بھی سفر یا حضر میں ہوں ان کے ہاتھ میں کتاب، قلم اور مسودات نظر آتے ہیں۔ محمد اسحاق چوہدری بتاتے ہیں: ''رفیق بھٹی بڑی پُر بہار شخصیت کا مالک ہے اچھے گھر کا آدمی ہے۔ کبھی اپنی غریبی کا احساس نہ ہونے دیا۔ بڑی پر وقار زندگی گزاری''۔[۲۲]

عادات و خصائل:

محمد رفیق بھٹی پختہ عادات و اطوار کے مالک ہیں۔ جس کام اور عادت کو زندگی کا حصہ بنایا عمر بھر اس پر کاربند رہے۔ اُن کی زندگی کی نمایاں خصوصیت کم کھانا ہے۔ وہ کھانے کی بجائے زندہ رہنے کے لیے کھاتے ہیں۔ وہ کم بولتے ہیں مگر جب بولتے ہیں تو جم کر بات کرتے ہیں۔ جیسی مجلس ہوتی ہے ویسی ہی گفتگو کرتے ہیں۔ وہ اس انداز سے بولتے ہیں کہ محفل پر چھائے رہتے ہیں۔

محمد رفیق بھٹی نے سادگی کو پسند کیا اور ہمیشہ سادہ زندگی گزاری۔ تصنع اور بناوٹ کی زندگی سے ہمیشہ دور رہے۔ وہ اچھا لباس پہننا پسند کرتے ہیں۔ کسی کا محتاج ہونے کی بجائے اپنا کام خود کرتے ہیں۔ باغبانی ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ مچھلی اور پرندوں کے شکار کے بھی شوقین ہیں۔ کسی کی دل آزاری کرتے ہیں اور نہ ہی کسی

کو ناراض کرتے ہیں۔ وہ ساری زندگی نیند کے خلاف جہاد کر رہے ہیں اسی وجہ سے کم سوتے ہیں۔ صبح چار یا پانچ بجے اٹھ جاتے ہیں۔ پرندوں کی چہچاہٹ کو پسند کرتے ہیں۔ سستی دور کرنے کے لیے صبح صبح اٹھ کر غسل کرتے ہیں۔ عبادت سے فراغت کے بعد تصنیف و تالیف اور مطالعے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ محمد رفیق بھٹی اپنی ذات میں انجمن ہیں۔ وہ ایک ایسا چراغ ہیں جس نے اپنی ضوفشانی سے ہر صحنِ دل کو روشن و منوّر کیا ہے۔ وہ بذات خود روشن ضمیر انسان ہیں۔ اسی لیے انھوں نے ساری زندگی حصول جاہ و حشمت کی خاطر کسی بادشاہ کا قصیدہ نہیں لکھا اور نہ ہی ناجائز اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے کسی سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی۔ اپنی مرضی کے آدمی ہیں اور انھی لوگوں سے میل جول رکھتے ہیں جو میدان علم کے شہسوار ہیں۔ اُن کا ایک قطعہ یہ ہے:

نادیدہ واقعات کو دیدہ نہ لکھ سکا
جو کم نہاد ہیں اُنھیں چیدہ نہ لکھ سکا
نغمے وطن کے گیت وفا کے لکھے تو ہیں
لیکن کبھی کسی کا قصیدہ نہ لکھ سکا

محمد رفیق بھٹی کو اللہ وحدہ لاشریک نے کمال جرأت اور بے پناہ قوتِ ارادی سے نوازا ہے۔ بلا خوف و خطر حق کی بات کرنا اور مخالفین کی بلا دلیل و بلا جواز سازشوں اور بے جا اعتراضات کی بوچھاڑ کے سامنے آہنی دیوار بن کر سینہ سپر ہونا محمد رفیق بھٹی ہی کا وتیرہ ہے۔ انھوں نے قلم کی حُرمت و تقدس کو ہمیشہ برقرار رکھا۔ ان کی عادات و خصائل کے حوالے سے محمد اسحاق چوہدری نے بتایا: ''رفیق بھٹی انتہائی مہذب، سوشل، ہمدرد، ملنسار اور محنتی انسان جو آج تک قائم ہے''۔[۲۳]

عشق رسول ﷺ:

محمد رفیق بھٹی ایک سچے عاشق رسولؐ ہیں۔ عشق رسولؐ ان کی تحریروں اور تقریروں میں نمایاں طور ظاہر ہوتا ہے۔ وہ عبادت گزار اور پرہیز گار ہیں۔ عشق رسولؐ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ پختہ عقائد کے مالک ہیں۔ اسلام اور شریعت کی پابندی کرتے ہیں۔ وہ درِ مصطفیٰ ﷺ کے دیدار کو بھی ایک بڑا اعزاز اور مقامِ عزت و افتخار سمجھتے ہیں۔ وہ ظاہر سے زیادہ باطن اور فکر سے زیادہ عمل کے علم بردار ہیں۔

وہ نبی کریم ﷺ کی ذات کو سب سے اولیٰ و اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ وہ اپنی عقل کو کم تر سمجھتے ہوئے نبی کریمؐ کی

تعریف کو نا قابل بیان سمجھتے ہیں۔ پھر وہ اپنی نسبت حضرت محمد ﷺ سے اور ان کا امتی ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ وہ اپنے گھر میں بھی یوں محسوس کرتے ہیں جیسے رحمت عالمؐ کے در پر ہوں۔ وہ ہر مشکل گھڑی میں نبی کریم ؐ کو آواز دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اللہ اور اس کے آخری نبیؐ کی اطاعت پر عمل پیرا ہیں۔ محمد عنایت اللہ سبحانی اسی بات کو یوں بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کی کامل اطاعت کا نام اسلام ہے۔ جس پر انسان کی فلاح و نجات کا دارومدار ہے''۔[۲۴]

سرزمین حجاز، دیارِ حبیب اس ارضی کائنات کا مقدس ترین خطہ ہے۔ جہاں ایک ارب مسلمانوں کے ہادی آقا و مولیٰ زمانہ نبوت میں قدم رنجہ فرماتے رہے۔ وہ اس کی خاک کو سرمہ چشم بناتے ہیں۔ وہ جب عمرہ کرنے جاتے ہیں تو ان کے دل کی خواہش پوری ہو جاتی ہے۔ ان کے سفرنامہ حرمین کے مسافر کے ایک ایک لفظ سے ان کی نبی پاکؐ کی ذات با برکات سے عشق اور محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کا یہ سفر عقیدت سے زیادہ محبت کے جذبات سے لبریز ہے۔ فرحت بنت رفیق رقمطراز ہیں: ''حرمین کے مسافر اللہ اور اس کے آخری رسول ﷺ سے ان کی عقیدت و محبت کا کیف پرور اظہار یہ ہے''۔[۲۵]

وہ نبی کریمؐ کی شخصیت سے بہت متاثر ہیں۔ جس کا اظہار ان کی شاعری سے بھی نمایاں ہے۔ شاعری میں عشقِ رسولؐ کے حوالے سے گفتگو اگلے باب میں ہو گی۔ تاہم یہاں صرف ایک دو اشعار درج کیے جاتے ہیں جس سے ان کا عشق رسولؐ نمایاں ہے۔ گویا کہ وہ حقیقی عاشق رسولؐ ہیں۔

حق تعالیٰ کی مشیت پر گزارہ ہے ابھی
رحمتِ عالم ؐ کی رحمت کا سہارا ہے ابھی
تیری یاد وجہ سکون ہے تیرا ذکر شان نیاز ہے
تیرا نام جس میں نہ آسکے وہ اذان ہے نہ نماز ہے

محمد رفیق بھٹی کی تخلیقات:

محمد رفیق بھٹی کی شعری و نثری کتب کی مجموعی تعداد دس (۱۰) ہے۔ ان کتب کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف۔ شعری کتب:

۱۔ سُتونِ دار

محمد رفیق بھٹی کا یہ پہلا شعری مجموعہ ہے۔ ۱۷۵ صفحات پر مشتمل اس مجموعے کو پنجال پبلشرز میر پور نے جنوری ۱۹۹۴ء میں شائع کیا۔ اس میں ۳۰ نظمیں اور چھ قطعات شامل ہیں۔ اس مجموعے کو شہدائے جموں وکشمیر، دخترانِ جموں وکشمیر، اور حرّیت پسندوں کے نام کیا گیا ہے۔ ستون دار کا سارا مواد کشمیر اور تحریک آزادی کشمیر سے متعلق نظموں اور ترانوں پر مشتمل ہے۔ تحریکِ آزادیٔ کشمیر ان کے فکر وفن کی اساس ہے۔

۲۔ لہو نگر

۱۷۶ صفحات پر مشتمل اس شعری مجموعہ کو پنجال پبلشرز میر پور نے جنوری ۱۹۹۷ء میں شائع کیا ہے۔ اس شعری مجموعے کو ریاست جموں کشمیر کی اس نسل کے نام کیا گیا ہے جو مقبوضہ کشمیر میں آزادی کا سورج طلوع ہوتا دیکھ سکے گی۔ اس مجموعہ میں ۳۴ نظمیں، ۱۶ قطعات اور آخر میں دعا ہے۔ کشمیر کے اس حرّیت پسند شاعر نے لہو نگر سے کشمیریوں میں ولولہء تازہ پیدا کیا ہے۔ یہ کتاب ان کی وطن دوستی کا ثبوت ہے۔ اس کے آغاز میں معروف شاعر مشتاق شادؔ کا تبصرہ بعنوان لہو نگر میں ایک سفر بھی شامل ہے۔ ستونِ دار کے بعد لہو نگر مزاحمتی اور عصری ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

۳۔ ریگ زار

یہ محمد رفیق بھٹی کی اُردو غزلیات کا پہلا مجموعہ ہے۔ اس کا دیباچہ حرفِ تمنا کے عنوان سے شاعر نے خود لکھا ہے۔ تاہم اس میں پروفیسر بشارت علی فیضی اور ذوالفقار علی اسد کی تقاریظ بھی شامل ہیں۔ ان کا رنگ تغزل کلاسیکی ہے۔ غزلوں کے اس مجموعہ میں ۱۶۴ غزلیں، ۳۰ رباعیات اور ۶۶ قطعات شامل ہیں۔ ۲۴۰ صفحات پر مشتمل اس مجموعہ کو رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز راولپنڈی نے جولائی ۲۰۱۵ء میں شائع کیا ہے۔ انسان کی ہستی ان کی فکر کا محور ہے۔

ب۔ نثری کتب

۱۔ محسنینِ کشمیر

یہ کتاب محمد رفیق بھٹی کی ایک عظیم علمی کاوش ہے۔ اس میں کشمیر کو غلامی سے آزاد کرانے اور تحریکِ حرّیت کے لیے مخلصانہ اور دلیرانہ جدوجہد کرنے والی شخصیات کا تذکرہ ہے۔ اس میں کشمیریوں کو اُن کی تاریخ،

قومی ہیروز کے نام اور کام سے متعارف کروایا گیا ہے۔اس کے حصہ اول کی پہلی اشاعت ۲۰۰۱ء میں ہوئی۔اس کا دیباچہ مصنف نے خود لکھا ہے۔

۲۔ دوستی کا سفر

یہ سفر نامہ محمد رفیق بھٹی کے یورپ میں تفریحی و مطالعاتی دورہ کی روداد کو بیان کرتا ہے ۔اس میں دو مختلف تہذیبوں کی معاشرت ،سیاست ،معیشت،نصابِ تعلیم ،انتظامِ تعلیم اور تعلیمی ماحول کا تجزیاتی موازنہ کیا گیا ہے۔اس کا دیباچہ صدائے دل کے عنوان سے مصنف نے خود لکھا ہے۔

۳۔ قرضِ حسنہ شاعری و شخصیت خواجہ علی بہادر

اس کتاب میں آزاد کشمیر کے ایک گمنام شاعر خواجہ علی بہادر کی شخصیت و شاعری ،انسان دوستی ، پیار و محبت اور ہمدردی کو تحقیقی انداز میں عوام کے سامنے پیش کر کے انھیں حیاتِ جاویداں عطا کر دی گئی ہے۔اس کتاب کی پہلی بار اشاعت ۲۰۰۴ء میں ہوئی ۔

۴۔ ایرانِ صغیر سے ایران کبیر تک

یہ سفر نامہ کشمیر ، پاکستان ،اور ایران کے مختلف شہروں کی تہذیب و ثقافت،معاشی ،معاشرتی ،سماجی، سیاسی ،اور اخلاقی حالات و واقعات کو بیان کرتا ہے۔اس کی اشاعت ۲۰۰۵ء میں ہوئی۔اس کا دیباچہ بھی حرفِ تمنا کے عنوان سے مصنف نے خود لکھا ہے۔

۵۔ حرمین کے مسافر

اس سفر نامے میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں عمرہ کی ادائیگی کے دوران ایک مسافر کی دلی کیفیات اور خوشی کو بیان کیا گیا ہے۔اس سفر نامے کو محسنِ کشمیر سید علی ہمدانیؒ کے نام کیا گیا ہے۔

۶۔ میاں محمد بخش رحمتہ اللّٰہ علیہ شخصیت و فن۔ایک تحقیقی جائزہ

اس کتاب میں محمد رفیق بھٹی نے میاں محمد بخش کی حیات اور فن پر لکھے گے مختلف تحقیقی مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔سب سے اہم اور طویل مضمون بعنوان سید وارث شاہؒ اور میاں محمد بخش فکری مماثلت اور انفرادیت ہے۔کتاب کا دیباچہ مصنف نے خود جب کہ فلیپ پیج پر پروفیسر ڈاکٹر محمد

عارف خان کی تقریظ شامل ہے۔

۷۔ آسمانی شہر کا زمینی سفر ہانگ کانگ

اس سفرنامے میں ہانگ کانگ کی تہذیب وتمدن، رسوم ورواج، معاشی، معاشرتی، ثقافتی، تعلیمی، سیاسی اور تاریخی حالات و واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سفرنامے کی انفرادیت یہ ہے کے یہ دو زبانوں یعنی دائیں طرف سے اُردو اور بائیں طرف سے انگریزی میں لکھا گیا ہے۔

مجموعی تاثر:

محمد رفیق بھٹی نظم ونثر اور تحریر وتقریر میں یدِطولیٰ رکھتے ہیں۔ انھوں نے دنیائے ادب میں ایک ہونہار طالب علم کی طرح قدم رکھا اور ایک استاد کی حیثیت سے اپنا نام پیدا کیا۔ وہ مروجہ علوم کی تحصیل کے ساتھ ساتھ علم وادب کی منازل بھی طے کرتے رہے۔ بالاخر وقت نے ثابت کر دیا کہ وہ خود کو اہلیانِ علم وادب کے سامنے بطور مستند شاعر لانے میں کماحقہ کامیاب رہے۔ شعر وادب سے گہری وابستگی کی بدولت وہ عالمگیر شہرت کے حامل ہیں۔ اندرون و بیرون ملک اُن کی بیشتر سرگرمیاں خالصتاً علمی وادبی ہوتی ہیں۔

محمد رفیق بھٹی بنیادی طور نظم کے شاعر ہیں لیکن دیگر اصناف سخن میں بھی خوب طبع آزمائی کی بلکہ غزل، قطعات اور رباعیات میں تو انھوں نے قابل رشک مقام حاصل کیا۔ انھوں نے اساتذہ کبار کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ان کی زمینوں پر نظمیں اور غزلیں بھی کہی ہیں۔ ان کی شاعری عوام وخواص کے لیے باعث ذوق و تسکین ہے۔ وہ اُردو، انگریزی، ہندی، پنجابی، گوجری اور پہاڑی کے شاعر بھی ہیں۔ اسی مناسبت سے انھیں ''شاعر ہفت زبان'' بھی کہا جاتا ہے۔ وہ اُردو زبان وادب سے گہرا شغف رکھتے ہیں۔ اس لیے انھوں نے اُردو ادب کے ذریعے نہ صرف خود کو متعارف کروایا بلکہ شعری کاوشوں اور نثری کتب کے ذریعے اُردو زبان وادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمود آزاد، سید، تاریخ کشمیر، سیادت پبلی کیشنز اپر چھتر ہاؤسنگ سکیم بی ۲۵ مظفر آباد آزاد کشمیر، بار دوم، جنوری ۱۹۹۰ء، ص ۹۴

۲۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، مطبع عالیہ، لاہور، بار اول ۱۹۷۹ء، ص ۱۶

۳۔ صغیر خان، محمد، کشمیر اور اردو، مشمولہ: ماہنامہ اخبار اردو، شمارہ ۱۲، دسمبر ۱۹۹۴ء، مدیر، انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص ۱۱

۴۔ خوش دیو مینی، راجوری تاریخ اور تشخص، مشمولہ: شمس بری، شمارہ ۲، اگست ۲۰۰۰ء، مدیر، ظفر اقبال، منہاس، شمس بری پبلی کیشنز، سری نگر، ص ۴۴

۵۔ ریاض عباسی، محمد، معلومات کشمیر انسائکلو پیڈیا (ریاضِ کشمیر) مولانا پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۳ء، ص ۴۱۱

۶۔ فوق، الدین، محمد، تواریخ اقوام کشمیر، ویری ناگ پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، جلد ا، مارچ ۱۹۹۱ء، ص ۲۷۸، ۵۳۵

۷۔ فرحت مشتاق، نواب الدین نواب۔۔۔شخصیت وفن، مشمولہ: تذکرہ الحاج نواب دین نواب بھٹی، محقق مؤلف، زبیر احمد قاضی، پروفیسر، رُمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، مئی ۲۰۱۵ء، ص ۱۷۲

۸۔ ایضاً، ص ۱۸۰

۹۔ رفیق بھٹی، محمد، راقم کا انٹرویو، بمقام خالق آباد، میر پور، مورخہ ۱۷ مارچ ۲۰۱۶ء

۱۰۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، کوہستانِ پنجال، مشمولہ: میزان، شمارہ ۲، ۱۹۹۸ء، مدیر، عزیز الرحمان، پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج چکسواری، میر پور آزاد کشمیر، ص ۱۶۶

۱۱۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج اسلام گڑھ، مشمولہ: سرپرائز انٹرنیشنل، ماہنامہ، میر پور نمبر، شمارہ ۶، دسمبر ۲۰۰۴ء، مدیر، شہباز جٹ، محمد، سول لائنز گوجرانوالہ پاکستان، ص ۱۴۹

۱۲۔ نواب دین بھٹی، الحاج، عشق نہ پُچھدا ذاتاں، پنجال پبلشرز میر پور، آزاد کشمیر، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۳

۱۳۔ رفیق بھٹی، محمد، راقم کا انٹرویو، بمقام، پنجال ہاؤس، خالق آباد میر پور، مورخہ ۱۸ اپریل ۲۰۱۶ء

۱۴۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، خطبہ صاحبِ شام، مشمولہ: ایک شام پروفیسر محمد رفیق بھٹی کے

نام، مؤلفہ، فرحت مشتاق (بنت رفیق بھٹی)، پنجال پبلشرز میر پور آزاد کشمیر، ۲۹، اکتوبر ۲۰۱۱ء ص ۱۵۴

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۵۵

۱۶۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، سُتونِ دار، پنجال پبلیشرز میر پور آزاد کشمیر، ۱۹۹۴ء، ص ۱۹

۱۷۔ ظفر مغل، (انٹرویو) ادب ایک عالمگیر سچائی اور ایک انسانی ورثہ ہے، مشمولہ: روزنامہ مرکز، اسلام آباد راولپنڈی، ۲۹، ستمبر ۱۹۹۸ء

۱۸۔ رفیق بھٹی، محمد، راقم کا انٹرویو، بمقام، پنجال ہاؤس، خالق آباد میر پور، مورخہ ۱۸ اپریل ۲۰۱۶ء

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ افضل صابری، محمد، ممتاز شاعر، صحافی روزنامہ جنگ، محمد رفیق بھٹی کے ہم عصر سے راقم کا انٹرویو، بمقام، کوٹلی، مورخہ ۲۳، اپریل ۲۰۱۶ء

۲۱۔ عبدالحمید خان، راجہ، پروفیسر، ریٹائرڈ کنٹرولر امتحانات کالجز، محمد رفیق بھٹی کے روم میٹ سے راقم کا انٹرویو، بمقام، کوٹلی، مورخہ ۲۳، اپریل ۲۰۱۶ء

۲۲۔ اسحاق چوہدری، محمد، ریٹائرڈ سیشن اینڈ ڈسٹرکٹ جج، محمد رفیق بھٹی کے کلاس فیلو سے راقم کا انٹرویو، بمقام، کوٹلی، مورخہ ۲۳، اپریل ۲۰۱۶ء

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ عنایت اللہ سبحانی، محمد، محمد عربی ﷺ، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور، پاکستان، ۱۹۹۴ء، ص ۱۱

۲۵۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، حرمین کے مسافر، پنجال پبلشرز میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۱۰ء، ص ۲۰

باب دوم

محمد رفیق بھٹی کے شعری موضوعات اور اُسلوب

ا۔محمد رفیق بھٹی کی شعری تخلیقات کا جائزہ:

کسی شاعر کی شعری تخلیقات اس کے فکری ارتقا کی نمائندہ اور اپنے زمانے کے حالات و واقعات کا آئینہ ہوتی ہیں۔کسی قوم یا علاقے کی تاریخ کا مطالعہ کرنا ہو تو اس کے شعرا کی شاعری سے استفادہ کرنا چاہیے۔ چوں کہ تاریخ دان یا تاریخ نویس حالات و واقعات کی زمانی و مکانی ترتیب کو عموماً عسکری یا سیاسی انداز میں بیان کرتے ہیں۔بالخصوص درباری اور سرکاری تاریخ نویس تو انسانوں کے جذبات کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لیکن جب کوئی شاعر عوامی مسائل و معاملات کے گہرے ادراک کے ساتھ اپنے زمانے کے لوگوں کے جذبات و احساسات کی شعروں میں ترجمانی کرتا ہے تو گویا وہ ایک ایسی تاریخ مرتب کر رہا ہوتا ہے جو حاکموں اور حکمرانوں کی ترجمان نہیں ہوتی بلکہ عوام الناس کے سماجی،نفسیاتی،اقتصادی اور فکری رجحانات و معاملات کا آئینہ ہوتی ہیں۔

محمد رفیق بھٹی کی ایک نظم ''چارپائی نامہ'' جو ۱۹۶۳ء میں لکھی گئی جب وہ پونچھ کالج میں سال اوّل کے طالب علم تھے کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ۔جس میں لوگوں کی تہذیب و ثقافت،رسوم و رواج اور جذبات و احساسات کو بڑی خوب صورتی سے بیان کیا گیا ہے۔اس نظم کے چند اشعار یہ ہیں:

غریب و امیر اس پہ آرام پائیں
سیاست و مذہب کے نقطے اٹھائیں
حکومت مخالف سکیمیں بنائیں
سویرے اٹھیں تو سبھی بھول جائیں
بڑا فلسفہ اس کے پیچھے ہے بھائی
بڑے کام کی چیز ہے چارپائی

کشمیر ہر کشمیری شاعر کا محبوب موضوعِ سخن ہے۔وطنِ عزیز غاصبوں کے تصرف میں ہو اور اہلِ کشمیر جبر و

تشدّد کی چکی میں پس رہے ہوں تو شاعر کب خاموش رہ سکتا ہے۔ وطن کی محبت سے لبریز ان کے دو شعری مجموعے ستون دار اور لہو نگر شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے کلام میں بڑا سوز اور درد ہے۔ متاعِ درد اس لیے بھی ان کے مقسوم ہوگئی کہ جس بدنصیب خطۂ ارض سے وہ تعلق رکھتے ہیں وہاں کی اکثریت گزشتہ پونے دو صد سالوں سے جو ظلم و جفا کی چکی میں پس رہی ہے۔ محمد رفیق بھٹی اسی اکثریت کے فرد ہیں جو نشانۂ ستم ہے۔ اس لیے ان کے حساس دل پر جو چوٹ لگتی ہے اس کا اظہار شعر کا روپ دھار لیتا ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

میرے پیارے وطن میری جانِ وفا
میری روحِ بدن میرے غم آشنا
رشکِ باغِ جناں گلشنِ دِلربا
تو ہے میرے لیے جیسے غارِ حرا
تجھ کو خونِ جگر سے سجاؤں گا میں
ذرے ذرے میں جنت بسا وُں گا میں
میرے پیارے وطن میرے پیارے وطن

محمد رفیق بھٹی کا پہلا شعری مجموعہ کلام سُتـــــون دار تاریخ و تحریک کشمیر کا فکر انگیز اور معنی خیز مرقع ہے۔ مقبوضہ کشمیر کی آزادی کا جذبہ ان کے تمام جذبات پر حاوی ہے۔ کشمیر کی آزادی کے جذبے کو اساس سمجھنے والا یہ شاعر اپنے وطن سے عشق رکھتا ہے۔ وطن اس کے فکر و فن کا استعارہ ہے۔ ان کے کلام میں فن کی عظمت بھی ہے اور جذبے کی شدت بھی۔ وہ ظلم و جبر کے رقص پیہم پر پریشان ہیں۔ وہ دھرتی کے تقدس اور لہو کی حرمت کا شعور رکھتا ہے۔ سُتـــــون دار محمد رفیق بھٹی کے زندہ اور تابندہ جذبوں کا اظہار ہے۔ جس میں وطنِ عزیز کے باسیوں کے یخ بستہ احساس کو پگھلانے کی قوت موجود ہے۔ سُتـــــونِ دار کے آغاز میں شاعر ربّ کریم کے حضور یوں دست بہ دعا ہے:

کشکول آرزو کا اٹھائے ہوئے ہوں میں
سر کو تیرے حضور جھکائے ہوئے ہوں میں

لب پہ دُعا ہے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہوں میں
نظریں تیرے کرم پہ جمائے ہوئے ہوں میں
میرے وطن کو اب تو غلامی سے دے نجات
تجھ سے نہیں بعید کچھ اے ربّ کائنات

محمد رفیق بھٹی قوم کی غلامی کے اسباب و جواز پر مستقل غور وفکر کرنے والے شاعر ہیں۔لہذا اپنی اس فکر کو انھوں نے علامہ اقبال کی طرح شکوہ اور جواب شکوہ دوطویل فکر انگیز نظموں کی صورت میں بیان کیا ہے۔ یہ یقیناً ان پر اقبال کے اثرات کا اظہار ہے۔محمد رفیق بھٹی اپنی نظم شکوہ میں ربّ دو جہاں سے اپنے وطن کی طویل غلامی کے متعلق یوں فریاد کناں ہیں:

قوت گویائی بخشی ہے تو کچھ روداد سُن
تو اگر شکوہ نہیں سنتا نہ سُن فریاد سُن

اور

وہ گلستان جس کا پتا پتا ہے آتش خمیر
جس جگہ فطرت بھی ہے اپنی اداؤں کی اسیر
"آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر"
آزمائش اور جانے کس قدر منظور ہے
کارواں ہے آبلہ پا اور منزل دور ہے

وہ جہاں فطرت سے غلامی پر فریاد کناں ہیں وہاں انھیں کشمیری قوم کی نااہلیوں کا احساس بھی ہے۔ان نااہلیوں کی وجہ سے کشمیری قوم کئی بار آزادی سے ہمکنار ہوتے ہوتے اپنوں کی سازشوں کا شکار ہو کر ساحل سے بے کنار ہوئی۔اس کا اظہار انھوں نے جواب شکوہ کے ان اشعار میں کیا ہے:

تم ہو آدابِ ستونِ دار سے نا آشنا
ہفت خوانِ صحِ آزادی کُجا اور تم کُجا

قوم ہوتی ہے وہی اقوام عالم میں پسند
جو شعورِ سرفرازی سے رہے شیرازہ بند
پرچمِ اسلاف رکھتی ہے ہمیشہ سر بلند
موت جس کو زندگی سے ہو زیادہ ارجمند
اس نگر کے باسیوں کو راس آزادی نہیں
تین صدیوں سے جنھیں احساسِ بربادی نہیں

محمد رفیق بھٹی حریت پسند شاعر ہیں۔ وہ اپنی سوچ کے سب زاویے اسی جانب موڑ دینا چاہتے ہیں۔ وہ اُس شاعری کو جس میں آزادی اور اس قلم کو جو نغمات آزادی نہ لکھے توڑ دینے کے قائل ہیں۔ وہ نوجوانوں کی تن آسانی سے پریشان ہیں۔ وہ جہالت کے اندھیرے کو دور کر کے آزادی کے سورج کو طلوع ہوتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

حریت کا سلسلہ فکر و ادب سے جوڑ دو
سوچ کے سب زاویے بس اسکی جانب موڑ دو
جس میں آزادی نہ ہو اس شاعری کو چھوڑ دو
جو قلم نغماتِ آزادی نہ لکھے توڑ دو
شاعری کو قوم کی آواز ہونا چاہیے
شعر ہر اِک حریت کا ساز ہونا چاہیے[1]

لہو نگر محمد رفیق بھٹی کا دوسرا شعری مجموعہ ہے۔ جس میں انھوں نے آزادی کی منزل کی طرف ایک قدم اور آگے بڑھایا ہے۔ وہ مسلسل حرکت، محنت، کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں۔ وہ چین سے بیٹھنا گوارا نہیں کرتے ہیں۔ ان کے اندر ایک آگ سی لگی ہوئی ہے۔ اپنے وطن کی غلامی کا روگ ان کے دل میں رچ بس گیا ہے۔ اسی وجہ سے ان کو اپنے وطن کی ہر چیز لہو سے تر نظر آتی ہے۔ انھیں اپنی جان سے بھی بڑھ کر اپنے وطن کی دھرتی سے پیار ہے۔ وہ اپنے وطن کی آزادی کے لیے اپنا تن، من، دھن قربان کر دینا چاہتے ہیں۔

محمد رفیق بھٹی حُب الوطنی کے ایمان افروز جذبوں سے سرشار ایک شاعر ہی نہیں بلکہ تاریخ تحریک حریت کشمیر کے بے باک ترجمان اور حریت فکر و عمل کے علمبردار بھی ہیں۔وہ اپنے وطن سے غربت و افلاس کو مٹانا چاہتے ہیں۔لہو نگر تحریک حریت کی آئینہ دار ہے۔اس کے مضامین اور زبان آسان ہے۔یہ کتاب ہر دردمند دل اور آزادی پسند ذہن کے لیے قابلِ فہم ہے۔تاہم وہ اپنے موضوع کے ساتھ پورا انصاف نہیں کر سکے۔اس کتاب میں فنی کمزوریوں کے ساتھ بعض مقامات پر تضاد بھی پایا جاتا ہے۔وہ صرف جنتِ کشمیر کے ترانے گنگناتے نظر آتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے جو بھی دیکھا خواب ہے۔ہر خواب کی حقیقت صحیح ہو یہ بات قرین قیاس نہیں ہے۔انھیں اپنے وطن کی فصلیں ،چمن ،سمن ،دشت و دمن حتیٰ کے تمام وادی لہو سے تر نظر آتی ہے۔وہ اپنی نظم لہو نگر میں کہتے ہیں:

لہو کی برسات ہے بہر سو
لہو کی فصلیں اُگی ہوئی ہیں
چمن لہو ہے سمن لہو ہے
تمام دشت و دمن لہو ہے
لہو کی مہکار اٹھ رہی ہے
لہو کے چشمے اُبل رہے ہیں
لہو کے طوفان چل رہے ہیں
تمام وادی لہو میں تر ہے
سری نگر اب لہو نگر ہے[۲]

ریگ زار محمد رفیق بھٹی کی غزلوں کا مجموعہ ہے۔وہ ایک مدت سے غزل سرائی کرتے آ رہے ہیں۔انھوں نے روایتی موضوعات سے گریز کیا ہے۔اس میں گُل وبُلبُل کی نغمہ سرائی کم اور غمِ حیات کی تلخ نوائی زیادہ ہے۔ دوسو چالیس (۲۴۰) صفحات پر مشتمل اس مجموعہ کو رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز راولپنڈی نے جولائی ۲۰۱۵ء میں شائع کیا ہے۔محمد رفیق بھٹی بڑے حساس دل کے مالک ہیں۔اُن کے ہاں عشق حصول لذتِ کام ودہن سے بہت آگے کی چیز ہے۔اپنے خالق سے عشق ،اپنی دھرتی سے عشق ،اعلیٰ اقدار سے عشق،اور سب سے

TH21437

بڑھ کر مخلوقِ خدا سے عشق اور ان کا یہ عشق جنوں کی حدوں میں محو پرواز ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زمین پر ہر طرف انسان کو انسان کا ڈر ہے۔ آدمی کو آدمی سے پیار ہونا چاہیے۔ لیکن آدمی ہی ایک دوسرے کو بے وقار و بے عزت کر رہا ہے۔ انسان ہی انسان کا دشمن بن گیا ہے۔ جس انسان کے ڈر سے دوسرے لوگ پریشان رہتے ہوں وہ انسان نہیں حیوان ہے۔ وہ انسانیت کے لیے اخلاص و کردار کو معراج قرار دیتے ہیں۔

وہ زندگی میں معاش کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ معاشرے میں ننگا جسم، خالی پیٹ اور پیاسے لبوں کو دیکھ کر آہ و زاری اور خدا کی ذات سے شکوہ بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جن نوجوانوں کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ ہو وہ ستاروں پر کیسے کمند ڈالیں گے؟ صاحبِ کردار اور قابل لوگ پریشان حال ہیں۔ جاہل، ڈاکو، اور چور اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں۔ بے ہنر لوگ معتبر بن بیٹھے ہیں۔ لیکن انھیں اس بات پر یقین ہے کہ انسان خالی ہاتھ آیا تھا اور خالی ہاتھ ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ انھوں نے اپنے اس مجموعۂ کلام میں تلخیوں اور خوشیوں کے ساتھ ساتھ داخلی اور خارجی کیفیات کا جو اثر چھوڑا ہے اسے اشعار میں نمایاں طور بیان کیا ہے:

درندے دشت و صحرا کے بڑے معصوم ہیں لیکن
زمین پر ہر طرف انسان کو انسان کا ڈر ہے

زندگی کی آبرو ہے جوہرِ کردار سے
معتبر ہوتا نہیں ہے آدمی دستار سے

اگر ہو پیٹ خالی، جسم ننگا اور لب تشنہ
میری جاں دولت ایمان لے کر ہم کدھر جائیں؟

ہمارے شہر میں اب وارداتوں کا تسلسل ہے
کسی بھی سانحے پر ابکہ حیرانی نہیں ہوتی

ہر کوئی جاتا ہے خالی ہاتھ دنیا سے مگر
اِک سکندر کے لیے یہ قول کیوں مشہور ہے

وہ زندگی کی حقیقت کو ایک قطعہ میں یوں بیان کرتے ہیں:

پتھروں کے شہر میں شیشے کا گھر ہے زندگی
ریگزارِ وقت میں محوِ سفر ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت جانتا ہوں میں رفیقؔ
قطرۂ شبنم کی صورت برگ پر ہے زندگی[۳]

وہ دنیا کو ایک صحرا اور انسان کو اس صحرا کا مسافر مانتے ہوئے زندگی کے سفر کو جاری رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔وہ مسلسل حرکت ،جدوجہد اور خوب سے خوب تر کی طرف رواں ہیں۔وہ انسانی ذوقِ طلب کو بیدار کرتے ہوئے ایک نئی سوچ اور فکر کی دعوت دیتے ہیں۔ان کا انداز بیان جداگانہ اور منفرد ہے۔

شاعری کیا ہے؟:

زبان ہمارے جذبات و خیالات کے اظہار کا ذریعہ ہے۔شاعری دنیا کی ہر زبان میں ہوتی ہے۔اُردو زبان اپنے علمی و ادبی سرمایہ کی بنا پر ایشیا کی زبانوں میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے۔بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ اپنے حلقۂ اثر اور مقبول عام کے لحاظ سے ممتاز ترین ہے تو بے جا نہ ہوگا۔علم وفن کا شاید ہی کوئی شعبہ یا موضوع ہو جس کے متعلق کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود نہ ہو۔اور زبان و ادب کے اس ذخیرہ میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اُردو زبان و ادب کی ایک طویل تاریخ ہے۔اس طویل تاریخ کے نشیب و فراز اور اس کے دامن میں موجود انقلابات زمانہ کی تاریخ کے باعث اسے زبانوں میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:''اس ادب کی ایک طویل تاریخ ہے جس کے نمونے برعظیم پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں ملتے ہیں۔ اس کا ایک ہیولا سندھ وملتان میں تیار ہوا۔ پھر یہ لسانی عمل سرحد و پنجاب میں ہوا جہاں سے تقریباً دو صدی بعد یہ دہلی پہنچا۔اور وہاں کی زبانوں کو جذب کر کے اور جذب ہو کر سارے برعظیم میں پھیل گیا''۔[۴]

شاعری فنونِ لطیفہ کی ایک ایسی شاخ ہے جو فنی اسالیب اور حُسن و بیان کے علاوہ اپنی معنوی اثر آفرینی کی بدولت انسانی معاشرے میں ازبس اہمیت رکھتی ہے۔شاعری اپنے جاندار اثرات کے ذریعے الفاظ کو شاعرانہ خصوصیت عطا کرتی ہے۔یہ صرف شاعرانہ زبان سے وجود میں نہیں آسکتی بلکہ اس کے لیے جذبات کا

ہونا بھی ضروری ہے۔شعر کے پیچھے کوئی نہ کوئی جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔جذبات اور وارداتِ قلبیہ کوبصورت الفاظ اس طرح ادا کرنا کہ سامع پر وہی اثر طاری ہو جائے جو کہنے والے کے دل میں موجود ہے۔اس کا نام شاعری ہے۔شاعری میں جذبات واحساسات کے ساتھ ساتھ تخیّل کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔مجنوں گورکھ پوری رقمطراز ہیں:''شاعری موزوں اور پُرترنم الفاظ میں دلی جذبات کا اظہار ہے''۔۵ محمد رفیق بھٹی شاعری کی تعریف یوں کرتے ہیں:''ارتقا پذیر شعور کی روشنی میں صداقت اور شائستگی کے اعلیٰ احساسات کا ایسا موزوں ترین اظہار جو فی زمانہ مسرت افروز اور سبق آموز ہوشاعری ہے''۔۶

یہ ایک دلچسپ امر ہے کہ اُردو شاعری کو برصغیر میں افراتفری اور انتہائی بدامنی کے زمانہ میں عروج ملا۔مغل سلطنت کے سیاسی زوال اور ابتری کے زمانے میں اس کی ابتدا ہوئی اور اسی کش مکش میں یہ پروان چڑھی۔مغلیہ سلطنت کے زوال کا زمانہ دراصل اُردو شاعری کے عروج کا زمانہ ہے۔

اُردو زبان اور شاعری کی برصغیر میں ابتدا اور اس کے ارتقائی سفر پر گزشتہ سطور میں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ہندوستان کے مختلف علاقوں میں پروان چڑھنے کے بعد اس چیز کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ زبان اُردو کشمیر میں کس طرح داخل ہوئی اور اس خطے میں جہاں کشمیری زبان اور ادب علاقائی تہذیب وثقافت کا حصہ بن چکے تھے اُردو زبان اپنے قدم جمانے میں کس طرح کامیاب ہوئی۔

۱۸۴۶ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ نے ۷۵ لاکھ نانک شاہی کے عوض کشمیر کی حسین و دلفریب وادی انگریزوں سے خرید لی تھی۔ریاستی حکمرانوں کو نظام حکومت چلانے کے لیے پڑھے لکھے افراد کی ضرورت محسوس ہوئی پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے حصوں سے لوگ آنے لگے۔پھر ۱۸۵۷ء کی جنگ میں انگریزوں کی مدد کو جانے والی ڈوگرہ فوج بھی واپسی پر اپنے ساتھ اُردو زبان کے الفاظ لائی۔حبیب کیفوی لکھتے ہیں:''ریاست کو پڑھے لکھے اور ہنرمند افراد کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہندوستان اور پنجاب سے لوگ کشمیر آنے لگے۔حکومت نے اپنے مفاد کے لیے ان لوگوں کو ملازمتیں دیں اور اچھے عہدوں پر فائز کیا۔یہ لوگ اپنی زبان اُردو بھی اپنے ساتھ لائے۔اور مقامی لوگوں کے میل ملاپ سے کشمیر میں اُردو کی ترویج کی سبیل نکل آئی''۔۷

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں نے تحریکِ آزادی کو کچلنے کے لیے کشمیر کے ڈوگرہ حکمران ''گلاب سنگھ'' سے فوجی امداد طلب کی۔اس فوج نے غیروں کے اشارے پر اپنے ہی ہموطنوں کو کچلنے میں پوری

سفا کی اور درندگی کا ثبوت دیا۔ جنگ کے اختتام کے باوجود یہ فوجیں دہلی میں موجود رہیں۔حبیب کیفوی رقمطراز ہیں : ''جنگ آزادی ختم ہونے کے باوجود ڈوگرہ فوجیں کچھ عرصہ دہلی میں مقیم رہیں۔اور جب ریاست میں واپس آئیں تو اپنے ساتھ اُردو کے بے شمار الفاظ بھی لائیں جس سے کشمیر میں اُردو کے رائج ہونے میں بڑی مدد ملی''۔۸

کشمیر میں اُردو زبان کی ترویج وترقی کے ان تاریخی حقائق کے علاوہ اس خطہ میں علما ومشائخ کی تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں آمد بھی اُردو زبان کے لیے مفید رہی۔ پھر اس حسین و دلفریب خطہ کے قدرتی حُسن کا نظارہ کرنے والے سیاحوں نے بھی اُردو زبان کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ان تاریخی عوامل سے گزر کر اُردو زبان اوراس میں تخلیق ہونے والا ادب جب محمد رفیق بھٹی کے دور تک پہنچتا ہے تو وہ اپنی ترقی کے کئی مراحل اور ارتقائی سفر کی کئی منزلیں عبور کر چکا ہوتا ہے۔فنی لحاظ سے اس میں پختگی آ چکی ہوتی ہے۔اُردو زبان اظہار و بیان کے تمام اسالیب میں پختہ ہو چکی ہوتی ہے۔اخبارات، رسائل اور علمی و ادبی انجمنوں کا دور دورہ شروع ہو چکا ہوتا ہے۔اور اُردو زبان کو عوام میں مقبولیت حاصل ہو چکی ہوتی ہے۔

شاعر انقلاب:

کشمیر کے معاصر اُردو ادب میں محمد رفیق بھٹی ایک انقلابی شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں۔آزادی و انقلاب ان کی شاعری کا محور ہیں۔انھوں نے غلامی کی زنجیریں توڑنا، جبر و استبداد کو مٹانا، جہالت اور توہمات کو ختم کرنے کا عزم کر رکھا ہے۔ وہ اپنی غزلوں اور نظموں کے ذریعے قاری کو نظامِ جبر کے خلاف مزاحمت پر آمادہ کرتے ہیں۔ان کے کلام میں مسائل کا جمالیاتی احساس موجود ہے جو قاری کو انقلاب پر اکساتا ہے۔

اُنھوں نے قلم کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہوئے نہ صرف جبر و استبداد کے خلاف جہاد کیا بلکہ مظلوم و محکوم قوموں میں مزاحمت کا جذبہ پیدا کر کے انھیں باطل قوتوں کے خلاف پنجہ آزمائی کے لیے تیار کیا ہے۔وہ اپنے وطن کے بیٹوں کو سر پر کفن باندھے اپنے وطن کی عزت کی خاطر مر مٹنے کا درس دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

کفن لپیٹے وطن کے بیٹے وطن کی عزت پہ کٹ رہے ہیں
قدم قدم معرکہ بپا ہے ڈگر ڈگر انقلاب دیکھو

وہ اپنے وطن کی خاطر جان بھی دینے سے گریز نہیں کرتے۔انھیں پتا ہے کہ خون کے بدلے ہی آزادی

کا پیغام ملتا ہے۔ وہ انقلاب کے لیے کسی مردِ حق پرست کے متلاشی ہیں۔ جو غلامی کی زنجیروں کو توڑ دے۔ بڑا شاعر اور ادیب وہی ہوتا ہے جو رہنمائی کا فریضہ سر انجام دیتے ہوئے درست راہ دکھائے۔ انھوں نے بھی انقلاب کی راہ دکھائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انقلاب جدتِ افکار اور قوتِ کردار سے آتا ہے:

''اگنی'' اور ''آکاش'' سے کب کشمیر سنبھالا جائے گا
زنجیریں اب ٹوٹ گریں گی، تخت اُچھالا جائے گا
کوئی مرد حق پرست آئے تو شاید آ سکے
مولوی اور پیر سے تو انقلاب آتا نہیں
فکر ہوتی ہے فروزاں جدتِ افکار سے
انقلاب آتا ہے سن لو قوتِ کردار سے

محمد رفیق بھٹی نے بھی باغیانہ اور انقلابی لہجے میں آزادی کے نغمے چھیڑے ہیں۔ وہ سماج میں تاریکی بے حسی اور انسان دشمنی کو قبول نہیں کرتے ہیں۔ اُنھوں نے کشمیر میں حریت، صداقت اور آزادی کے علم کو بلند کیا۔ ان کے ہاں جذبہ حبُ الوطنی کا والہانہ اظہار ہے۔ وہ روشنی، محبت اور ارتقا کے متمنی ہیں۔ ان کی لا تعداد نظمیں اور غزلیں ایسی ہیں جن میں انقلاب کے آثار موجود ہیں۔ چند اشعار یہ ہیں:

غنچہ دہن انسان کبھی تو بند زبانیں کھولیں گے
ہم بولے تو ساتھ ہمارے شہر کے پتھر بولیں گے
دھرتی پر طوفان اُٹھے گا دریا شور مچائیں گے
جب اپنے افکار کی تلخی ہم الفاظ میں گھولیں گے

اور

گمنامی کو نام ملے گا شہرت خاک بسر ہو گی
تاج کسی کا چھن جائے گا تخت کہیں پہ ڈولیں گے[۹]

محمد رفیق بھٹی کی انقلابی شاعری کے حوالے سے محمد افضل صابری کہتے ہیں: "ہم بولے تو ساتھ ہمارے شہر کے پتھر بولیں گے، وہ بہت بڑے انقلابی شاعر ہیں۔ بلا شبہ ان کا بڑا مقام و مرتبہ ہے"۔[۱۰] پروفیسر نذیر انجم رقمطراز ہیں: "ستون دار میں شامل نظمیں سیاسی اور انقلابی اثرات و رجحانات کی حامل ہیں"۔[۱۱]

نظم کی مختصر تاریخ کا جائزہ

اردو نظم کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ اردو شاعری کی تاریخ ہے۔ دکنی دور میں بہت سی ایسی نظمیں لکھی گئیں جو موضوعاتی تھیں۔ یوں تو ولی سے نظیر اکبر آبادی تک بہت سے شعراء آئے مگر نظیر وہ واحد شاعر تھا جس نے مقامی موضوعات پر نظمیں لکھیں۔ نظیر نے فطرت نگاری کو فروغ دیا۔ نظیر کے بعد الطاف حسین حالی اور محمد حسین آزاد نے مسلمانوں کی ترقی اور تنزلی پر نظمیں لکھیں۔ حالی کی طویل نظم مسدس حالی بہت مشہور ہوئی جس میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان بیان کی گئی ہے۔

۱۸۷۴ء میں محمد حسین آزاد نے "انجمن پنجاب" کی بنیاد رکھی۔ اس سے اردو نظم نگاری کا جدید دور شروع ہوا۔ اکبر الہ آبادی، شبلی نعمانی، اسماعیل میرٹھی، چکبست اور شوق قدوائی نے نہ صرف نظیر کی پیروی کی بلکہ گراں قدر اضافے بھی کیے۔ اکبر نے اپنی نظموں میں طنز و مزاح کے ذریعے ملی، ملکی اور سیاسی موضوعات کو پیش کیا۔

برصغیر پاک و ہند میں آزادی کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالات بدلنے لگے تو شعراء نے بھی ان سے اثر قبول کیا۔ اب نظمیں زیادہ تر ملکی، مذہبی، سیاسی اور معاشرتی موضوعات پر لکھی جانے لگیں۔ علامہ اقبالؒ کی نظموں میں سیاسی رجحان کے اثرات بہت گہرے ہیں مگر یہ سیاسی رجحان دوسرے ہم عصر شعراء کے بالمقابل ذرا بدلی ہوئی شکل میں ملتا ہے۔ اس لیے ان کی شاعری میں گہرائی نظر آتی ہے۔ ان کی شاعری کی ابتداء وطنیت سے ہوتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ ہندو مسلم اتحاد کے گیت بھی گاتے ہیں وہ اسلام کو انسانیت کے دکھوں کا مداوا سمجھتے ہیں۔ ان کی نظموں میں سیاسی اور اجتماعی رجحانات ہیں۔ اگر اردو شاعری میں اقبالؒ نہ ہوتے تو یہ رجحانات اتنی بلندی پر نہ پہنچتے۔

اُردو نظموں میں میراجی نے صرف نئی تکنیک ہی کو متعارف نہیں کروایا بلکہ سوچ اور احساس کی نئی راہیں

بھی دکھائیں۔اختر شیرانی نے اپنی نظموں میں حُسن وعشق کا بیان اس طرح پیش کیا کہ متوسط طبقہ کے نوجوانوں کو اپنی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔انھوں نے محبوب کو چھپانے کی بجائے اسے نمایاں کیا ہے۔اسی لیے ''سلمیٰ'' اور ''عذرا'' اُردوشاعری کی زندہ جاوید ہیروئن بن گئیں۔انھوں نے کہیں پنساریوں کے حُسن کا ذکر کیا کہیں جھولوں پر جھولتی ہوئی لڑکیوں کی تصویریں بنائیں۔اور کہیں گاؤں کی الھڑ دوشیزاؤں کے نقشے کھینچے۔اختر نے رومان کو حقیقت کے رنگ میں پیش کیا۔یہی ان کی شاعری کا بڑا کمال ہے۔

علی سردار جعفری نے طبقاتی کشمکش سے پیدا ہونے والی خامیوں کو اُجاگر کیا۔تصدق حسین نے آزاد نظم کی ترویج میں بڑا کردار ادا کیا۔راشد نے فراریت کی لذت کو پیش کیا۔اختر الایمان کی نظموں پر افسردگی اور حُزن چھایا ہوا ہے۔مجاز کی نظم آوارہ معاشرے کے تمام پہلوؤں اور حقیقتوں کو سامنے رکھ کر لکھی گئی۔جوش کی نظموں میں رنگینیوں اور رعنائیوں کی فراوانی ہے۔انھوں نے حسن وعشق کی شاعری کو زندگی سے معمور کیا۔وہ شعری حُسن کے ساتھ دیہاتی حُسن سے بھی متاثر تھے۔لیکن جوش کی شہرت ان کی انقلابی نظموں کی وجہ سے ہوئی۔جوشؔ کو جوشؔ بنانے میں اقبالؒ کی شاعری کا بڑا دخل ہے۔جوش نے اپنے افکار وخیالات کی تشکیل میں اقبالؒ سے بہت کچھ حاصل کیا۔جوش نے کچھ تو اقبالؒ کے اثر سے اور کچھ حالات و واقعات کی فضا اور ماحول کے تقاضوں سے اپنی شاعری میں انقلابی رنگ پیدا کیا۔

حفیظ جالندھری کی نظمیں بڑی مترنم اور رواں ہیں۔ہندی کے سبک اور نرم و نازک الفاظ کا استعمال بڑے فنکارانہ انداز میں کرتے ہیں۔انھوں نے اپنی نظموں میں کہیں رقاصہ کے حُسن کی کیفیت بیان کی ہے اور کہیں صنفِ نازک کے حُسن و جمال کا تذکرہ کیا ہے۔فیضؔ کو پسے ہوئے طبقے سے گہری ہمدردی تھی۔انھوں نے نچلے طبقے کی محرومیوں اور نا آسودگیوں کی ترجمانی کی ہے۔مگر یہ زبوں حالی انھیں مستقبل سے نا امید نہیں ہونے دیتی۔احسان دانش کی نظموں میں حقیقت کی تلخی، سچ کی کڑواہٹ،طبقاتی شعور اور نسلی امتیاز کا نوحہ موجود ہے۔

احمد ندیم قاسمیؔ ترقی پذیر اقوام کے استحصال کے خلاف ہیں۔وہ نچلے اور پسماندہ طبقے کی حمایت میں آواز بلند کرتے ہیں۔مجید امجد کی شاعری میں کوئی پیغام یا کسی قسم کی نعرہ بازی نہیں ہے۔انھوں نے حالیؔ اور اقبالؒ کی طرح شاندار ماضی کے غم میں آنسو نہیں بہائے اور نہ ہی فیض کی طرح حسین مستقبل کے آرزو مند ہیں۔لیکن ان کی شاعری تمام جمالیاتی اور فنی تقاضے احسن طریق پر پورے کرتی ہے۔جو فن کو آفاقی اور ہمہ گیر بنا دیتے ہیں۔اُردو نظم شاعری کے مختلف موضوعات کو آگے بڑھاتی ہوئی جب محمد رفیق بھٹی کے دور تک پہنچتی ہے تو یہ روایت،فکری اور فنی لحاظ سے بڑی توانا، بھرپور اور ہمہ گیر ہوتی ہے۔محمد رفیق بھٹی کی شاعری نے آزادی ،

وطنیت اور مزاحمتی ادب کے رجحان کو آگے بڑھایا ہے۔

وطن پرستی:

حُب الوطنی ایک فطری جذبہ ہے۔اپنے وطن سے انبیا اور رسولوں کو بھی محبت تھی۔یہی وجہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے ہجرت کی رات مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا! اے مکہ! مجھے تو جان سے پیارا ہے۔میں تجھے کبھی چھوڑ کر نہ جاتا اگر تیرے باسی میری جان کے دشمن نہ ہوتے۔علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری کی ابتدا وطنیت سے کی ہے۔یہی وجہ ہے کہ محمد رفیق بھٹی کے دل میں وطن کی محبت اور خستہ حال اہلِ وطن کے لیے تڑپ بھی موجود ہے۔

محمد رفیق بھٹی کا تعلق جس علاقے سے ہے وہ دھرتی ہی شاعرانہ ہے۔کرشن چندر، چراغ حسن حسرت، جاوید نظامی، کے کے بالی اور رعنا نظامی کا تعلق بھی اسی پونچھ کے وطن دوست علاقے سے تھا۔ہجرت کے بعد محمد رفیق بھٹی کی ساری شاعری وطنیت پر مبنی ہے۔ان کی نظموں میرے پیارے وطن، مٹی کی مہک اور کشمیر ہمارا ہے کے ایک ایک لفظ میں وطن پرستی کے آثار موجود ہیں۔یہی وجہ ہے کہ پروفیسر نذیر انجم نے انھیں وطن کا دردمند شاعر کا خطاب دیا ہے۔وطن ان کی زندگی اور ان کے ایمان کا حصہ ہے۔وہ اپنے وطن کے لیے اپنا تن من دھن قربان کر دینا چاہتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

پنجال کا پانی ہے
دھرتی پیار سجن
صدیوں کی کہانی ہے

اور

راجوری آ جانا
چاول رانجھی کے
میرے ساجن کھا جانا[۱۲]

وطن کا پیار اور مٹی کی محبت ان کے ہر قطرہ خون میں رچی بسی ہے۔جواد جعفری رقمطراز ہیں: ''وطن ان

کا پسندیدہ موضوع ہے۔ان کی شاعری کے حرف حرف سے کشمیر کی خوبصورت مٹی کی مہک آتی ہے''۔[۱۳]

پروفیسر محمد سعید ظفر انھیں محبّ وطن شاعر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:''ان کی شاعری میں حُب الوطنی غالب ہے۔کشمیران کی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے ہے''۔[۱۴]

آزادی کا تصور:

جب کسی ملک کے آزادی پسندعوام پر جبر و جوراور طاقت کے بل بوتے پرعرصہ حیات تنگ کیا گیا تب وہاں کی بہادرعوام اپنی بقا کی جنگ لڑنے کے لیے اپنے سے سوگنا طاقتورغنیم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اورحصول آزادی کی جدوجہد میں تن من دھن کے نذرانے پیش کیے۔انسان فطری طور آزاد پیدا ہوتا ہے لیکن جہاں دیکھو پابندِ سلاسل نظر آتا ہے۔کشمیر بھی ایک ایسا ہی خطہ ہے۔جہاں ایک زمانے سے انسان مسلسل ظلم و جبر کی چکی میں پس رہے ہیں۔انسان کی جائز خواہشات اور مطالبات کو دبانے کے معنی اس کے اندر بغاوت پیدا کرنے کے ہیں۔غلامی غیر فطری چیز ہے۔دنیا کی بہترین قوم کو کس طرح بدتر از حیوان بنا دیا گیا۔چوہدری افضل حق کشمیر میں ظلم ،خوف اور ڈر کے حوالے سے رقمطراز ہیں:''بہتے پانی کے کنارے ،سایہ دار درختوں کے نیچے، چیتھڑوں میں لپٹے ،غربت میں پلے کشمیری ہر طرف نگاہوں کو زخمی کرتے تھے۔ہر خوش پوش سیاح سے وہ آہوان صحرا کی طرح ڈر کر بھاگ جاتے اورمحبت سے بلاؤ تو بھی سہمے سہمے آتے تھے''۔[۱۵]

تحریکِ آزادیٔ کشمیر محمد رفیق بھٹی کے فکر وفن کی اساس ہے۔مقبوضہ کشمیر کی آزادی کا جذبہ ان کے تمام جذبات پرحاوی ہے۔ان کے کلام میں قدم قدم جموں کشمیر کی آزادی کی پکار سنائی دیتی ہے۔وہ وطن کے نوجوانوں میں بھی آزادی کی تڑپ کا جذبہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ان کے نزدیک زندگی کا مقصد مکمل آزادی ہے۔وہ آزادی اپنی جان قربان کر کے بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ان کا گوجری اور پہاڑی کلام بھی آزادی کے حصول کی غمازی کرتا ہے۔حصول تعلیم کے ساتھ ساتھ وطن کی آزادی کے لیے بیک وقت مسلح اورفکری جہاد بلاشبہ ان کا طرّۂ امتیاز ہے۔

اُن کے دل میں آزادی کا جذبہ زمانہ طالبعلمی سے موجود تھا۔ان کے پہلے شعری مجموعے ستونِ دار کے سرِ ورق سے آزادی کے تصور کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ جب وہ ۱۹۶۵ء میں کالج کے مطالعاتی وتفریحی دورہ کے لیے دہلی گئے تو انھوں نے فیروز شاہ کوٹلہ گراؤنڈ کے باہرمہا راجہ اشوک کے دورحکومت کی بنی ہوئی لوہے کی لاٹھ دیکھی۔یہ ہندوستان کی مضبوطی اور استقامت کی علامت ہے۔اسکے اوپر تین شیروں کی مورتی

لگی ہے۔اس سے نیچے ایک ویر چکر بنا ہوا ہے۔اس لاٹھ کو ہندوستانی کرنسی نوٹ پر بھی دیکھا جا سکتا ہے۔وہ اسے ٹکٹکی سے دیکھ رہے تھے۔انھوں نے اسے توڑنے اور اپنے خیالات کی دنیا میں شکست و ریخت کرنے کا فیصلہ کیا۔انھوں نے اپنی کتاب کے سرورق پر اس لاٹھ کے ساتھ ایک کشمیری کی تصویر کو دِکھایا ہے۔جو کشمیری عوام کی نمائندگی کرتی ہے۔اسے ناحق قتل کیا جا رہا ہے۔اس کے جسم پر زنجیر غلامی کی علامت ہے۔ محمد رفیق بھٹی نے لاٹھ پر دراڑیں ڈال کر اسے کشمیری قوم کی جدو جہد قرار دیا ہے۔جو بالآخر اسے آزاد کرائیں گے۔کشمیر میں آج بھی ظلم و جبر جاری ہے۔انھوں نے اس مینار کے اوپر اپنے وطن، آزادی کے پرچم کو گاڑھ دیا ہے۔پہاڑوں سے آزادی کی صبح کا سورج طلوع ہو رہا ہے۔

محمد رفیق بھٹی ایک صاحبِ فکر آدمی ہیں۔وہ ریاست کی آزادی اور جغرافیائی وحدت میں یقین رکھتے ہیں۔وہ جنوبی ایشیا کے امن کو کشمیر کی آزادی سے مشروط قرار دیتے ہیں۔وہ تمام مذاہب کے احترام،تحمل، بردباری اور کامل مذہبی رواداری کے ساتھ اپنی آزادی کی بات کرتے ہیں۔انھوں نے ساری زندگی ریاست میں جمہوری، منصفانہ اور غیر طبقاتی معاشرے کی تعلیم دی۔وہ کہتے ہیں کہ ایٹمی طاقت بن جانے سے ملک مضبوط نہیں ہوتے۔فکری یکجہتی اور عملی یکسوئی سب سے بڑا ہتھیار ہے۔انھوں نے بھارت، پاکستان،اور کشمیریوں کو اپنے رویوں میں تبدیلی کا درس دیا ہے۔کیونکہ اس خطہ میں مستقل سیاسی عدم استحکام اور خون خرابہ کسی کے فائدے کی بات نہیں۔ان کی تحریریں تحریکِ آزادیٔ کشمیر میں روشنی کا مینار ہیں۔

کشمیر کی آزادی کے حوالے سے ان کی ایک نظم کے چند اشعار جن میں ہندوستان کی عیاری، ہندوستانی فوج کی بربریّت اور کشمیریوں کی کسمپرسی کا خوبصورت نقشہ کھینچا گیا ہے درج ذیل ہیں:

کچھ حال نہ پوچھو ہم وطنو کشمیر کے اُن گلزاروں کا
اُن با رونق بازاروں کا اُن سُندر سبزہ زاروں کا
کشمیر کے چپے چپے پر اب ظُلم کے بادل چھائے ہیں
سفاک ستم کش بھارت کے بے رحم درندے آئے ہیں
اِک ہاتھ میں خونی خنجر ہے اِک ہاتھ میں آگ اٹھائے ہیں
کشمیر میں بسنے والوں پر ہر طرف جفا کے سائے ہیں

آخری بند تاریخی، کشمیریوں کے آزادی کے تصور اور آزادی کے جذبے کو ابھارنے اور ان کے عزم آزادی کا برملا اظہار دنیا کو دکھانے کے لیے ہے۔ لکھتے ہیں:

اے ظالم جابر بھارتیو اتنا نہ جبرو جور کرو
کشمیر تمہارے دادا کی جاگیر نہیں کچھ تو غور کرو
خوشامد ہو امریکہ کی یا یو این او میں شور کرو
ہم حق آزادی لے لیں گے تم چاہے جتنا زور کرو

سردار منیر حسین خان نے محمد رفیق بھٹی کی آزادی کے تصور کے حوالے سے راقم کو بتایا: "محمد رفیق بھٹی نے ہندوستان اور پوری دنیا والوں کو ایک واضح پیغام دیا ہے کہ آزادی کشمیریوں کا مقدر ہے"۔[۱۶] سید تبارک حسین محمد رفیق بھٹی کے جذبہ آزادی کے حوالے سے رقمطراز ہیں: "میں نے پروفیسر بھٹی کی بہت سی تحریریں پڑھی ہیں۔ ان کی ہر تحریر آزادی اور زندگی پرور ہے۔"[۱۷]

غزل کی مختصر تاریخ کا جائزہ

غزل کو ہماری زبان کی مشہور و مقبول صنف شاعری کا درجہ حاصل ہے۔ اردو کا نام زبان پر آتے ہی اس کی شاعری تصور میں آتی ہے۔ شاعری کا ذکر چھیڑتے ہی غزل اپنے پورے حسن و جمال اور خوبیوں کے ساتھ نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ غزل شروع ہی سے اردو شاعری کا سرتاج بنی رہی۔

دوسری اصناف سخن کی طرح اردو غزل کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے اردو غزل کا سب سے پہلا شاعر مشتاق سلطان محمد شاہ لشکری بہمن کے دور میں ہوا تھا۔ لطفی مشتاق کا ہمعصر تھا۔ اس دور کا تیسرا شاعر سید شہباز حسینی تھا۔ بہمن عہد ۱۳۵۰ء سے ۱۵۲۵ء جس میں حسن شوق، کمال خان رستمی، ملک خوشنود، محمد عادل شاہ، نصرتی، حسینی اور قادر کے نام بہت اہم ہیں۔ عادل شاہی عہد میں محمد علی قطب شاہ، وجہی، غوامی، سلطان عبداللہ قطب شاہ اور قطب شاہی عہد میں (۱۵۰۸ء تا ۱۶۸۶ء) مشرقی، آزاد، وجدی، فراقی اور پھر ولی، داؤد، خاکی، عاصی

عاجز اور سراج نے غزلیں کہیں۔ مغل عہد (۱۶۸۶ء تا ۱۷۵۰ء) میں روایات کے سامنے دکن کا عام انداز اور اس کی انفرادیت ماند پڑ گئی اور پھر ختم ہوگئی فارسیت نے ہندی فکر اور ہندی اثرات پر غلبہ پا لیا۔ غزل میں سادگی آ گئی۔

ولی دکنی پہلا غزل گو شاعر ہے جس نے فارسی روایات کو برتا۔ ولی دکنی ایک طرف رنگ قدیم سے وابستہ ہے تو دوسری طرف رنگ جدید سے۔ گویا فارسی روایات کی تکمیل کا سہرا ولی کے سر ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی تاریخ ادبِ اُردو میں لکھتے ہیں: ''ولی نے قدیم ادب کی روایات کے زندہ عناصر کو اپنے تصرف میں لا کر فکر و اظہار کی سطح پر ایک نیا معیار قائم کیا۔ جو ریختہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے''۔ [۱۸]

حاتم اور آبرو کا دور ایہام گوئی کا دور تھا اس دور کے شعرا میں حاتم، آبرو، یک رنگ اور ناجی قابل ذکر ہیں۔ مگر ایہام گوئی کا دور زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکا۔ حاتم اور آبرو کے بعد میر اور سودا کا دور آتا ہے۔ اس دور کے شعرا میں میر درد، سودا، میر تقی میر، میر حسن اور سوز زیادہ اہم ہیں۔ انشاء اور مصحفی کا دور شعرائے دہلی کا دور ہے۔ جس میں جرأت، مصحفی، ناسخ، اور رنگین نے زیادہ شہرت حاصل کی۔ غالب اور ذوق کے دور کی ابتدا، شاہ نصیر، ذوق، غالب، مومن اور بہادر شاہ ظفر سے ہوتی ہے۔

ناسخ اور آتش سے لکھنو میں ایک اور دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور کے غزل گو شعرا کے ہاں پر تکلف عبارت، صنائع بدائع اور دُور از کار تشبیہوں اور استعاروں کی کثرت ملتی ہے۔ ناسخ کے علاوہ بحر، وزیر اور صبا وغیرہ اس دور کے استاد شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ مگر آتش کا رنگ بالکل مختلف تھا۔ ان کے کلام میں سوز و گداز اور اثر ہے۔ امیر و داغ کے دور کے شعرا میں داغ، امیر مینائی، جلال و تسلیم وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ اس دور میں پہلے دور کی نسبت پیچیدہ تشبیہات و استعارات میں کمی ہوئی۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد غزل کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ جس کے علمبردار حالی اور آزاد ہیں۔ حالی غزل کے قدیم انداز سے بیزار ہیں۔ اور جدید غزل کے امام ہیں۔ حالی نے غزل کو جو نیا حُسن بخشا اس زمانے کے بیشتر شعرا اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان میں اکبر، چکبست اور اقبال پیش پیش ہیں۔ یہ سلسلہ حسرت، جگر، فانی، فراق، فیض، احسان دانش، مجاز، حفیظ، ناصر کاظمی اور احمد ندیم قاسمی تک پہنچتا ہے۔

غزل جب محمد رفیق بھٹی کے زمانے تک پہنچتی ہے تو یہ روایت فکری اور فنی لحاظ سے بڑی بھرپور اور توانا تھی۔ اس کے دامن میں ہر قسم کے مضامین تھے۔ اور یہ گوناگوں تجربات سے گزر چکی تھی۔ محمد رفیق بھٹی نے بھی

دوسرے شعرا کی طرح غزل میں طبع آزمائی کی ان کے دستیاب کلام سے پتا چلتا ہے کہ ان کا رجحان غزل کی طرف بھی رہا۔شاعر اپنے سماج اور دور کا نمائندہ ہوتا ہے۔ان کی غزل پر سماجی اور معاشی اثر زیادہ ہے۔اس میں غم حیات کی تلخ نوائی بھی ہے اور داخلی اور خارجی کیفیات کا اثر بھی۔انھوں نے انسان دوستی کی بدولت اعلیٰ عملی اقدار کا درس دیا ہے۔وہ انسانوں کو جوڑنے،مسرت فراہم کرنے اور سیرت و کردار کو سنوارتے ہیں۔وہ عمر بھر حق سچ اور انصاف پر ثابت قدمی سے عمل پیرا رہے۔پروفیسر محمد اکرم طاہر بتاتے ہیں:''محمد رفیق بھٹی نئے نئے موضوعات تلاش کرتے ہیں اور ان سے غزل کو آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں''۔۱۹

محمد رفیق بھٹی کی شاعری کے فکری موضوعات:

محمد رفیق بھٹی کی شاعری میں اصنافِ سخن کے جملہ موضوعات موجود ہیں بلکہ بعض موضوعات تو ایسے ہیں جو انھی کی شاعری کا خاصہ ہیں۔درج ذیل سطور میں اُن کی شاعری کے موضوعات بالتفصیل بیان کیے جاتے ہیں:

۱: مذہبی موضوعات:

مذہبی گھرانے کا فرد ہونے اور ایک عظیم درگاہ سے وابستہ ہونے کی وجہ سے محمد رفیق بھٹی کی شاعری کا بیشتر حصہ مذہبی موضوعات پر مشتمل ہے۔یہ موضوعات ترتیب وار پیش کیے جاتے ہیں:

۱.۱: حمد باری تعالیٰ:

حمد کے لغوی معنی تو تعریف کے ہیں لیکن بہ طورِ خاص اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف لی جاتی ہے۔یہ وہ موضوع ہے جس پر لکھی جانیوالی تحریروں کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے کیوں کہ ہر دور میں تسلسل کے ساتھ یہ ذکر کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بہ ظاہر دو پہلو نظر آتے ہیں یعنی ذات کی تعریف اور صفات کی تعریف۔ محمد رفیق بھٹی کے ہاں یہ موضوع بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔انھوں نے ساری زندگی دعوتِ توحید کا درس دیا اور معاشرے میں جنم لینے والی جاہلانہ رسومات کا قلع قمع کرنے کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔محمد رفیق بھٹی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

لامکاں کا مکان اِلا اللہ
غائتِ دو جہان اِلا اللہ

زندگی کا شعور الفرقان

موت کا امتحان اِلاّ اللہ

محمد رفیق بھٹی کی شاعری میں جابہ جا ،اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی شانِ کبریائی کا جلوہ نظر آتا ہے۔وہ خود بھی اُسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کے عادی ہیں ۔وہ کہتے ہیں کہ انسان ایک ذرہ ناچیز ہے جو خالقِ ارض وسماء کی حمد وثنا بیان کرنے سے قاصر ہے۔

خدائے ارض و سماء خالقِ زمان و مکاں
کروں میں حمد تری مجھ میں ایسی تاب کہاں
میں ایک ذرہ نا چیز تو ہے لا محدود
تری ثنا سے ہیں قاصر یہ میرے نطق و بیاں

وہ لوگوں کو ربِّ رحیم کا شکر ادا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔جس نے یہ جہان تخلیق کیا۔اُس کی ذات ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔انسان کی عزت وشرف اسی میں ہے کہ وہ ہر مشکل اور مصیبت کے وقت خالقِ حقیقی سے عرض گزاری کرے کیوں کہ ہر دُکھ اور تکلیف کے عالم میں انسان کو بالآخر اسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا پڑتا ہے۔جب مشکل وقت میں اس کے سوا کوئی کام نہیں آتا تو کیوں نہ مستقل طور اسی کے در پر صدا لگائی جائے۔

شکر ربِّ رحیم دا کرو لوگو جہنے ایہہ جہان تخلیق کیتا
عقل بخشیا عشق دی جھاگ لائی نال کُن فیکون تحقیق کیتا
سچا ربّ توئی اَسی بندے تیرے اوّل روز توں عہد عتیق کیتا
چانن لا شعور دی روشنی دا ذکر اپنا نال رفیق کیتا

محمد رفیق بھٹی کی شاعری میں عقیدۂ توحید کی پختگی نظر آتی ہے۔وہ کسی بھی حال میں اللہ تعالیٰ کی معیّت کے بغیر ایّام زندگی بسر کرتے دکھائی نہیں دیتے۔زندگی کے تمام نشیب وفراز سے قطع نظر وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر قناعت کرنے کا درس دیتے ہیں۔

۱.۲: مناجات:

حمد اور مناجات کے مابین معمولی سا فرق ہے۔حمد میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جاتی ہے جب کہ مناجات میں تعریف کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا بھی کی جاتی ہے۔شاعر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے لیے دنیا وعقبیٰ کی بھلائیاں طلب کرتا ہے۔محمد رفیق بھٹی نے اللہ تعالیٰ سے فضل وکرم کی التجایوں کی ہے:

تو کہ علیم و عالمِ لاہوت و لامکاں
تو کہ خبیر و واقفِ اسرارِ کُن فکاں
تو کہ سمیع و ناظرِ مخلوقِ دو جہاں
جن و بشر ہیں تیری بڑائی کے نغمہ خواں
لُطف و کرم کا جنتِ ارضی پہ کر نزول
ممکن ہو اس کی منزلِ گُم گشتہ کا حصول

اُن کے نزدیک اصل حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے جس کی شانِ قدرت یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو پل بھر میں شاہ کو گدا اور گدا کو سلطان بنا سکتا ہے۔کبھی وہ انسان کو اپنی نعمتیں عطا کر کے آزماتا ہے اور کبھی عطا کردہ نعمتیں واپس لے کر۔مقبولانِ بارگاہِ ایزدی ہر حال میں اُس کی رضا پر راضی رہتے ہیں۔اگر خوشی ملے تو وہ اس ذات کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور اگر کوئی آزمائش آجائے تو صبر واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔محمد رفیق بھٹی اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے اُس کے فضل کی بھیک یوں مانگتے ہیں:

سکون کی رات خوشی کی سحر عطا کر دے
مرے نصیب یہ دولت مرے خدا کر دے
بھٹک رہا ہوں ابھی خیر و شر کی سرحد پر
نظر کو حُسنِ حقیقت سے آشنا کر دے

تری رحمت کے بے پایاں سمندر میں کمی کیا ہے
جو طوفان موڑ دے ایسا کوئی انسان پیدا کر
میں تیری جنتِ ارضی کا اِک مظلوم بندہ ہوں
مرے اہلِ وطن میں حریت کی شان پیدا کر

۳.۱: نعتِ رسول ﷺ:

حمدِ باری تعالیٰ کی طرح نعتِ رسول ﷺ کا موضوع بھی انتہائی وسیع ہے۔ نعت کی تعریف میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صورت و سیرت دونوں شامل ہیں۔ محمد رفیق بھٹی نے آپ ﷺ کی عظمت و رفعت کے ذکر کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے حُسنِ بے مثال اور اس دنیا میں تشریف آوری کا منظر بھی پیش کیا ہے۔

تیری یاد وجہِ سکون ہے تیرا ذکر شانِ نیاز ہے
تیرا نام جس میں نہ آسکے وہ اذان ہے نہ نماز ہے
تیری عظمتوں کی دلیل ہے جو کلامِ ربِّ جلیل ہے
تو ہی رمزِ آیہ کُن فکاں تُو ہی سرِ حُسنِ مجاز ہے

حضور ﷺ جس طرح تمام انبیا میں اپنے مقام و مرتبے کے لحاظ سے ارفع و اعلیٰ ہیں اسی طرح بعد از خدا، اُن کا ذکر بھی تمام اذکار سے رفیع ہے۔ اُن کی عظمت و رفعت کا اندازہ لگانا انسانی عقل کے بس کی بات نہیں۔ محمد رفیق بھٹی کی شعری و نثری کتب میں تاجدارِ انبیا ﷺ کا ذکر بہ طورِ خاص کیا گیا ہے۔ یہ وہ ذکر ہے جس نے اُنھیں دنیا میں عشقِ رسول ﷺ کا علم بردار بنا دیا۔ اسی عشق کی بنیاد پر وہ مدینہ طیبہ کی حاضری کے لیے بے قرار رہتے ہیں۔ حضور ﷺ کے درِ اقدس پر پہنچ کر اپنی شیفتگی کا اظہار یوں کرتے ہیں:

مکّے اور مدینے کا متوالہ ہوں
میرے مولا تیرا چاہنے والا ہوں
لوگ نہ جانے کیا کیا مجھے سمجھتے ہیں
لیکن میں تو ماہِ مبیں کا ہالہ ہوں

سرنگوں منبرِ مصطفےٰ ﷺ پر کھڑا سوچتا ہوں کہاں سے کہاں آ گیا
خاکِ پا سے بھی کم تھا میرا مرتبہ آج بالائے ہفت آسماں آ گیا
مالک دوسرا تیرا احسان ہے میں کہاں خاک پاکِ مدینہ کہاں
یہ عطا ہے سراسر حضور آپ کی اِس کے لائق کہاں تھا جہاں آ گیا

۱.۴: مناقب:

منقبت کے معنی بھی تعریف وتوصیف ہی کے ہیں۔محمد رفیق بھٹی نے حضور ﷺ کے اہلِ بیت اطہارؓ و اصحاب کرامؓ سمیت بزرگانِ دین کی بارگاہ میں بھی نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔انھوں نے آلؓ و اصحابؓ کی عظمت بیان کی ہے اور ان کی مساعیٔ جمیلہ کی دینِ اسلام میں اہمیت بیان کی ہے۔

فلک کتاب ہے میری زمیں صحیفہ ہے
حیات میرے لیے عشق کا وظیفہ ہے
کہاں وہ قوتِ بازو کہاں وہ پیکرِ حق
نہ بوتراب نہ کوئی ابوحنیفہ ہے

اسلام کی اشاعت اور اس کے عملی نفاذ کے لیے دی جانے والی اصحابِ رسولؐ کی قربانیوں اور کاوشوں سے ہر مسلمان بہ خوبی واقف ہے۔یہ وہ ہستیاں تھیں جنھوں نے اسلام کی خاطر اپنا گھر، خاندان، مال واسباب اور جاگیر و جائیداد سب کچھ چھوڑ دیا اور حضورؐ کا ساتھ دینے کے لیے کفارِ مکہ کے تمام ظلم وستم برداشت کیے۔ محمد رفیق بھٹی اصحابِ کبار کی عظمت کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

اہلِ حق کے واسطے حسنؓ و حُسَینؓ
رہنما ہیں نور کا مینار ہیں
آسیہ مریمؑ خدیجہؓ فاطمہؓ
عورتوں کے واسطے معیار ہیں

اس کے علاوہ محمد رفیق بھٹی نے اولیائے کرام کی مداح میں بھی چند نظمیں لکھی ہیں جو بہ لحاظ موضوع ،مناقب کے زمرے میں شمار ہوتی ہیں۔ اولیائے کرام سے مراد وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے ساری زندگی دینِ اسلام کی خدمت کی اور اپنے اقوال و افعال سے اُمت مسلمہ کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔دورِ حاضر میں ایسے کاملین کی شناسائی کے لیے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کیوں کہ بہت سارے نام نہاد لوگوں نے محض دنیاوی مفاد حاصل کرنے کے لیے یہ روپ اختیار کر لیا ہے۔محمد رفیق بھٹی نے اُن اولیائے کرام کی مداح میں لکھا ہے جو اپنی زندگی میں راہنمائی کی تمام صفات سے متصف ہیں۔ان کے نزدیک ایسی ہستیوں کے پاس جا کر انسان کو نہ صرف تسکینِ قلب ہوتی ہے بلکہ ایمان بھی پختہ ہوتا ہے۔

نُور کا مینار ہے مسجد یہاں اگہار کی
مرکزِ دینِ مبیں قندیل ہے سرکار کی
اِک عمارت جانفزا ہے عزم کی ایثار کی
اِک نشانی ہے درخشاں پیر با کردار کی
تشنگانِ دین کو تسکین ملتی ہے یہاں
کُشتگانِ دہر کو تامین ملتی ہے یہاں

۱.۵: رثائی شاعری:

مرثیہ سے مراد تو کسی کے انتقال پر غم کا اظہار کرنا اور مرحوم کے اوصاف بیان کرنا ہے لیکن یہ اصطلاح حضرت امام حُسَینؓ اور اُن کے رفقا کے ساتھ مخصوص ہو گئی ہے جنھوں نے اسلام کی سر بلندی کے لیے سرزمینِ کربلا کا سفر کیا۔اس موضوع پر لکھے جانے والے کلام کو رثائی کہا جاتا ہے۔ رثائی شاعری میں انیس و دبیر کو اوّلیت حاصل ہے۔محمد رفیق بھٹی نے حضرت امام حُسَینؓ اور حضرت زینبؓ کی حوصلہ مندی اور جرأت و استقامت کو سلامِ عقیدت پیش کیا ہے۔انھوں نے معرکۂ کربلا کو حق و باطل کی جنگ قرار دیا ہے۔

پیکر ایثار ہے بیٹی مرے کشمیر کی
بالمقال شِمر ہے اب ہم سفر شبّیر کی

اِک علامت بن گئی ہے جرأت و تدبیر کی
تازہ سُنّت ہو گئی ہے زینبِ دلگیر کی

محمد رفیق بھٹی کے بقول جو عظیم کارنامہ حضرت امام حسینؓ نے میدانِ کربلا میں انجام دیا اُس کی مثال تاریخِ کائنات میں نہیں ملتی اور نہ ہی قیامت تک اس کارنامے کا جواب ممکن ہے۔

۲:۱ اخلاقی موضوعات:

اسلامی تعلیمات میں بندۂ مومن کو حُسنِ اخلاق کا درس دیا گیا ہے۔اگر معاشرتی زندگی پر نگاہ دوڑائی جائے تو معاشرے میں وہی انسان اچھا سمجھا جاتا ہے جس کا اخلاق اچھا ہو۔اُردو شاعری میں اگر موضوعاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو دائرہ اخلاقیات بہت وسیع نظر آتا ہے۔دنیا کی زندگی کو دار العمل سمجھتے ہوئے اعمالِ صالح کرنا،لوگوں کے ساتھ عاجزی سے پیش آنا،مشکل وقت میں صبر کرنا، ہر حال میں اللہ تعالیٰ پہ توکل کرنا،حق بات کا پرچار کرنا،حرص و آز سے دل کو پاک کرنا،حسد سے پرہیز کرنا اور ریا کاری سے بچنا،اخلاقی اقدار کی ذیل میں آتا ہے۔

المختصر!متوازن زندگی بسر کرنے کے لیے ہر کارِ حسنہ میں پیش قدمی کرنا اور ہر قبیح عمل سے بچنے کا نام ''اخلاق'' ہے۔اُردو شاعری میں تقریباً تمام شعرانے اس موضوع پر لکھا ہے۔محمد رفیق بھٹی کی شاعری میں تمام اخلاقی مضامین کثرت سے بیان ہوئے ہیں۔وہ ایک طرف معاشرے کے مظلوم لوگوں کو صبر و استقامت اور حسنِ سلوک کا درس دیتے ہیں تو دوسری جانب جابر،ظالم اور متکبر طبقے کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔اُن کی شاعری میں خدمتِ خلق اور حُسنِ عمل کا واضح پیغام ملتا ہے۔

دولت و ثروت مقام و مرتبہ سب ہیچ ہیں
آدمی کو صاحبِ کردار ہونا چاہیے
اور کچھ ہو یا نہ ہو یہ ثانوی سی بات ہے
آدمی کو آدمی سے پیار ہونا چاہیے

۲.۱: حرص و آز کی مذمّت:

محمد رفیق بھٹی نے اپنی شاعری میں حرص و ہوس کی شدید مذمت کی ہے۔اُن کے خیال میں انسان کو ہر وقت مزید مال و دولت حاصل کرنے کی فکر لاحق رہتی ہے۔انسانی جبلت کا یہ وہ پہلو ہے جو انسان کی قوتِ توکل کی بنیادیں کمزور کر دیتا ہے۔حرص و ہوس کی وجہ سے انسان قناعت اور توکل کا دامن چھوڑ دیتا ہے۔جو لوگ فطری حریص ہوتے ہیں وہ کبھی اطمینان کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔اُن کا دامنِ قناعت ہمیشہ تنگ رہتا ہے۔

یہ مال و زر یہ خزانے یہ دولتِ دُنیا
قلندروں کی نظر میں فقط خزیفہ ہے

ہم حرص و ہوا کی دُنیا میں موہوم انا کے قیدی ہیں
خود اپنے ہاتھوں اپنے لیے اک جال سا تانا جاتا ہے

۲.۲: صبر و توکل:

انسان پر جب مشکل وقت آتا ہے تو اُسے اپنوں اور بیگانوں کا بہ خوبی علم ہو جاتا ہے کیوں کہ جب انسان خوش حال ہوتا ہے تو بیگانے بھی اپنے بن جاتے ہیں۔اس کے برعکس اگر حالات کا رخ تبدیل ہو جائے تو ایسے مطلبی دوستوں کی پہچان ہو جاتی ہے۔ایسی صورت میں انسان کی دو کیفیات ہوتی ہیں۔یا تو وہ اللہ تعالیٰ سے شکوے کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس کا دامنِ کرم چھوڑ دیتا ہے یا پھر اُس کے فضل و کرم کی امید رکھتے ہوئے صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔محمد رفیق بھٹی نے صبر و توکل کو گراں مایہ دولت قرار دیا ہے:

کوئی دولت بھی توکل سے گراں مایہ نہیں
مال یہ انمول ہے گھر میں چھپا کر بیٹھ جا

چندھیا گئی ہے ہر نظر دولت کی دھوپ میں
صبر و رضا کا سلسلہ حیراں ہے آجکل

۲.۳: عجز و انکسار:

محمد رفیق بھٹی نے عجز و انکسار کو انسان کی سر بلندی کی علامت قرار دیا ہے۔ عالی ظرف انسان بلند مقام و مرتبہ ملنے پر اترانے کی بجائے مزید عاجز ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منکسرُ المزاج انسان کا حلقۂ احباب وسیع ہوتا ہے اور اس کی گفتگو میں زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہوتا ہے وہ ہمیشہ سر جھکا کر چلتے ہیں۔ محمد رفیق بھٹی کے نزدیک انسانیت کی معراج یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے خالق کے حضور سر بسجود رہے۔

کوئی شاعر نہ مصنف نہ قلمکار ہوں میں
کوئی عالم نہ معلم نہ اداکار ہوں میں
ایک بندہ ہوں عبادت ہے ضرورت میری
ایک انساں ہوں محبت کا طلبگار ہوں میں

۲.۴: تکبر کی مذمت:

کبر، انکسار کا متضاد پہلو ہے۔ بعض اوقات انسان جب کوئی کمال حاصل کر لیتا ہے تو وہ تمام اخلاقی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ وہ اس کمال کو اپنی اہلیت کا نتیجہ سمجھتے ہوئے ذاتی اور کسبی تصور کرتا ہے۔ بہ حیثیت مسلمان انسان کو ہر حال میں عاجز رہنے کی تلقین کی گئی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہاں تک فرما دیا گیا کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔ محمد رفیق بھٹی نے تکبر کی شدید مذمت کی ہے۔ اُن کی نظر میں غرور کرنے والے شخص کو اس بات کی کوئی فکر نہیں ہوتی کہ وہ کسی بھی لمحے اس دنیا سے جا سکتا ہے۔ وہ عارضی جاہ و حشمت کو دائمی سمجھنے لگتا ہے۔ خام خیالی کے اس سارے کھیل کا اُس روز خاتمہ ہو جاتا ہے جب وہ اپنے غرور سمیت، خاک میں مل جاتا ہے۔ انسان خالی ہاتھ دنیا میں آتا ہے اور خالی ہاتھ ہی جاتا ہے۔

بڑے بڑوں کے زمانے نے بل نکالے ہیں
امیرِ شہر ترا بھی غرور نکلے گا
ہر کوئی جاتا ہے خالی ہاتھ دنیا سے مگر
اِک سکندر کے لیے یہ قول کیوں مشہور ہے

محمد رفیق بھٹی نے انسان کو دنیا ے فنا میں اپنی بے ثباتی پہ غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ وہ متکبر انسان کو یہ باور کراتے ہیں کہ دنیا کا نظام اُس کے بغیر بھی چل سکتا ہے لہٰذا وہ چند روزہ زندگی میں اپنے وجود کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دینے کی کوشش نہ کرے۔

۲.۵: دعوتِ عمل:

اُردو شاعری میں اصلاحِ معاشرہ اور درسِ اخلاقیات کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔اگر شعری نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ہر دور کے شعرا نے لوگوں کو عملی طور متحرک کرنے کا اخلاقی فریضہ انجام دیا ہے۔حالؔی و اقبالؔ سمیت اُردو ادب کے بیشتر شعرا نے افرادِ ملت کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے قوتِ عمل پر یقین رکھنے کا درس دیا ہے۔محمد رفیق بھٹی انسان کو اس فانی دنیا کے لیے دن رات سامان اکھٹا کرنے کی وجہ سے اُسے نادان قرار دیتے ہیں کے یہ سفر تو دو چار لمحوں کا ہے۔اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔وہ انسان کو اللہ کی وحدانیت پر کامل یقین رکھنے کا درس دیتے ہیں کیوں کہ وہی ذات ہے جسے دوام حاصل ہے۔انھوں نے اخروی زندگی میں کامیابی کے لیے نام ونسب کی بجائے کردار اور اپنے اعمال کا قبلہ درست کرنے کی ترغیب دی ہے تا کہ بہ روزِ محشر شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

وہ کون ہے یہ بات نہیں قابلِ تفہیم
میں کون ہوں یہ بات بڑی غور طلب ہے
اجداد کے رشتوں سے بڑائی نہیں ممکن
انسان کا کردار بڑا نام و نسب ہے
سفر دو چار لمحوں کا مگر سامان برسوں کا
حقیقت ہے یہی انسان ہے نادان برسوں کا
کبھی مندر کبھی مسجد کبھی گرجا میں پھرتا ہے
لگے ہے در بدر انسان کا ایمان برسوں کا

۲.۶: پندونصائح:

شعرا کی تعلیم کا بنیادی مقصد انسانیت کو راہِ راست پر لانا ہوتا ہے۔اس مقصد کے لیے وہ حکمت آموز لہجہ اختیار کرتے ہیں تا کہ لوگ اُن کی گفتگو کو اپنے دل میں جگہ دے سکیں۔محمد رفیق بھٹی نے اپنی ساری زندگی علم وعمل کی فضا میں گزاری۔انھوں نے اپنے فنِ تحریر وتقریر کو برمحل استعمال کرتے ہوئے انسانیت کی اصلاح کی بھر پور کوشش کی ہے۔انھوں نے چھوٹی چھوٹی باتوں کو واعظانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا چند لمحات کے لیے غور وفکر کرتا ہے اور پھر دل ہی دل میں ان پر عمل پیرا ہونے کا عہد بھی کر لیتا ہے۔

اچھی بات اگر نہ ہو تو چُپ رہنا ہی اچھا ہے
ایسا نغمہ کون سُنے گا جس کا سُر اور تال نہیں
آنکھ میں کیا روشنی ہو دِل اگر بے نور ہے
گر بصیرت ہو تو ہر جلوہ مثالِ طور ہے
حوصلہ مندی ہے لازم کامیابی کے لیے
آزمودہ اہلِ دانش کا یہی منشور ہے

۲.۷: خودآگاہی:

محمد رفیق بھٹی نے اپنی شاعری میں لوگوں پر تنقید کرنے کی بجائے اپنی ذات پر غور کرنے کا درس دیا ہے۔کسی پر تنقید کرنا تو بڑا آسان ہوتا ہے لیکن اپنے گریبان میں جھانک کر تنقید کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔محمد رفیق بھٹی نے در در پہ اپنا سر جھکانے کی بجائے انسان کو اپنی ذات سے شناسائی کا درس دیا ہے۔

اُس کے سجدے سب خطا اُس کی دعائیں بے اثر
جو نہیں پہنچا ابھی تک ذات کے عرفان کو
شہر سے رونق اُٹھی جنگل سے تنہائی گئی
کیا ہوا ہر چیز کی اپنی شناسائی گئی

ہو گیا ہے آدمی بیگانہ اپنی ذات سے
نظریوں کی دھوپ میں نظروں کی بینائی گئی

۲.۸: عفو و درگزر:

معاشرتی زندگی میں اکثر اوقات کسی اختلاف کی وجہ سے افراد معاشرہ کی آپس میں اونچ نیچ ہو جاتی ہے۔ایسی صورتِ حال میں وسیع الظرف انسان وہ ہوتا ہے جو معاملات کی درستی کے لیے پیش قدمی کرے۔بعض اوقات معمولی اختلافات طول پکڑ جانے کی وجہ سے کافی گھمبیر صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ محمد رفیق بھٹی معمولی اختلافات کو ہوا دینے کی بجائے عفو درگزر اور بُرد باری سے کام لینے کو انسان کے لیے بہترین عمل قرار دیتے ہیں۔

تبر کے زخم بھی کھائے اُٹھائے ناز آری کے
شجر سے آدمی سیکھے سلیقے بُرد باری کے

۳: فلسفیانہ موضوعات:

فلسفہ کے لغوی معنی حکمت ،دانائی اور دانشمندی کے ہیں۔اصطلاحاً اس سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعے قدرت کو سمجھنے اور کائنات کے ساتھ انسانی تعلق کی حقیقت جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔زندگی کے جن پہلوؤں کا تعلق انسانی فکر سے ہے وہ علمِ فلسفہ کا حصہ ہیں۔ایک فلسفی کی قوتِ مشاہدہ ،عام انسان کی نسبت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز کی گہرائی میں جا کر اس کی اصلیت کا کھوج لگانے کی کوشش کرتا ہے اور پھر اخذ کردہ نتائج کو اپنی تحریر میں پیش کرتا ہے۔فلسفے کی ابتدا تو عدم سے ہوتی ہے لیکن اس کی انتہائی حدود متعین کرنا،ناممکنات میں سے ہے۔اُردو شاعری میں فلسفہ موت و حیات ،فنا و بقا،وجود و عدم اور فلسفہ جبر و قدر وغیرہ کو کثرت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ بیشتر اُردو شعرا نے ان موضوعات کو اپنی شاعری میں پیش کیا ہے۔محمد رفیق بھٹی کے ہاں فلسفیانہ موضوعات کی تعداد کافی زیادہ ہے جنھیں سطورِ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

۳.۱: فلسفۂ وجود و عدم:

انسان عدم سے وجود میں آیا ہے۔اپنی ذات پر غور کرنے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ نظامِ کائنات کی بنیاد اسی نظریہ پر قائم ہے کہ ہر چیز عدم سے وجود کی طرف سفر کرتی ہے اور پھر وجود سے اس کا نشان

اس طرح مٹ جاتا ہے گویا وہ دوبارہ عدم کی طرف لوٹ جاتی ہے۔لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عدم کا اپنا وجود کیا ہے؟ دراصل عدم، وجود کی ضد ہے اور وجود سے ماقبل ہر چیز کے تخلیقی تصور کو عدم کہتے ہیں۔محمد رفیق بھٹی کہتے ہیں کہ کائنات کی ہر چیز اپنی اصل کی طرف سفر کر رہی ہے۔یہ سفر ازل سے ابد تک جاری رہے گا۔

سفر کرتی ہے ہر اِک چیز اپنے اصل کی جانب
چلے آتے ہیں کعبے میں صنم آہستہ آہستہ
ہستی کے ریگزار میں آبلہ پا رواں ہوں میں
لیکن مجھے نہیں خبر پہنچا ہوا کہاں ہوں میں
روزِ ازل سے آج تک جاری ہے میرا یہ سفر
پہلے بھی کوئی تھا یہاں ٹھہرا ہوا جہاں ہوں میں

۲.۳: فلسفۂ فنا و بقا:

فلسفہ فنا و بقا کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ دنیا میں انسان بہت کچھ ہونے کے باوجود بھی اپنی بقا کے بارے میں پُر خطر رہتا ہے۔ ہر وقت فنا کا سایہ اُس کے سر پر منڈلا رہا ہوتا ہے۔اس بے بسی کے عالم میں انسان کی بقا کا واحد یہی راستہ ہے کہ وہ زندگی میں ایسے کارِنمایاں کر جائے کہ بعد از وصال بھی اُس کے نام کی گونج سنائی دیتی رہے۔تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جن شخصیات نے اپنی زندگی میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں وہ آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ و تابندہ ہیں۔محمد رفیق بھٹی فنا و بقا کے تقابل میں فنا کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔اُن کا خیال ہے کہ انسان کو ہر وقت اپنی فنا کا احساس ہونا چاہیے کیوں کہ نہ صرف انسان بلکہ اس کائنات کی ہر چیز نے فنا ہو جانا ہے۔

خزاں کے زرد پتوں کی طرح دوشِ ہوا پر ہے
مرے انجام کی تاسیس میری ابتدا پر ہے
میں اکثر سوچتا رہتا ہوں تنہا بیٹھ کر یارو
رفیقؔ اُس کی بقا کیا ہے ہوا جس کی بنا پر ہے

محمد رفیق بھٹی انسان کو فنا کا احساس دلانے کے لیے سانس کی آمد و رفت پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ درحقیقت زندگی اور موت کی سب سے بڑی علامت سانس ہی ہے۔

ہستی پہ ہے الزام یہ سانسوں کا تسلسل
جو مر کے امر ہوں وہی اِنسان بڑے ہیں
جو نہیں دیکھا وہ باطن سے عیاں ہو جائے گا
اور جو موجود ہے اِک دن نہاں ہو جائے گا

۳.۳: فلسفۂ جبر و قدر:

یہ بحث ہر دور میں جاری رہی ہے کہ انسان مجبور ہے یا مختار؟ اُردو شعرا کا ایک طبقہ انسان کو مجبورِ محض سمجھتا ہے اور ایک طبقہ مختار ہونے کے دلائل دیتا ہے۔ کچھ شعرا نے میانہ روی سے کام لیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ انسان بعض افعال میں مجبور ہے اور بعض میں مختار اور یہی حقیقت ہے۔ مثلاً سخت گرمی کے موسم میں انسان گرمی سے بچنے کا انتظام تو کر سکتا ہے لیکن موسم کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی زندگی کو خوشگوار تو بنا سکتا ہے لیکن موت کو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں روک سکتا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بہت حد تک اختیار دے کر بھیجا ہے۔ وہ مسجد بھی جا سکتا ہے اور میکدے میں بھی۔ وہ نیکی کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے اور دانستہ گناہ کرنے کا اختیار بھی۔ دراصل کسی بھی شخص کے معیارِ ایمان کا ادراک اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ نیکی و بدی پر یکساں قدرت رکھتا ہو۔ انسان اور ملائکہ میں یہی فرق ہے کہ ملائکہ صرف نیکی کرنے پر قادر ہیں اُن سے گناہ سرزد نہیں ہو سکتا جب کہ انسان کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کے لیے نیک و بد اعمال کے صلے میں جنت و دوزخ کو بطور جزا و سزا تخلیق کیا ہے۔

مختصر یہ کہ دنیا انسان کے لیے امتحان گاہ کا درجہ رکھتی ہے جو انسان مختار ہونے کے باوجود خود کو گناہوں سے محفوظ رکھے گا، وہی آخرت کی منازل کامیابی سے طے کرنے کے قابل ہو گا۔ محمد رفیق بھٹی نے انسان کی بے بسی کو اُجاگر کیا ہے۔ ان کے خیال میں انسان مختار ہونے کے باوجود بھی مجبور ہے۔

تقدیر کا پابند ہوں تدبیر کروں کیا
پاؤں میں پڑی ہے مرے زنجیر کروں کیا

دنیا کی رفیقؔ اپنی کوئی ساکھ نہیں ہے
اس ریت کی دیوار پہ تعمیر کروں کیا
آتے ہوئے روتا ہے جائے تو رُلاتا ہے
آغاز بھی رونا ہے انجام بھی رونا ہے
جب غور کیا میں نے معلوم ہوا مجھ کو
تقدیر کے ہاتھوں میں انسان کھلونا ہے

۴.۳: فلسفۂ غم:

غم زندگی کا ایک ایسا عُنصر ہے جس کے بغیر دردِ دل نصیب نہیں ہوتا۔ جو انسان غم کی لذت سے آشنا نہیں ہوتا، اُس کی زندگی کا خاکہ ہمیشہ نامکمل رہتا ہے۔ غالبؔ نے اسی حقیقت کی ترجمانی کی تھی کہ:

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غمِ عشق گر نہ ہوتا غمِ روز گار ہوتا

غم کا براہِ راست تعلق باطن سے ہوتا ہے اور یہ انسان کے دل میں درد کی فضا پیدا کرتا رہتا ہے۔ جس انسان کے دل میں ہر وقت کچھ نہ کچھ حاصل کرنے کی آرزو ہوتی ہے اُس کا غم سے بچ جانا مُحال ہے۔ انسان کی ہر خواہش کا پورا ہو جانا ممکن نہیں اس لیے جب اُس کی کوئی خواہش ادھوری رہتی ہے تو وہ جس کیفیت سے دوچار ہوتا ہے اُسے ''غم'' کہتے ہیں۔ غم، تلخ ہونے کے باوجود شیریں بھی ہوتا ہے اور جو لوگ غم سہنے کے عادی ہو جاتے ہیں وہی اس کا اثر محسوس کر سکتے ہیں۔ اُردو شاعری میں میرؔ اور غالبؔ کی شاعری میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں کی مکمل تصویر نظر آتی ہے۔ میرؔ کے بعد اگر کسی شاعر نے فلسفۂ غم کے حوالے سے اپنا نام پیدا کیا تو وہ فانیؔ بدایونی ہیں۔ فانیؔ کی شاعری میں تسلسل کے ساتھ یہی موضوع بیان ہوا ہے۔

محمد رفیق بھٹی کا غم، ذاتی نوعیت کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس دنیا میں سکون کسی کو بھی میسر نہیں ہے۔ جو انسان درد والم کے دور سے گزر رہا ہوتا ہے وہی اس کی شدت کا اندازہ لگا سکتا ہے، کوئی دوسرا شخص ان اضطرابی کیفیات کو قطعاً محسوس نہیں کر سکتا۔ اس دنیا میں خوشی وغم لازم وملزوم ہیں۔

خوشی کے ساتھ غم کی دوستی کافی پرانی ہے
مسرت میزباں ٹھہرے تو غم مہمان بھی ہو گا
کس نے کاٹی ہے سکوں کی زندگی
اِک خوشی کے ساتھ کتنے غم رہے
خوشی کے ساتھ دنیا میں نمودِ غم ضروری ہے
کسی پودے کی افزائش کی خاطر نم ضروری ہے
بزمِ حیات میں ہے غم چنگ و رُباب کی طرح
لیکن خوشی ہے زخمہ و مضراب کی طرح
غم کی حالت چھپا کے رکھتے ہیں
اپنی دولت بچا کے رکھتے ہیں

۳.۵: فلسفۂ شباب:

ایامِ جوانی کا تذکرہ بالعموم بڑھاپے میں کیا جاتا ہے۔ یہ عُمر کی وہ سطح ہوتی ہے جس میں بچپن سے بڑھاپے تک کی تمام یادیں دل پر نقش ہوتی ہیں۔ بلا شبہ عرصۂ حیات میں بہترین دور جوانی ہی کا ہوتا ہے۔ اکثر شعرا نے جوانی کی حسین یادوں کو اپنے کلام میں پیش کیا ہے۔ جب بڑھاپے کی عمر میں وہ عہدِ شباب کا تذکرہ کرتے ہیں تو اپنے ماضی کو قابلِ رشک نگاہوں سے دیکھتے نظر آتے ہیں۔ میر انیسؔ نے اپنی ایک رباعی میں بڑھاپے اور جوانی کی آمدورفت کو بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آ کے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا
جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

محمد رفیق بھٹی، عالمِ شباب میں گزرے ہوئے لمحات کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ دوسروں کو ایام جوانی میں عجز و نیاز سے زندگی گزارنے کا درس بھی دیتے ہیں۔ وہ جوانی میں اپنے دامن کو پاک وصاف رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔

بڑھاپے کو جوانی لکھ رہا ہوں
پسِ پردہ کہانی لکھ رہا ہوں
ہائے یہ ظالم جوانی آتشیں اُٹھتا شباب
آگ سے دامن بچا اور چاندنی کی بات کر

محمد رفیق بھٹی، اپنی نظم آب رودِ جہلم میں دریا سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تیری مسحور کن جوانی کیوں گہنا گئی ہے؟ تیرا وہ جوانی والا بانکپن کہاں ہے؟ اب تجھ سے جوانی والی اداؤں کی بجائے درد و غم اور مظلومیت کی تصویر نمایاں نظر آتی ہے۔

تصویرِ درد و غم ہے تیرا لطیف پانی
گہنا گئی ہے تیری مسحور کُن جوانی
نے تیرے وہ مناظر نے تیری وہ روانی
پیوندِ خاک ہے تو اے عرش آشیانی
ہر اِک ادا سے تیری مظلومیت عیاں ہے
میں پوچھتا ہوں تیرا وہ بانکپن کہاں ہے

۳.۶: فلسفۂ عزّت وذلّت:

محمد رفیق بھٹی کے نزدیک ذاتی اور عطائی عزت میں واضح فرق ہے۔ ذاتی عزت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس ذات کے علاوہ جس کو بھی عزت ملی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ملی ہے۔ وہ کہتے ہیں کے انسان کی عزت علم و ہنر سے ہے۔ علم وفن کی وجہ سے ہی انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ ملا۔ لیکن جب انسان علم کی بجائے زن، زر اور زمین کا پجاری بن جاتا ہے تو یہ چیزیں فساد اور اُس کی ذلت کا باعث بن جاتی ہیں۔ یہاں ہر کسی کو

اپنی اپنی عزت پیاری ہے اسی وجہ سے ایک طرف خاموشی اور دوسری طرف سے سرکشی کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

ایک جانب خامشی ہے ایک جانب سرکشی
ہر کسی کو اپنی اپنی آبرو کا پاس ہے
اقتدار و شہرت کا شوق خوار کرتا ہے
آبرو زمانے میں علم یا ہُنر سے ہے
غور جب کیا میں نے منکشف ہوا مجھ پر
سب فساد دنیا کا زن زمین زر سے ہے

۷.۳: فلسفۂ موت:

فلسفۂ موت و حیات دراصل فلسفۂ فنا و بقا ہی کا ایک جزو ہے۔ یوں تو موت اور حیات ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن اگر دونوں کا تقابل کیا جائے تو حیات کو ہر لحاظ سے تقدم کا شرف حاصل ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے انسان کو موت کے بعد پھر زندہ کیا جائے گا اور وہ زندگی ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ اُس زندگی میں موت کا کوئی تصور نہیں۔ چوں کہ ابدی زندگی کی راحت کا دار و مدار دنیا میں گزاری ہوئی زندگی پر ہوگا اس لیے صوفیاے کرام نے یہاں نیک اعمال کی تلقین کی ہے تا کہ ابدی زندگی میں پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ محمد رفیق بھٹی لکھتے ہیں:

بانٹ کر انسانیت کو مختلف طبقات میں
زیرِ گردوں ضابطہ جو بھی بنایا جائے گا
موت کا اور زندگی کا درمیانی فاصلہ
اپنے ہاتھوں سے حقیقت میں گھٹایا جائے گا

محمد رفیق بھٹی، خود تو موت کا خیر مقدم کرتے ہیں لیکن ظالم اور متکبر شخص کے لیے وہ موت کو مشکل ترین مرحلہ قرار دیتے ہیں۔ جو لوگ دوسروں کی دل آزاری کا سبب بنتے ہیں اُنھیں وقتی طور پر تو موت کی کوئی پروا نہیں ہوتی لیکن جب وہ بسترِ مرگ پر زندگی اور موت کی کشمکش میں ہوتے ہیں تو اپنی زندگی میں کی ہوئی غلطیوں پر کفِ افسوس مَلتے مَلتے اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ محمد رفیق بھٹی کہتے ہیں کہ موت بھی اُن سے نا خوش

ہوتی ہے۔انسان اس عارضی دنیا کے لیے بہت کچھ کرتا ہے لیکن آخرت کے لیے تیاری نہیں کرتا اسی لیے انسان کو نادان کہا گیا ہے۔

سفر دو چار لمحوں کا مگر سامان برسوں کا
حقیقت ہے یہی اِنسان ہے نادان برسوں کا
موت بھی اُن سے نالاں ہے نہ جانے کیوں
سانسوں میں جو زہر ملا کر جیتے ہیں
موت رہتی ہے زندگی کے قریب
خار پیوست ہے گلاب کے ساتھ

۴: متصوّفانہ شاعری:

تصوّف کے لغوی معنی پشمینہ پہننا کے ہیں۔تصوّف عربی زبان کے لفظ صوف سے مشتق ہے جس کے معنی پشم اور اسی سے لفظ صوفی نکلا ہے جس سے مراد ہے پشم پہننے والا۔ اصطلاحاً تصوّف سے مراد ہے دل کو خواہشات سے دور کر کے خدا کی طرف دھیان لگانا اور مشغلۂ غیر سے دماغ کو خالی کرنا۔تصوف دراصل فلسفہ ہی کی ایک شاخ ہے لیکن معنوی طور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔فلسفی اپنے علم اور فکری گہرائی کی بنیاد پر ظاہر پہ یقین رکھتا ہے لیکن صوفی کا تعلق باطنی علوم سے ہوتا ہے۔

تصوف کے ذریعے معرفتِ خداوندی کی منازل طے کی جاتی ہیں اور اس کی بنیاد تزکیۂ نفس پر ہوتی ہے۔صوفی دنیا کی تمام لذتوں سے کنارہ کش ہو کر صرف خالقِ کائنات کی محبت میں زندگی گزارتا ہے اسی لیے بزمِ کائنات میں اُسے ہر طرف اللہ تعالیٰ کی جلوہ گری کے آثار نظر آتے ہیں۔ایسے ہی صوفیا لوگوں کے دلوں پر راج کرتے ہیں جن کے متعلق محمد رفیق بھٹی رقمطراز ہیں:

نظر سے بات کرتے ہیں دِلوں پر راج کرتے ہیں
فقیروں کی حکومت اور سُلطانی نہیں ہوتی
بدلتے ہیں جو اِنسانوں کی تقدیریں اشاروں سے
فلک دیتا ہے ایسوں کو جنم آہستہ آہستہ

محمد رفیق بھٹی صوفیانہ مزاج رکھتے ہیں۔ان کی تربیت بھی پاکیزہ ماحول میں ہوئی اس لیے اُن کے کلام میں عارفانہ رنگ غالب ہے۔انسان اپنی خواہشاتِ نفسانی کو ذات خداوندی کی رضا پر قربان کر کے فنا فی اللہ کا مقام حاصل کرسکتا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اہلِ بصیرت کی نگاہِ کرم سے سلسلۂ طریقت کی منازل کو بخوبی طے کیا جا سکتا ہے۔اس کے علاوہ ظاہر و باطن کا تزکیہ بھی ضروری ہے۔

عنایت ہو اگر اہلِ بصیرت کی دعاؤں کی
چٹانیں سر جُھکا کر چومتی ہیں خاک پاؤں کی
جو نکتے آگہی کے دام میں آیا نہیں کرتے
وہ خود تفسیر بنتے ہیں فقیرانہ اداؤں کی

۵: یاسیّت وقنوطیّت:

محمد رفیق بھٹی کے کلام کو پڑھ کر دل و دماغ میں امید کی کرنیں پھوٹتی ہیں جو انسان کو ازسرِ نو مائل بہ عمل کرتی ہیں۔ان کی شاعری میں اللہ تعالیٰ کی ذات پہ کامل یقین نظر آتا ہے اور وہ کسی بھی لمحے خود کو اس دنیا میں تنہا محسوس نہیں کرتے ہیں۔لیکن بعض مقامات پر یاسیت وقنوطیت کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک معتبر شاعر ہونے کے علاوہ بھی کئی صفات رکھتے ہیں لیکن جس سطح پر جا کر انھوں نے حق وصداقت کی آواز بلند کی ،اُس سطح کے قدر دانِ علم وفن انھیں نصیب نہ ہوئے۔اگر ایک طرف اُنھیں اپنے علمی سرمائے پر فخر ہے تو دوسری طرف وہ مایوس بھی دکھائی دیتے ہیں کیوں کہ کسی بھی صاحب علم کی قدر ومنزلت کا اندازہ وہی شخص لگا سکتا ہے جو خود بھی اس میدان کا شہسوار ہو۔جب معاصرین کی نظر میں معیارِ فضیلت دنیا کی ریل پیل ہو تو وہاں علم کے راگ الاپنے کا کیا فائدہ؟محمد رفیق بھٹی، اپنے دل کی کیفیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

موسم ہے خوشگوار مگر دِل اُداس ہے
انجان کوئی خوف میرے آس پاس ہے
ویرانہ بھی گھر لگتا ہے
اپنے آپ سے ڈر لگتا ہے

پہلے ہی الزام بہت ہیں
جانے اب کیا سر لگتا ہے

محمد رفیق بھٹی ،دنیا کی بے مروتی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہو گی جو وفا کی دولت سے مالا مال ہوئے ہوں ۔اس دنیا میں زیادہ تر لوگ ذاتی مفادات کی خاطر راہ و رسم رکھتے ہیں۔اسی وجہ سے وہ جلوت سے خلوت کی طرف سفر کرتے دکھائی دیتے ہیں :

حیرت کدۂ شوق کا سامان کر دیا
آباد کرنے والے نے ویران کر دیا
رات آئی تو مرا سایہ بھی غائب ہو گیا
دن ہوا روشن تو ہمراہی بھی بیگانہ لگا
رفیقؔ شہر کا منظر ہے کتنا افسردہ
بھلا تھا گر کوئی جنگل بسا لیا ہوتا

۶: عشقیہ شاعری:

محمد رفیق بھٹی نے بہ حیثیت شاعر ،آبِ سخن سے گلشنِ غزل کی آبیاری بھی بہت خوب کی ہے۔اُن کی اُردو غزلیات کے مجموعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ وہ میدانِ عشق کی تمام منازل سے بہ خوبی آشنا ہیں۔جس غزل میں عشقیہ عناصر کا بیان نہ ہو وہ اپنی ہیئت کے اعتبار سے بے رُوح جسم کی مانند ہے۔عشق ،نام ہے محبت کی شدید ترین کیفیت کا۔ جب جذبۂ محبت ،جنون کی حد تک پہنچ جاتا ہے تو اسے عشق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔عشق کو مدارج کے اعتبار سے دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے یعنی عشق حقیقی اور عشق مجازی۔عشق مجازی کو عشق حقیقی تک رسائی کے لیے بہ طور زینہ استعمال کیا جاتا ہے۔عشقیہ شاعری کی یہ خاصیت ہے کہ اس کو بہ یک وقت مجاز و حقیقت دونوں سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔کسی بھی عشقیہ شعر کے محرکات کا دارومدار شاعر کی ذہنی کیفیت پر ہوتا ہے کہ وہ کون سا مزاج رکھتا ہے۔

محمد رفیق بھٹی کی عشقیہ شاعری میں اُردو ادب کے نامور شعرا کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔انھوں نے اپنی

وارداتِ قلبی کو عشقِ حقیقی و عشقِ مجازی کے حسین امتزاج کے ساتھ بیان کیا ہے۔ بعض جگہ تو عشقِ مجازی کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ عشق کا میدان بڑا پُر خار اور مشکل ہے۔ اسی لیے محمد رفیق بھٹی عشق کو ایک جان لیوا کھیل قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے انجام کی پروا کیے بغیر جب راہِ عشق میں قدم رکھا تو عشق کی ستم ظریفیوں کا شدید احساس ہوا اور وہ زبانِ حال سے بول اُٹھے کہ:

عشق منہ زور ہے آگ نہ پانی دیکھے
حُسن محتاج ہے آسودہ مکانی دیکھے
کب ہوا کیسے ہوا کس کو بتائیں جا کر
شوق کب عشق میں ترتیبِ زمانی دیکھے

محمد رفیق بھٹی کے نزدیک عشق ایک آزمائش گاہ کا نام ہے۔ کبھی محبوب کی طرف سے عاشق کو لطف و عنایت کے ذریعے آزمایا جاتا ہے اور کبھی مصائب کا پہاڑ کھڑا کر کے اُس کے جذبۂ عشق کا امتحان لیا جاتا ہے۔ وہ روایتی عاشق کی طرح کوچۂ جاناں کے خیال میں گم صُم رہتے ہیں۔ اُردو شاعری میں کوچۂ محبوب کے چکر کاٹنے کو عاشقوں کا معمول سمجھا گیا ہے۔ جب تک محبوب کا وصال نہیں نصیب ہو جاتا اُس وقت تک عاشق اُسی مدار میں گردش کرتا نظر آتا ہے۔ درِ محبوب پہ جانے سے تو عاشقوں کو بڑا سکون ملتا ہے لیکن وہاں سے ناکام واپس آنا اُن کے لیے وبالِ جان بن جاتا ہے۔ محمد رفیق بھٹی اُس کٹھن گھڑی کا ذکر یوں کرتے ہیں:

عاشقی میں وضعداری کو بچائیں کس طرح
کوچۂ جاناں میں گر جائیں تو جائیں کس طرح
ہم بھی ان کے ناز برداروں میں شامل تھے رفیقؔ
دل پہ جو گزری ہے وہ منظر دکھائیں کس طرح

محمد رفیق بھٹی اپنے محبوب کے ہجر میں ہر وقت بے قرار نظر آتے ہیں۔ وہ بڑی شدت سے اُس کی آمد کی آس لگائے رکھتے ہیں یہاں تک کہ اسی انتظار میں اُن کا قصۂ زندگی مختصر ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے سفر کر رہے ہیں لیکن دل میں ایک ہی تمنا ہے کہ کاش اُن کا محبوب آ جائے اور وہ اُس کا آخری دیدار کر لیں لیکن یہ انتظار کی گھڑیاں اب آخری مراحل میں ہیں۔ اُن کی درج ذیل رُباعی اسی منظر کا نقشہ کھینچتی ہے۔ اس

میں انتظار بھی ہے اور کچھ حد تک حسرت بھی۔

حلقہ بگوشِ عشق کے دیوار و در کہاں
صحرا نورد ہوں مری قسمت میں گھر کہاں
آئیں وہ مجھ کو دیکھنے ایسے کہاں نصیب
جاؤں میں اُن کے سامنے ایسا جگر کہاں

۷: خمریہ شاعری:

خمر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی شراب کے ہیں۔ جس شاعری میں شراب اور اس کے لوازمات کا تذکرہ ہو، اسے خمریات کہا جاتا ہے۔ فارسی میں عمر خیام اور حافظ شیرازی نے خمریہ شاعری کے حوالے سے بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔ فارسی ادب کی پیروی میں اُردو شعرا نے بھی اس موضوع کی وسعت میں اضافہ کیا جن میں ریاض خیرآبادی اور جوش ملیح آبادی سرِفہرست ہیں۔

خمریات کی اصطلاح بہ ظاہر تو معیوب نظر آتی ہے لیکن اگر گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو تین قسم کے شعرا کا تعارف حاصل ہوتا ہے۔ اول وہ شعرا ہیں جنھوں نے بطور کنایہ شراب کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن حقیقت میں ان کی مراد بادۂ معرفتِ الٰہی ہے۔ شعرا کے اس گروہ کا تعلق حلقۂ صوفیا سے ہے۔ ان شعرا نے زہّاد و واعظین سے شدید اختلافات کیا ہے کیوں کہ ان کی نظر میں زاہد اور واعظ باطن کی بجائے ظاہر کی تعلیم دیتے ہیں جب کہ صوفی باطن کی صفائی پر زور دیتا ہے۔ دوسری قسم ان شعرا کی ہے جو شراب کے لفظ کو حقیقی معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور ان کی مراد بھی بھٹی میں تیار ہونے والی شراب ہی ہوتی ہے۔ ایسے شعرا کا شرابِ معرفت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ خمریہ اشعار کہنے والا تیسرا گروہ ان شعرا کا ہے جنھوں نے نہ تو شراب کو بطور بادۂ معرفت استعمال کیا ہے اور نہ ہی ان کی مراد بھٹی میں تیار ہونے والی شراب ہے بلکہ انھوں نے محض اپنے کلام میں اس موضوع کا اضافہ کرنے کے لیے خمریہ اشعار کہے ہیں۔

محمد رفیق بھٹی کا تعلق شعرا کے اُس گروہ سے ہے جس نے شراب اور اس سے متعلق تمام اصطلاحات کو محض اپنے کلام میں اس موضوع کا اضافہ کرنے کے لیے خمریہ اشعار کہے ہیں۔ وہ اپنے محبوب کی مست آنکھوں، سُرخ چہرے اور تمتماتے لال گالوں کو گلاب کے پھول سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

فصلِ گُل میں ایک گُل رو کو گلابی کہہ دیا
کیا غلط ہے گر شرابی کو شرابی کہہ دیا
مست آنکھیں سُرخ چہرہ تمتماتے لال گال
یہ سراپا تھا جسے میں نے کتابی کہہ دیا

اُنھوں نے دنیا کو ایک میخانہ قرار دیا ہے جہاں ہر شخص اپنے غم کو دور کرنے کے لیے بقدرِ ظرفِ دل شراب پیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میخانے کی تمام رونقیں اور اُن کی اہمیت اپنی جگہ لیکن سب سے بڑی چیز ساقی کی نگاہ ہے۔ ساقی کی آنکھوں میں ایسا خُمار ہے کہ بڑے بڑے پارساؤں کے قدم بھی یہاں آ کر ڈگمگا جاتے ہیں اور وہ ساقی کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ ساقی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

درِ میخانہ وا رہنے دے ساقی
ابھی آنکھوں میں کچھ پینے کا دم ہے
محفل میں اُن کے روبرو ساقی سے کیوں طلب کروں
اپنی نظر سے جانِ جاں جامِ نظر پلا کے جا
ہر شخص کے پندار کا پیمانہ جُدا ہے
مے نوش ہیں سارے ولے مے خانہ جُدا ہے

محمد رفیق بھٹی نے چند اشعار میں بطور کنایہ شراب کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن حقیقت میں اُن کی مراد بادۂ معرفتِ الٰہی ہے۔ اُنھوں نے زُہاد و واعظین سے شدید اختلاف کیا ہے کیوں کہ اُن کی نظر میں زاہد اور واعظ باطن کی بجائے ظاہر کی تعلیم دیتے ہیں جب کہ صوفی باطن کی صفائی پر زور دیتا ہے:

رہے گا اللہ کا نام ساقی نہ تم رہو گے نہ ہم رہیں گے
تمام ہو گا تما م قِصہ خوشی رہے گی نہ غم رہیں گے
عجیب عالم ہے میکدوں کا پلانے والے ہی پی رہے ہیں
رفیقؔ اُن کا رہے گا چرچا جو صورتِ جامِ جم رہیں گے

محمد رفیق بھٹی کے شعری مجموعہ ریگ زار کے آخر میں ایک رباعی بہ طور خاص خمریات کے موضوع پر کہی گئی ہے وہ اُن کی شاعرانہ عظمت کی ایک نئی تصویر سامنے لاتی ہے۔ یہ رباعی تخیّل کی پختگی کے لحاظ سے اتنی ارفع واعلیٰ ہے کہ اس کی مثال اُردو رباعی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ رباعی درج ذیل ہے:

جو ہم نہ پئیں گے تو کوئی اور پیے گا
یہ مے کا مقدر ہے کہ میخوار کو پہنچے
وہ آنکھ نہیں جو نہیں میخانے کی صورت
وہ سر ہی نہیں جو نہ لبِ دار کو پہنچے

۸: طنز و مزاح:

مزاحیہ انداز میں کسی پر تنقید کرنا ''طنز و مزاح'' کہلاتا ہے۔ طنز و مزاح کی ایک خاص حکمت یہ ہے کہ جس پر تنقید کی جارہی ہوتی ہے وہ بات کو محض ایک مذاق سمجھتا ہے لیکن جب گہرائی میں جا کر دیکھتا ہے تو اُس کو اپنا ہی چہرہ نظر آتا ہے۔ چوں کہ طنز و مزاح کے پسِ پردہ اصلاح کا پہلو کارفرما ہوتا ہے اس لیے اس اُسلوب کے مثبت استعمال سے افرادِ معاشرہ کو بڑی آسانی سے راہِ راست پر لایا جا سکتا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے اُردو شاعری کو طنز و مزاح کی ایک نئی جہت سے متعارف کروایا۔ اکبر نے قوم کی جِدت پسندی کو ظریفانہ انداز میں پیش کیا۔ محمد رفیق بھٹی نے بھی طنز و مزاح کا بڑا خوبصورت استعمال کیا ہے۔ اُن کے ہاں مذہبی طبقے کی ابتری کو مزاحیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ محمد رفیق بھٹی کے مافی الضمیر میں بھی اصلاح کا جذبہ ہے لیکن وہ بات کو زیادہ پُر اثر بنانے کے لیے مزاحیہ اُسلوب کا سہارا لیتے ہیں۔ وہ نئے زمانے میں خطیب کے واعظ کے حوالہ سے کہتے ہیں:

تذکرہ حور کا نہ کر واعظ
بات سچی ہمیں بھی کہنے دے
بد گمانی بڑھا نہ گھر گھر میں
جو میّسر ہے اُس کو رہنے دے
نیا زمانہ نیا دور ہے نئی دنیا
نصاب تازہ مکاتب میں دو خطیبوں کو

محمد رفیق بھٹی نے کم علم مولوی اور جعلی پیروں کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔انھیں اچھی طرح علم ہے کہ کچھ حریص لوگوں نے محض دنیاوی مفادات کی خاطر فقیری کا لبادہ اوڑھ لیا ہے تا کہ لوگ اُنھیں مذہبی پیشوا سمجھ کر نذرانے پیش کریں اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔اس کیفیت کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

کوئی مردِ حق پرست آئے تو شاید آ سکے
مولوی اور پیر سے تو انقلاب آتا نہیں
معلوم نہیں کس لئے بدنام ہیں گورے
اللہ رے کالوں نے ہمیں مار دیا ہے

۹: تنقیدی شاعری:

محمد رفیق بھٹی نے اپنے کلام میں بعض طبقات کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے اس لیے ایسے کلام کو تنقیدی شاعری کے عنوان کے تحت بیان کیا جا رہا ہے۔تنقیدی شاعری کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ محمد رفیق بھٹی نے رمز و کنایہ کی زبان استعمال کرنے کی بجائے براہِ راست تنقید کے نشتر لگائے ہیں۔بالخصوص جن اشعار میں نام نہاد مذہبی طبقے اور سیاسی نظام کی خرابیوں کو اُجاگر کیا گیا ہے وہاں انھوں نے سخت لب ولہجہ اختیار کیا ہے۔اس کا پسِ منظر بیان کرتے ہوئے محمد رفیق بھٹی ریگ زار کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> شاعر اپنے دور کا نمائندہ ہوتا ہے۔وہ اپنے پاؤں کے نیچے زمین اور سر کے اوپر آسمان کا رازدان اور ترجمان ہوتا ہے۔ماضی اُس کے شعور میں،حال اُس کی نظر میں اور مستقبل اُس کی اُمنگوں میں رہتا ہے۔وہ شعوری اور لاشعوری طور تینوں زمانوں کی بات کرتا ہے۔کبھی وہ فقیرانہ ہوتا ہے،کبھی حکیمانہ،کہیں وہ مسیحائی کرتا ہے کہیں رہنمائی،کبھی اُس کی حسِ لطافت تیز ہوتی ہے کبھی حُسن ظرافت۔کبھی تنقید کرتا ہے کبھی تلقین لیکن بہرصورت وہ اصلاحِ احوال اور خوبیِ اعمال کا مبلغ ہونے کے ساتھ بہتر مستقبل کا پیامبر ہونے کا مدعی ہوتا ہے۔اس کوشش میں وہ اپنی ذات کے دنیاوی معاملات سے بڑی حد تک بے نیاز رہتا ہے۔[۲۰]

درج ذیل سطور میں محمد رفیق بھٹی کی تنقیدی شاعری کو بالترتیب پیش کیا جاتا ہے:

۹.۱: طبقۂ امرا پر تنقید:

اسلام دولتِ دنیا کے حصول سے ہرگز منع نہیں کرتا بلکہ اسلام تو اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لیے دوسروں پر قناعت کرنے کی بجائے خود محنت و مشقت کرنے کا درس دیتا ہے۔شریعت کی نظر میں قابلِ اعتراض نکتہ، دولت کا حصول نہیں بلکہ انسان کا غُرور اور تکبر ہے جس کی بنیاد پر اِنسان اُخروی زندگی کو فراموش کر کے دنیا کی نعمتوں کو دائمی اور لازوال سمجھنا شروع کر دیتا ہے۔محمد رفیق بھٹی نے مقتدر افراد کو مخاطب کیا ہے جو دولتِ دنیا کی فراوانی کا فخر لیے زمین پر آئین و قانون کو اپنے ہتھیار کے طور استعمال کرتے ہوئے اکڑ کر چلتے ہیں اور اپنے سے کم درجے کے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں۔

جنھیں ہم سادگی میں آئین و قانون کہتے ہیں
نظامِ جبر میں اشراف کے ہتھیار ہوتے ہیں
کریں جو غور تو یہ نظریاتی سلسلے سارے
جہاں میں مقتدر افراد کے اوزار ہوتے ہیں

محمد رفیق بھٹی کہتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں وہ لوگ جو اپنے آپ کو امیر اور معزز کہلواتے ہیں وہ بھی تخریب کاروں میں شامل ہیں۔آج چمن میں جہاں شاہین اور بُلبُل کے بیٹھنے کی جگہ تھی وہاں زاغ بیٹھے ہوئے ہیں۔اہلِ ثروت عقیدے اور وطن کی محبت سے کوسوں دور ہیں۔ایسی قوم جہاں منصف چور ہوں اور ڈاکوؤں کا راج ہو وہ ترقی کی بجائے تنزلی کا شکار ہو جاتی ہے۔درج ذیل اشعار میں سرمایۂ دُنیا پر ناز کرنے والے مقتدر طبقۂ پر نہ صرف تنقید کی گئی ہے بلکہ اُنھیں دعوتِ فکر بھی دی گئی ہے:

خبر یہ معتبر ہے شہر کے نامہ نگاروں میں
معزز لوگ شامل ہیں یہاں تخریب کاروں میں
اہلِ ثروت کو عقیدت اور وطن سے کیا غرض
قوم زندہ ہے مگر غربت کے ماروں کے طفیل
قوم ایسی کس طرح نہ تاخت و تاراج ہو
چور ہوں منصف جہاں اور ڈاکوؤں کا راج ہو

۹.۲: سیاسی طبقہ پر تنقید:

شعبۂ سیاست پر تنقید کا عمل روز مرہ معمولات کا حصہ ہے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ نظم سے زیادہ نثر میں یہ عمل تیز رفتاری سے جاری ہے۔ محمد رفیق بھٹی نے اُن سیاسی زعما پر تنقید کی ہے جو ملک وملت کی فلاح کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں اور ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اقتدار کی ہوس میں اپنا ضمیر بھی فروخت کر دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہاں سیاست اور حکومت میں شرافت کچھ نہیں ہوتی ہے۔ یہاں اب بھی معیشت پر جاگیردار اور سیاست پر سردار کا کلچر مسلّط ہے۔ اہلِ ثروت کو حاکمیّت وراثت میں ملتی ہے۔ حکمران صدیوں کے بیوپاری لگتے ہیں جو اقوام کی تقدیر تک کو بھی نیلام کر دیتے ہیں۔

لیلائے سیاست نے بڑا کام کیا ہے
شاہین کو کرگس نے تہہِ دام کیا ہے
افراد کی غیرت کا بدل ڈالا ہے معیار
اقوام کی تقدیر کو نیلام کیا ہے
سیاست اور حکومت میں شرافت کُچھ نہیں ہوتی
یہ گوہر مصلحت کی کوکھ میں محصور ہوتا ہے
بظاہر تو نظر آتا ہے یہ تاجِ حکومت میں
مگر یہ تاجداروں کے دلوں سے دُور ہوتا ہے

۹.۳: واعظین پر تنقید:

یہ عنوان بڑی حد تک حیرت انگیز ہے کہ واعظین پر تنقید کرنے کا کیا جواز بنتا ہے۔ دراصل محمد رفیق بھٹی کے مخاطبین میں صرف اُن واعظوں کا شمار ہوتا ہے جو دولتِ دنیا کی حرص میں اپنے فرائض منصبی بھول جاتے ہیں۔ واعظ کا کام دوسروں کو نصیحت کرنا ہوتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر واعظ کے اپنے اعمال قابلِ اصلاح ہوں تو اُسے کون نصیحت کرے گا۔ واعظ کے فرائض صرف صوم وصلوٰۃ کی پابندی تک محدود نہیں ہوتے بلکہ ہر باطل کے سامنے حق کی آواز بلند کرنا، واعظ کا بنیادی فریضہ ہے۔ واضح رہے کہ وہ علمائے کرام ہر لحاظ سے

مستثنیٰ ہیں جو حق کے ترجمان اور شریعتِ مصطفوی کے محافظ بن کے لوگوں میں خیراتِ علم تقسیم کرتے ہیں۔
محمد رفیق بھٹی کے مندرجہ ذیل اشعار اُن واعظوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو ایک ہی تقریر کو بار بار دہراتے ہیں اور حق گوئی و بے باکی کی صفات سے کوسوں دور ہیں۔

ہر لمحہ بدلتے ہیں رُخ تجربہ گاہوں کے
مسجد میں اماموں کی تقریر نہیں بدلی
بدلے ہوئے لگتے ہیں انداز جرائم کے
قاضی کی عدالت میں تعزیر نہیں بدلی

۱۰: شخصی و ذاتی حالات:

محمد رفیق بھٹی کے کلام میں اُن کی ذاتی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب کوئی شخص حق کی آواز اُٹھاتا ہے تو اس کے مخالفین کی تعداد بڑھ جاتی ہے۔ مخالف طبقہ کبھی در پردہ اور کبھی سرِ عام مخالفت کا بازار گرم رکھتا ہے۔ محمد رفیق بھٹی اپنے رقیب کو تنبیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

محبت کے بھروسے پر شکیبانہ بسر کر لی
کفایت کا سلیقہ تھا فقیرانہ بسر کر لی
رفیقؔ اپنے رفیقوں سے رفاقت کا چلن رکھا
رقیبوں نے جہاں چھیڑا رقیبانہ بسر کر لی

اسی طرح ایک اور جگہ اپنی غریبی اور مجبوریٔ حالات کے پیشِ نظر اپنی پریشانی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حیرت کدۂ شوق کا سامان کر دیا
آباد کرنے والے نے ویران کر دیا
غربت میں کچھ سکون تھا تنگی کے باوجود
آسودگی نے مجھ کو پریشان کر دیا

ج۔ کلامِ رفیق کا اُسلوبی جائزہ:

جس لفظ کو اُردو میں ''اُسلوب'' یا ''طرز'' کہا جاتا ہے، انگریزی میں اس کے لیے سٹائل (Style) کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ عربی اور فارسی زبان میں لفظ ''سبک'' انھی معنوں میں مستعمل ہے۔ اصطلاحاً اُسلوب سے مراد وہ طرزِ بیان ہے جو کسی بھی ادیب یا شاعر کی الگ پہچان اور انفرادیت کے قیام کا سبب بنتا ہے۔ کسی بھی ادبی فن پارے کی تخلیق میں شاعر یا ادیب کو دو مراحل سے واسطہ پڑتا ہے۔ اوّل، کسی بھی چیز کے متعلق ایک الگ تصور یعنی کسی چیز کے سیکڑوں مطالب و مفاہیم میں سے منفرد مفہوم اخذ کرنا۔ شاعر یا ادیب معاشرے کا ایک حساس فرد ہوتا ہے جو کسی بھی چیز کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ اپنی ژرف نگاہی سے منفرد پہلو دریافت کرتا ہے۔ میر انیسؔ نے اسی حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اِک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

دوسرا مرحلہ، ذہن میں پیدا ہونے والے نادر خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنانا ہوتا ہے۔ درحقیقت یہی کٹھن مرحلہ ہوتا ہے جس میں اچھے اچھوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ تخیّل کی پختگی کا انحصار انتخابِ الفاظ پر ہوتا ہے۔ اگر مناسب اور برمحل الفاظ استعمال نہ کیے جائیں تو تخیّل کی بلند و بالا عمارت فوراً زمیں بوس ہو جاتی ہے۔ جو لوگ اس پر قدرتِ کاملہ رکھتے ہیں انھیں حلقۂ ادبا و شعرا میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اُن کا مخصوص طرزِ بیان ہوتا ہے جو انھیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ کسی بھی شعر یا نثر کا جائزہ لینے کے لیے اس فن پارے کے خالق کے اُسلوب کا علم مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہ اُسلوب ہی تو ہے جو ادبا و شعرا کی منفرد طرزِ فکر اور اندازِ بیاں متعارف کرواتا ہے اور ان کی تحریروں کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ بعض شعرا کے اشعار ان کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہوتے اس لیے ایسے اشعار کے خالق کی دریافت کا معاملہ بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت حال میں اُسلوب ہی کے ذریعے کسی شاعر کے متعلق قیاس کیا جاتا ہے۔ بہر حال اُردو ادب کی شعری و نثری تخلیقات میں اُسلوبِ بیان کی اہمیت مسلم ہے۔ اُسلوب کی اہمیت کے بیان میں سید عابد علی عابدؔ یوں رقمطراز ہیں:

> اُسلوب جو مطلوبِ فن ہے اور مقصودِ ادب ہے، انفرادیت سے ماروا ہوتا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ اس کا ظہور ہمیشہ منفرد طریقے پر ہوتا ہے۔ یہاں اُسلوب اپنے معانی مطلق میں استعمال

کیا گیا ہے ۔ یہاں فن کار کی ذات اور آفاقی اقدار گویا مل جل کر شیر وشکر ہوگئی ہیں۔اسی اُسلوب میں فن کار اپنی ذاتی واردات اور تجربات کو آفاقی تجربات کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے، غمِ ذات کو غمِ جہاں بنا دیتا ہے، غمِ یار، غمِ روزگار میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ اُسلوب ادبی تخلیق کا نقطہ عروج ہے اور اس کے بغیر کلاسیکی عظمت بھی حاصل نہیں ہوسکتی۔[۲۱]

محمد رفیق بھٹی کے اُسلوبِ بیان میں انفرادیت بھی ہے اور اجتماعیت بھی۔انھوں نے اساتذۂ سخن سے بھرپور استفادہ کیا ہے جس کی جھلک ان کے کلام میں واضح دکھائی دیتی ہے۔انھوں نے دانستہ اساتذہ کی پیروی کرتے ہوئے ان کی زمین پر کلام بھی لکھا ہے لیکن امتزاج کے باوجود ان کے کلام کی انفرادیت بہرصورت قائم نظر آتی ہے۔محمد رفیق بھٹی کی شاعری کا بہ نظرِ عمیق جائزہ لینے پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ بہ حیثیت شاعر وسعتِ علم اور مشاہداتی گہرائی کے ساتھ ساتھ بے ساختگیٔ اظہار کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔

دنیاے سخن میں منفرد مقام پیدا کرتے ہوئے اپنی شاعری کا لوہا منوانا بلاشبہ انتہائی مشکل کام ہے۔اکثر شعرا و ادبا کو ادبی عظمت اس وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ بزمِ دنیا سے روانہ ہو جاتے ہیں۔اگر کسی شاعر یا ادیب کو اپنی حیات میں منفرد مقام و مرتبہ حاصل ہو جائے تو اس کی مقبولیت کے اعتراف کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی اور مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ اس کی عزت و وقار میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔محمد رفیق بھٹی کا شمار بھی ان شعرا میں ہوتا ہے جنھیں اپنی زندگی میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

درج ذیل سطور میں محمد رفیق بھٹی کے کلام کا اُسلوبی جائزہ لیتے ہوئے ان کے طرزِ بیان کی انفرادیت کو اُجاگر کیا جائے گا تاکہ میدانِ ادب کے شہسواروں میں ان کی منفرد حیثیت کا تعین کیا جا سکے۔

صنائع و بدائع:

علم بدیع سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعے کلام میں موجود لفظی و معنوی خوبیوں کے متعلق بحث کی جاتی ہے۔اگر کسی کلام کا دار و مدار محض ان صنائع (صنعت کی جمع) پر ہو اور وہ بے ساختگیٔ اظہار یا آمد کی کیفیات سے عاری ہو تو ایسے کلام کو لفظی و معنوی صفات کا گورکھ دھندا تو قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اسے مقبولِ عام کی سند نہیں حاصل ہوتی۔علم بدیع کی رو سے کلام میں پائی جانے والی جملہ صفات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جنھیں صنائع لفظی اور صنائع معنوی کہا جاتا ہے۔سب سے پہلے محمد رفیق بھٹی کے کلام کا ان صنائع کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے اس کے بعد ان کی شاعری کے دیگر اسالیب کو بالترتیب زیرِ بحث لایا جائے گا۔

صنائع لفظی:

محمد رفیق بھٹی کے کلام میں درج ذیل صنائع لفظی استعمال ہوئی ہیں:

۱: صنعت تکرار:

محمد رفیق بھٹی کے کلام میں کثرت کے ساتھ صنعتِ تکرار کی مثالیں ملتی ہیں۔ بلا شبہ تکرارِ لفظی سے شعر کے حُسن اور روانی میں اضافہ ہوتا ہے لیکن اگر اس صنعت کا بے محل استعمال کیا جائے تو یہ کلام کو قبیح بھی بنا دیتی ہے جس کا شمار معائب سخن میں ہوتا ہے۔ محمد رفیق بھٹی نے بحیثیت مشاق شاعر، اس صنعت کو برمحل استعمال کیا ہے۔ اس صنعت کا فنی کمال یہ ہے کہ لفظوں کی تکرار، سننے والوں پر وجدانی کیفیت طاری کر دیتی ہے۔ چند مثالیں یہ ہیں:

بستی بستی لرزاں لرزاں گھر گھر میں طوفان لگے
دامن دامن کرچی کرچی نظر نظر ویران لگے
سینہ سینہ بوجھل بوجھل قدم قدم پتھر پتھر
رستہ رستہ سونا سونا ڈگر ڈگر سُنسان لگے

تکرارِ لفظی میں ایک لفظ کی تکرار بھی ہو سکتی ہے اور ایک سے زیادہ الفاظ کی بھی۔ تکرار لفظی کے ذریعے جس بات پر زور دیا جاتا ہے اس میں شاعر کی گزارش، حکم یا اصرار کا عنصر دکھائی دیتا ہے۔

۲: صنعت سیاق الاعداد:

شعر میں اعداد یعنی ہندسوں کا ذکر کرنا مثلاً دو، چار، سو، لاکھ وغیرہ، سیاق الاعداد کہلاتا ہے۔ محمد رفیق بھٹی نے اس صنعت کو جابجا اپنے کلام میں جگہ دی ہے۔ اُن کے کلام میں سیاق الاعداد کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

سُنو ایمان پَرور یاد ہے کیوں چھ نومبر کی
کہ دہرائی گئی اِس روز سنّت اِک پیمبر کی
دو چار برس اور بھی جی لیتے ولیکن

فردوس جمالوں نے ہمیں مار دیا ہے
اِک پلازے کے لیے سو جُھگیاں مسمار کیں
سیکڑوں بے گھر ہوئے اِک گھر بسانے کے لیے
تھی طبیعت مضطرب گزری برنگ اضطراب
لاکھ بہلایا اِسے لیکن نہ بہلائی گئی

۳: بذلہ سنجی وظرافت:

اُسلوب کی دنیا میں یہ وہ انداز ہے جس کے ذریعے کسی بات کو مزاحیہ رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔اس میں طنزیہ عناصر کی موجودگی بھی شامل ہے لیکن اگر یہ طنز، ہجو کی شکل اختیار کر جائے تو اس کا معیار کم ہو جاتا ہے کیوں کہ بذلہ سنجی کا مقصدِ اُولیٰ ،خوش طبعی کا سماں پیدا کرنا ہوتا ہے جب کہ ہجو میں ذاتیات کا عمل دخل ہوتا ہے۔مزاحیہ اُسلوب کے حوالے سے نثر میں رشید احمد صدیقی ،پطرس بخاری اور مشتاق یوسفی جب کہ شعر میں اکبر الہ آبادی کے نام اُردو ادب میں نمایاں ہیں۔محمد رفیق بھٹی کے کلام میں بھی کہیں کہیں یہ جھلک نظر آتی ہے۔اکبر الہ آبادی نے تو انگریزی تہذیب پر ضربیں لگائی ہیں لیکن محمد رفیق بھٹی کا روئے سخن ،نام نہاد مذہبی طبقے کی طرف ہے جس نے صرف دین کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔اُن کے ظریفانہ انداز کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

بظاہر تو شرافت اور دیانت کا مبلغ ہے
بباطن ہر خرابی کا علمبردار لگتا ہے
حوالے دیتا رہتا ہے وہ الہامی کتابوں سے
عمل سے چانکیہ کا خاص پیرو کار لگتا ہے
راجا بن جا یا چوہدری بن جا
ثانوی بات ہے مسلمانی!
ملک و ملت کی درد مندی چھوڑ
اپنے کنبہ کی کر نگہبانی!

محمد رفیق بھٹی مہنگائی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کسی کی حُسن آرائی نہ ہوتی
ہماری جان پر آئی نہ ہوتی
میں غالبؔ کی طرح کے شعر کہتا
اگر ظالم یہ مہنگائی نہ ہوتی

۴: زورِ کلام اور جوشِ بیان:

اس سے مراد کسی شاعر کا اپنے کلام کو جذبات کے پیرائے میں یا جوشیلے انداز میں پیش کرنا ہوتا ہے جیسا کہ اکثر اوقات مذہبی و سیاسی تقاریر میں یہ انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ اس اندازِ بیان سے شاعر کی شخصیت میں پوشیدہ جذباتی کیفیات کی عکاسی ہوتی ہے۔ محمد رفیق بھٹی کا تعلق چوں کہ دنیائے خطابت سے بھی تھا اس لیے یہ رنگ اُن کے کلام میں واضح طور پر نظر آتا ہے۔

غنچہ دہن اِنسان کبھی تو بند زبانیں کھولیں گے
ہم بولے تو ساتھ ہمارے شہر کے پتھر بولیں گے
دھرتی پر طوفان اُٹھے گا دریا شور مچائیں گے
جب اپنے افکار کی تلخی ہم الفاظ میں گھولیں گے
دنیا کیا کیا رنگ دِکھائے ہم جانیں
دِل نے کتنے دھوکے کھائے ہم جانیں
دشتِ وفا میں چل نکلے اور رستے میں
کیسے کیسے منظر آئے ہم جانیں

۵: مرّقع نگاری:

لفظوں کی وساطت سے کسی بھی منظر کا نقشہ اس انداز میں کھینچنا کہ قاری یا سامع اس منظر کو اپنی آنکھوں

سے دیکھتا ہوا محسوس کرے، مرقع نگاری یا تصویریت کہلاتا ہے۔ یہ وہ صنعت ہے جس میں کمال حاصل کرنے کے لیے شاعر کا لفظی مصوّر ہونا بھی ضروری ہے۔ محمد رفیق بھٹی میدانِ کربلا کا منظر یوں بیان کرتے ہیں:

حسینی قافلہ جب چل رہا تھا
سوا نیزے پہ سورج جل رہا تھا
اِدھر روشن تھا مہتابِ مدینہ
اُدھر کوفہ کا جوبن ڈھل رہا تھا

صنائع معنوی:

محمد رفیق بھٹی کے کلام میں صنائع معنوی کے استعمال کی مثالیں درج ذیل ہیں:

ا: ایہام:

صنعتِ ایہام کو صنعتِ توریہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کلام میں کوئی ایسا لفظ لانا جس کے دو معنی ہوں یعنی ایک معنیٰ قریب دوسرا معنیٰ بعید۔ قاری یا سامع فوری طور پر معنیٰ قریب پر اکتفا کر لے جب کہ شاعر کی مراد معنیٰ بعید ہو۔ اُسی لفظ کا شمار صنعتِ ایہام میں ہوگا جو معنیٰ بعید کو مخفی رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو یعنی اس لفظ کا حقیقی معنی و مفہوم جو کہ منشائے شاعر ہو، غور و خوض کے بعد معلوم ہو۔ محمد رفیق بھٹی کے کلام میں صنعت ایہام کی موجودگی کارفرما نظر آتی ہے۔

ابھی اپنے شہیدوں کے لہو کا قرض باقی ہے
ادا سُنت تو کر لی ہے ولیکن فرض باقی ہے
صید ہے نادان اور صیاد ظالم خوشہ چیں
آیۂ رحمٰن تو ہے ''لَا یُحِبُّ المعتدین''
زمانے میں جہاں بھی سومناتی سر اُٹھائیں گے
وہاں تلوار لے کر آج بھی محمود آئیں گے

۲: حُسنِ تعلیل:

کسی امر کی کوئی ایسی وجہ بیان کرنا جو حقیقت میں اس کی وجہ نہ ہو بلکہ اس کے وقوع پزیر ہونے کی دیگر کوئی وجہ ہو یا وجہ نامعلوم ہو، حُسنِ تعلیل کہلاتا ہے۔اس میں شاعر کی قوتِ مشاہدہ کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔اپنی بالغ نظری اور ژرف نگاہی سے کائنات کے فطری مناظر کی وجوہ کو تبدیل کر کے نئی تاویلات پیش کرنا، نابغۂ روز گار شخصیت کا کمال ہوتا ہے۔واضح رہے کہ ان دلائل کا تعلق محض شاعر کی فکری عظمت سے ہوتا ہے۔عملی زندگی میں ایسے دلائل کو تسلیم کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہوتی ۔محمد رفیق بھٹی نے بھی اس صنعت کے استعمال میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا ہے۔

ہوتی جو خزاں مجھ کو بھی افسوس نہ ہوتا
گُل میرے گُلستاں کے بہاروں میں جھڑے ہیں
اُتار دیتی ہیں گھونگھٹ گلاب کی کلیاں
کبھی جو اس کے لبوں کا بیان ہوتا ہے

پھولوں کا جھڑنا اور کلیوں کا کھلنا فطری عوامل ہیں لیکن شاعر نے ان کی وجوہات کچھ اور بیان کی ہیں جو کہ شاعر کا فکری کمال تو ہیں لیکن مبنی بر حقیقت نہیں۔اسی طرح ذیل کے اشعار میں دریا کے بہنے اور سمٹ جانے کو یوں بیان کرتے ہیں:

بادلو تم کو برسنے کی ضرورت ہی نہیں
اشک کافی ہیں مرے دریا بہانے کے لیے
دریا سمٹ گئے مرے ہونٹوں کو دیکھ کر
بولے کہ تشنہ کام کو جنموں کی پیاس ہے

۳: مراعاۃ النظیر:

اس صنعت سے مراد ہے کہ کلام میں چند ایسی چیزوں کا ذکر کرنا جن کی آپس میں ایک خاص مناسبت ہو لیکن ان اشیا کا آپس میں تقابل یا تضاد مقصود نہ ہو۔مثلاً بہار، باغ، گُل چیں، گُل بُلبُل، سرو، نرگس اسی طرح

سفر،راہبر،رہزن،لشکر،طبل وعلم وغیرہ کا ایک ساتھ ذکر کرنا۔محمد رفیق بھٹی کے کلام میں کہیں کہیں اس کی مثالیں ملتی ہیں:

رنگ ہیں سب کے جُدا انداز ہیں سب کے الگ
پھول ہیں جتنے چمن میں سب کی اپنی باس ہے
سنگ دِل کو بے کسوں کے آنسوؤں سے کیا غرض
گھونسلے سے چیل کے حاصل ہوا کب ماس ہے
رہزنوں نے رہبروں کا پہن رکھا ہے لباس
باغ کے ہر پیڑ پر بیٹھا ہوا اِک بوم ہے

۴: لف ونشر:

لف کے معنی لپیٹنا اور نشر کے معنی پھیلانا ہیں۔اصطلاحاً اس سے مراد ہے پہلے چند چیزوں کا ایک ترتیب سے ذکر کرنا اور پھر اسی ترتیب سے یا بلا ترتیب اُن چیزوں کے مناسبات بیان کرنا۔

ضابطے قانون کُلیے قاعدے
کیسے کیسے دل کو بہلاتا ہوں میں
جو عوامی ہو نہ جمہوری نہ اِسلامی رفیقؔ
دیس میں ایسی کسی سرکار کا کیا فائدہ

۵: تضاد یا طباق:

کلام میں دو یا دو سے زیادہ ایسے الفاظ لانا جو معانی کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہوں جیسے صبح و شام،امیر وغریب ،ادنیٰ و اعلیٰ،فنا و بقا۔محمد رفیق بھٹی کے کلام میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔انھوں نے بیشتر اشعار میں دومختلف چیزوں کو یکجا کر کے اُن کے مابین تقابل کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔اس صنعت کے استعمال کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جب کسی چیز کی اہمیت اُجاگر کرنی ہوتو اس کے متضاد کا بھی ذکر کر دیا

جائے تا کہ مطلوبہ شے کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانے میں آسانی رہے۔ بالکل اسی طرح جیسے دن کی روشنی کی اہمیت بتانی ہو تو رات کی تاریکی کا ذکر بھی کر دیا جائے تا کہ دن کی روشنی کی قدر و اہمیت کا صحیح اندازہ لگایا جا سکے۔

رات دن صبح و شام کچھ بھی نہیں
وہم ہیں روز و شب کے پیمانے
آج کے جس قدر حقائق ہیں
کل کو بن جائیں گے یہ افسانے
زندگی میں لازم و ملزوم ہے فتح و شکست
ہارنے والے کو فاتح کا بدل دیکھا گیا

مندرجہ بالا اشعار میں رات اور دن، صبح اور شام اور فتح و شکست ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

۶: مبالغہ:

کسی شخص یا چیز کی تعریف اس انداز سے کرنا کہ ذہن اس کو تسلیم نہ کرے اور وہ بعید از قیاس معلوم ہو۔ صنعتِ مبالغہ کے استعمال میں اگر حد سے تجاوز کیا جائے تو شعر کا معیار پست ہو جاتا ہے۔

غنچہ دہن اِنسان کبھی تو بند زبانیں کھولیں گے
ہم بولے تو ساتھ ہمارے شہر کے پتھر بولیں گے
پھولوں نے صدا دی ہے کلیوں نے پکارا ہے
کشمیر ہمارا ہے کشمیر ہمارا ہے
افلاک سے آتی ہے تاروں کی صدا سُن لو
کیا گیت سناتی ہے کانوں میں ہوا سُن لو
بادلوں کی گرج بجلی کی چمک دِل کی اُمنگ
زندگی اِن کو ملی ہے تیرے انگڑانے کے ساتھ

۷: تجاہلِ عارفانہ:

کسی چیز کے متعلق علم رکھنے کے باوجود اس سے لاعلمی کا اظہار کرنا تجاہلِ عارفانہ کہلاتا ہے۔شاعر دوسروں سے اس انداز میں سوال کرتا ہے جیسے بذات خود اسے کچھ بھی معلوم نہیں حالانکہ اصل حقیقت کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتا ہے۔محمد رفیق بھٹی کے ہاں ایسے اشعار کی تعداد بہت کم ہے۔

ہمارے گھر پہ کچھ جنات کا سایہ ہے کیا ہو گا
کوئی آسیب پچھواڑے سے در آیا ہے کیا ہو گا
میں تائب ہو چکا تھا جس کے لُطفِ دِل رُبائی سے
مجھے اُس دِل رُبا نے پھر سے بلوایا ہے کیا ہو گا
کیا تری حکمت مشیّت کے لیے زنجیر ہے؟
کیا تری رحمت ابھی نا واقفِ کشمیر ہے؟

۸: ہجو ملیح:

ہجو کے لغوی معنی مذّمت، بدگوئی یا برائی بیان کرنا ہیں۔اصطلاحاً اس سے مراد کسی کے عیبوں پر پردہ ڈالنے کی بجائے اُس کے عیوب کو منظرِ عام پر لانا ہے۔ہجوِ ملیح کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ کسی کے عیوب اور بُری عادات و اطوار کو اس طرح بیان کرنا کہ وہ بظاہر اس کی مدح معلوم ہوں۔ہجو ملیح میں ہجو و مدح کے دونوں پہلو کارفرما ہوتے ہیں۔جس طرح ہجو کو مدح کے انداز میں بیان کیا جاتا ہے اسی طرح مدح کو ہجو کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا جاتا ہے۔یعنی بظاہر جو ہجو معلوم ہوتی ہے وہ درحقیقت مدح ہوتی ہے اور جو بظاہر مدح نظر آتی ہے، وہ درحقیقت ہجو ہوتی ہے۔

چل رہا ہے کام غیروں کے اشاروں کے طفیل
گرچہ زندہ ہیں مگر جھوٹے سہاروں کے طفیل
کم نظر ملاؤں نے اسلام چوری کر لیا
لُٹ گئی جمہوریت جاگیرداروں کے طفیل

فکر کو چندھیا دیا دانشورانِ وقت نے
مرگئی غیرت سیاسی بے مہاروں کے طفیل
جائزے بے جان سارے تبصرے بے سود ہیں
سوچ بے چہرہ ہوئی کالم نگاروں کے طفیل

۹: تضمین:

تضمین کی تعریف یہ ہے کہ کسی شاعر کا اپنے کلام میں کسی دوسرے شاعر کا کوئی شعر یا مصرع عمداً شامل کرنا۔علاوہ ازیں قرآن پاک کی آیت ،حدیث نبوی ﷺ یا کسی مشہور شخصیت کا قول بطور مصرع باندھنا تضمین کہلاتا ہے۔محمد رفیق بھٹی کے کلام میں صنعتِ تضمین کی چند مثالیں یہ ہیں:

جہالت کا اندھیرا دُور کر دے
بصارت کو مری پُر نُور کر دے
''خُدایا آرزو میری یہی ہے''
وَطَن کی خاک کوہِ طُور کر کے
صید ہے نادان اور صیاد ظالم خوشہ چیں
آیۂ رحمٰن تو ہے لَا یُحِبُ المعتدیں

۱۰: سہلِ ممتنع:

کسی شعر یا کلام کا اندازِبیان اتنا آسان ہونا کہ اس سے زیادہ آسان کہنے کی گنجائش نہ ہو۔حسرتؔ موہانی نے اس کی تعریف یوں کی ہے:''اس صنف کا نام ہے،جس کو دیکھ کر ہر شخص بہ ظاہر یہ سمجھے کہ یہ بات میرے دل میں بھی تھی اور ایسا کہنا ہر شاعر کے لیے آسان ہے،مگر جب خود کوشش کرے ویسا لکھنا چاہے تو لکھ نہ سکے''[۲۲] اس حوالے سے مومنؔ کا یہ شعر سہلِ ممتنع کی بہترین مثال ہے:

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

محمد رفیق بھٹی کے کلام میں بھی سہلِ ممتنع کی خوب صورت مثالیں موجود ہیں:

ناپ کر تول کر حساب کے ساتھ
جی رہے مگر عذاب کے ساتھ
شہر میں بے حجاب پھرتے ہیں
گھر میں ملتے ہیں جو نقاب کے ساتھ
زیادہ محترم ہونے سے پہلے
زیادہ معتبر ہونا پڑے گا
کسی کو ڈھونڈنے کی آرزو میں
خود اپنے آپ کو کھونا پڑے گا

۱۱: صنعتِ تلمیح :

اگر شاعر اپنے کلام میں ایک لفظ یا دو الفاظ کی ترکیب سے کسی مشہور قصے، تاریخی واقعے، قرآن پاک کی آیت یا فن کی کسی اصطلاح کی طرف اشارہ کرے تو ادب کی زبان میں اُسے ''تلمیح'' کہا جاتا ہے جیسے ابنِ مریم، چاہِ یوسف اور آتشِ نمرود وغیرہ۔ علاوہ ازیں، صنعتِ تلمیح میں اُن تاریخی لوگوں کا شمار بھی ہوتا ہے جو اپنی زندگی میں کسی خاص خوبی کی وجہ سے مشہور یا مخصوص خامی کی وجہ سے بدنام ہو گئے ہیں اور آنے والی نسلوں کے لیے اپنی خوبی یا خامی کی وجہ سے ایک استعارہ بن گئے ہیں۔ محمد رفیق بھٹی کے کلام میں اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

کوئی موسیٰ عصا لے کر اگر صحرا میں آ جائے
تو فطرت ریت کے ٹیلوں کو کوہِ طور کر دے گی

قالو بلیٰ کا وِرد مجھے یاد ہے ابھی
ضعفِ نظر ہے آجکل نسیان تو نہیں

مندرجہ بالا اشعار میں ''عصائے موسیٰ''، ''کوہِ طور'' اور ''قالو بلیٰ'' بطور تلمیح استعمال ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ مدین سے واپس آرہے تھے کہ وادی سینا میں کوہِ طور پر انھیں روشنی نظر آئی، نزدیک گئے تو ایک درخت کو آگ لگی ہوئی تھی مگر وہ ہرا بھرا تھا اور وہ جل نہیں رہا تھا۔ یہاں پہلی دفعہ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا اور پیغمبری عطا ہوئی۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں تمام روحوں سے پوچھا کہ کیا میں تمھارا ربّ نہیں ہوں تو سب نے ایک زبان ہوکر کہا ''قالو بلیٰ'' کیوں نہیں تو ں ہی ہمارا ربّ ہے ۔ یہاں اسی عہد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ذیل کے شعر میں ''سکندر'' تلمیح ہے۔ جس میں اُس کے دنیا سے خالی ہاتھ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

ہر کوئی جاتا ہے خالی ہاتھ دنیا سے مگر
اِک سکندر کے لیے یہ قول کیوں مشہور ہے

۱۲: صنعتِ جمع :

صنعت جمع سے مراد ہے ایک سے زیادہ اشیا کا ایک حکم میں جمع کرنا۔ دو یا دو سے زیادہ چیزوں کا ذکر کرنا پھر ان چیزوں کا ایک ہی ماخذ یا سبب بیان کرنا، صنعت جمع کہلاتا ہے۔

سسکیاں آہیں تمنائیں اُمنگیں حسرتیں
جانے کیا کیا روگ ہیں اِس ناتواں سی جان کو
حادثے اغوا ڈاکے چوریاں اور خُرد بُرد
مشتمل ان سرخیوں پر آج کل اخبار ہے

علمِ بیان:

علمِ بیان سے مراد ایسا علم ہے جس کے ذریعے کلام میں موجود فنی لوازمات کو تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجازِ مرسل کی مدد سے پرکھا جاتا ہے۔ سید عابد علی عابد علمِ بیان کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

علم بیان وہ علم ہے جو مجاز[(1) تشبیہ (2)استعارہ (3) مجاز مرسل (4) کنایہ] سے اس طرح بحث کرتا ہے کہ اس پر حاوی ہونے کے بعد فنکار، انشاپرداز یا خطیب اپنے مفہوم کے ابلاغِ تام میں کامیاب ہو سکے۔۔۔اس فن کا منصب یہ ہے کہ اِنشا پرداز کو ان ارکان کی معاونت سے اپنے مفہوم کے اظہار تام یا ابلاغِ کامل میں پوری پوری مدد دے۔[۲۳]

ارکانِ علم بیان کا تعلق صرف شاعری ہی سے نہیں بلکہ یہ نثر میں بھی مستعمل ہیں۔ہم روز مرہ بول چال میں کثرت کے ساتھ تشبیہات و استعارات کا استعمال کرتے ہیں۔اسی طرح کچھ باتیں رمز و کنایہ میں کی جاتی ہیں جن کے دوہرے مفاہیم ہوتے ہیں لیکن کثرتِ استعمال کے باوجود ہم ان الفاظ اور جملوں کی ادبی پہچان سے نا آشنا ہوتے ہیں۔کوئی بھی شاعر شعر کہتے وقت اپنے کلام کے اُسلوبی پہلو کو پیش نظر نہیں رکھتا بلکہ اس کی تمام تر توجہ نُدرتِ خیال اور طرزِ اظہار کی جانب مرکوز ہوتی ہے۔یہ فریضہ محققین و ناقدین کا ہوتا ہے کہ وہ کلام کی صحت کو جانچنے اور اس کی ادبی حیثیت دریافت کرنے کے لیے تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔بہر حال بعض شعرا، شعر گوئی کے جملہ اوصاف کے ساتھ ساتھ اس کے اُسلوب کو بھی ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اپنے کلام کو حتمی شکل دیتے ہیں۔

درج ذیل سطور میں محمد رفیق بھٹی کے کلام کا علم بیان کے ارکان کی روشنی میں جائزہ لیا جاتا ہے:

ا: تشبیہ:

اگر کسی شخص یا چیز کو کسی خاص خوبی یا خامی کی وجہ سے کسی دوسری چیز کی مانند قرار دیا جائے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔مثلاً یہ کہنا کہ زید شیر کی طرح بہادر ہے یا ایک ماں یہ کہے کہ میرا بیٹا چاند جیسا ہے۔ان جملوں میں بہادری اور حُسن کے اظہار کے لیے تشبیہ دی گئی ہے۔تشبیہ کے پانچ ارکان ہیں (مشبہ، مشبہ بہ، حرف تشبیہ، وجہ تشبیہ، غرضِ تشبیہ)۔مؤخرالذکر دو ارکان کے مابین بہت ہی معمولی سا فرق ہے۔سید عابد علی عابد نے تشبیہ کی جو تعریف کی ہے اور مولانا رومی صاحبِ دبیر العجم کا جو اقتباس نقل کیا ہے اُس میں اول الذکر چار ارکان کو تشبیہ کے ارکان قرار دیا ہے[۲۴] اور پانچویں رکن ''غرض تشبیہ'' کو اس فہرست سے خارج کر دیا ہے کیوں کہ اُن کی نظر میں اس کی عدم موجودگی سے تشبیہ کی تعریف یا وضاحت و صراحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔مشبہ اور مشبہ بہ کو ''اطراف تشبیہ'' یا ''طرفینِ تشبیہ'' کہتے ہیں۔تشبیہ دینے کے لیے جو حروف مثلاً کا سا، مانند، مثل، جیسے، کی طرح، گویا وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔انھیں ''حرفِ تشبیہ'' یا ''اداتِ تشبیہ'' کہا جاتا ہے۔

تشبیہ کے استعمال سے شعر میں حُسن پیدا ہوتا ہے۔ کسی چیز کو جب وضاحت کے ساتھ بیان کرنا مقصود ہو تو تشبیہ کا سہارا لیا جاتا ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے جس شخص یا چیز کو جس چیز سے تشبیہ دی جا رہی ہے اُن دونوں کے درمیان مشابہت کا کوئی تعلق پایا جاتا ہو۔

محتاج زندگی کی کبھی آرزو نہ کر
جینا عبث ہے دہر میں مہتاب کی طرح

دلھن کی طرح نوک پلک اس کی سنوارو
یہ آدم و حوّا کا سجایا ہوا گھر ہے

مذکورہ بالا اشعار میں شاعر نے ''زندگی کی محتاجی'' کو ''چاند'' سے تشبیہ دی ہے۔ کیوں کہ چاند بھی رات کے اندھیرے کا محتاج ہے۔ اس میں حرفِ تشبیہ ''کی طرح'' استعمال ہوا ہے۔ دوسرے شعر میں ''دنیا کے سنوارنے'' کو ''دلھن کی خوبصورتی'' سے تشبیہ دی گئی ہے۔

جو مرد ہے غیّور فرشتوں سے کم نہیں
عورت جو پاکباز ہے جنت کی حور ہے

منزل ہے ایک وہم سفر ہے سراب کا
سوچو تو یہ حیات بھی عالم ہے خواب کا

۲: استعارہ:

استعارہ کے لغوی معنی ہیں مستعار لینا یعنی اُدھار لینا۔ جب کسی شخص یا چیز کو کسی دیگر چیز سے تشبیہ دینے کی بجائے ہو بہو وہی چیز مراد لی جائے یا آسان لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جب ''مشبہ'' کو ''مشبہ بہ'' قرار دے دیا جائے تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔ مثلاً تشبیہ کے بیان میں دی جانے والی مثالوں کو استعاراتی شکل یوں دی جائے گی، زید شیر ہے، ماں نے کہا کہ میرا بیٹا چاند ہے۔ ان جملوں میں شیر کا لفظ بہادری کے لیے اور چاند کا لفظ حُسن کے لیے مستعار لیا گیا ہے۔ استعارہ کے حوالے سے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جو لفظ مستعار لیا جائے اُس میں اور جس شخص یا چیز کے لیے مستعار لیا جائے، دونوں کے مابین تشبیہ کا تعلق پایا جانا

ضروری ہے۔ استعارہ کے تین ارکان (مستعارلہ،مستعارمنہ،وجہ جامع) ہیں اور بطورِ استعارہ استعمال ہونے والے لفظ کے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنی مراد لیے جاتے ہیں۔تشبیہ میں جسے وجہ تشبیہ کہتے ہیں،استعارہ میں اُسے وجہ جامع کہا جاتا ہے۔

فُرات پر لبِ ساحل ہیں تشنہ کام رفیقؔ
ہم اپنے دور کے شبّیرؑ ہیں ہمارا کیا

آدمی تھا خود فریبی نے کیا مجھ کو خراب
میں فرشتہ بن کے اپنا آپ منوانے لگا

ان اشعار میں محمد رفیق بھٹی نے ''شبّیر'' بطورِ استعارہ اپنی ثابت قدمی اور استقامت کے لیے استعمال کیا ہے۔ جب کہ دوسرے شعر میں لفظ ''فرشتہ'' استعاراتی طور پاک دامنی کے ضمن میں لیا ہے۔

میں شمع فروزاں ہوں رفیقؔ ایسے نگر کی
جلتا ہے یہاں آ کے جو پروانہ جُدا ہے

شمشیر برہنہ ہیں عدو کے لیے لیکن
یارانِ محبت کے لیے دشتِ اماں ہیں

۳: کنایہ:

کنایہ کے لغوی معنی رمز و ایما کے ہیں جب کہ اصطلاحاً اس سے مراد کسی مخفی بات کی طرف اشارہ کرنا ہے۔شاعر یا ادیب کسی بات کو براہِ راست بیان کرنے کی بجائے رمز و ایما کا سہارا لیتا ہے اور اس کا مقصد نظم و نثر میں حُسن پیدا کرنا ہوتا ہے۔کنایہ میں کسی لفظ یا جملے کے لغوی معنی مراد نہیں لئے جاتے تاہم اس بات کی گنجائش موجود ہوتی ہے کہ اگر لغوی معنی بھی مراد لیے جائیں تو وہ درست ہوں مثلاً یہ کہنا کے اُس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں،دو مفہوم دے رہا ہے یعنی اُس کے اثر و رسوخ بہت زیادہ ہیں اور دوسرا مفہوم حقیقی معنوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔اسی طرح یہ کہنا کہ وہ کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بڑا دولت مند ہے اور اگر اس جملے کے حقیقی معنی مراد لیے جائیں تو بھی بات قرینِ قیاس نہیں کیوں کہ کوئی بھی شخص

خواہ امیر ہو یا غریب، کھائے پیئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

کتابیں ہیں غلامی کی مرے بچے کے بستے میں
نصابِ حُریّت اِس کو پڑھانے کی ضرورت ہے

نقب زنی سے زیادہ نہیں مرے نزدیک
فروغِ علم کا رائج ہے جو نظامِ کار

کسی کے ورثے کو اپنی بنا کے ملکیت
حوالے غیر کے کرتا ہے یہ زمامِ کار

فلک سے آنے والوں کا نہیں ہوں منتظر اب میں
اِسی مٹی سے کوئی ثانیٔ ہمدان پیدا کر

۴: مجازِ مرسل:

جب کسی لفظ کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق پایا جاتا ہو تو اسے مجاز مرسل کہتے ہیں۔ ہم روزمرہ بات چیت میں کثرت کے ساتھ مجازِ مرسل کا سہارا لیتے ہیں۔ نظم و نثر میں کُل کو بطورِ جزو یا جزو کو بطورِ کُل استعمال کرنا بھی مجازِ مرسل کی علامتیں ہیں مثلاً دریا کہہ کر پانی مراد لینا، ہاتھ کہہ کر انگلیاں مراد لینا یا انگلیاں کہہ کر انگلیوں کے پورے مراد لینا۔ محمد رفیق بھٹی کے کلام میں مجازِ مرسل کی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے۔

آبادیاں لُٹیں کہیں کھلیان جل گئے
زندہ کسی مکان میں انسان جل گئے

ایسی لگی ہے آگ کہ ارمان جل گئے
ہر سو اگر ہو آگ تو تعمیر کیا کروں

نوحہ لکھوں کہ مرثیہ تحریر کیا کروں
شعلوں کی زد میں ہے مرا کشمیر کیا کروں

کفن باندھے ہوئے سر سے نکل آئے ہیں دیوانے
بچائیں گے وطن اغیار سے یا سر کٹائیں گے

د۔ اسالیب کا تنوّع:

محمد رفیق بھٹی کے کلام میں علمِ بیان و بدیع کی متذکرہ بالا صنعتوں اور ارکان کے استعمال کے علاوہ اسالیب کے تنوّعات بھی دکھائی دیتے ہیں۔اُن کے مجموعۂ کلام ریگ زار میں شامل بیشتر اشعار میں غالبؔ ، حالیؔ اور اقبالؔ جیسے شعرا کے کلام کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔اُردو ادب میں یہ انداز خصوصیت کے ساتھ کسی اور کے ہاں خال خال ہی نظر آتا ہے۔کلامِ رفیق میں پائے جانے والے اسالیب درج کئے جاتے ہیں۔

ا: مکالماتی اُسلوب:

مکالمہ سے مراد ہے ہم کلام ہونا۔دو یا دو سے زیادہ افراد جب آپس میں محوِ گفتگو ہوتے ہیں تو ادب کی زبان میں اس کے لیے مکالمہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔کسی نثر یا نظم میں پائے جانے والے مکالماتی اُسلوب کا مطلب ہے کسی شاعر یا ادیب کا اس انداز سے لکھنا کہ پڑھنے والے کو اس کلام میں یہی محسوس ہو کہ صفحۂ قرطاس پر بکھرے ہوئے الفاظ خود بول رہے ہیں۔مرزا غالبؔ نے مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے مکاتیب میں بے تکلف گفتگو کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔محمد رفیق بھٹی نے بھی چند اشعار میں مکالماتی انداز اپنایا ہے۔

وہ کون ہے یہ بات نہیں قابلِ تفہیم
میں کون ہوں یہ بات بڑی غور طلب ہے
اجداد کے رشتوں سے بڑائی نہیں ممکن
انسان کا کردار بڑا نام و نسب ہے
میں بھی تصویر آپ بھی تصویر
سارا عالم نگار خانہ ہے
کوئی سمجھا ہے اور نہ سمجھے گا
کیا حقیقت کیا فسانہ ہے

۲: استفہامیہ انداز:

محمد رفیق بھٹی نے استفہامیہ انداز میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انتہائی عاجزی سے عرض گزاری کی ہے کہ اگر وہ بندوں کے جرم معاف کرتے ہوئے اُن پہ رحم نہیں فرمائے گا تو اور کون ہے جو اُن کی حاجات پوری کرے گا۔ دوسری طرف شاعر نے قارئین سے ایسے سوالات کئے ہیں جن کے متعلق وہ اچھی طرح جانتے ہیں لیکن غفلت کی وجہ سے اپنا سبق فراموش کئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ان اشعار میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔

سَر زمینِ لالہ و گُل آج خوں آلود ہے
جانے کیوں کشمیر سے رَحمت تری مفقود ہے
تیرے ہی بندے ہیں یہ تو اِن کا بھی معبود ہے
اِن کی محکومی سے آخر تیرا کیا مقصود ہے
جنّتِ ارضی کے باسی آج تک محکوم ہیں
کِس قدر مجبور و بے بس بے نوا مظلوم ہیں

۳: ندائیہ انداز:

ندا کے لغوی معنی آواز، صدا اور پکار کے ہیں۔ اس سے مراد کسی شخص کو اس طرح مخاطب کرنا ہے جیسے وہ سامنے موجود ہے۔ اُردو میں اس کے لیے ''او'' اور ''اے'' کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ میرؔ کا ایک شعر اس کی بڑی عمدہ مثال ہے:

یوں پکارے ہیں مجھے کوچۂ جاناں والے
ادھر آبے ابے او چاک گریباں والے

میرؔ کے اس شعر کی بے ساختگی و برجستگی مزید کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔ محمد رفیق بھٹی نے بھی بیشتر اشعار میں ندائیہ انداز اختیار کرتے ہوئے گفتگو کی ہے:

اے علیم و اے خبیر و اے محیطِ ذاتِ پاک
تاب ہے کس کو سُنائے داستانِ درد ناک
اے آب رودِ جہلم کہہ دے کوئی افسانہ
سمٹا ہوا ہے تیری آغوش میں زمانہ
میں ہدیۂ سرلے کے ترے در پہ کھڑا ہوں
اے ارضِ وطن! لے مجھے انکار نہیں ہے

بعض اوقات ندائیہ لفظ کی بجائے صرف ندائیہ علامت لگا دی جاتی ہے جو اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ شاعر کسی کو مخاطب کر رہا ہے مثلاً:

غریب لوگوں کے گیت گاؤ مرے وطن کے امیر لوگو!
تمھارے حصے کا قرض دے کر تمھیں معزز بنا چکے ہیں

۴: لفظی موسیقیّت اور نغمگیٔ کیفیّات:

لفظوں میں موسیقیت اور نغمگیٔ کیفیّات پیدا کرنا بہت ہی مشکل فن اور ایک مشّاق شاعر کا خاصہ ہے۔ جس طرح ماہر موسیقی، اپنے راگ کے ذریعے اہلِ ذوق کو سر دُھننے پر مجبور کر دیتا ہے اسی طرح ایک باکمال شاعر بغیر آلات موسیقی کے لفظوں سے راگ کا کام لیتا ہے۔ محمد رفیق بھٹی کے کلام میں ان کیفیات کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ ذیل کے اشعار کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کا قلم تنہا خود ہی نہیں جھومتا بلکہ پڑھنے اور سننے والوں کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیتا ہے۔

محبت کا سفر ہے راستہ دُشوار تو ہو گا
طلب گارِ جنوں لذت کشِ آزار تو ہو گا
عجب کیا ہے اگر زنداں کی زینت بن گیا کوئی
کرے گا جو بغاوت وہ پسِ دیوار تو ہو گا

خوشی غم سے جدائی وصل سے مربوط ہوتی ہے

کھلے گا پھول جب دامن میں کوئی خار تو ہو گا
گلے ہیں ڈھیر میخانوں کے اندر آبگینوں کے
کوئی مے خوار مستی میں جنوں آثار تو ہو گا
اُدھر صیاد ماہر ہے اِدھر اِک صید مضطر ہے
نظر کا تیر ہے ظالم جگر کے پار تو ہو گا

۵: علّت ومعلول:

علّت ومعلول کے معنی سبب اور مُسبَّب کے ہیں۔کسی چیز کے وقوع پزیر ہونے کی وجہ کو علّت اور جس چیز کو اسباب سے ثابت کیا جاتا ہے اُسے معلول کہتے ہیں۔شاعر کسی چیز کا سبب بیان کرنے کے لیے اُسے کسی خاص عمل سے مشروط کر دیتا ہے مثلاً:

آگ کو آگ سے بُجھانے گیا
غم مٹانے شراب خانے گیا
سُرخ پھولوں سے اُن کی رغبت ہے
اس لیے زخمِ دل دکھانے گیا
رندی کے لیے ذوقِ طلب ہی نہیں کافی
اِک خاص تقاضا ہے یہاں ظرف کا معیار
دن میں بھی اندھیرے کا گماں ہوتا ہے اکثر
جب دیکھنے والے کی نظر ہوتی ہے بیمار

۶: مشکل پسندی:

بعض شعرا و ادبا، مشکل الفاظ کے استعمال سے اپنے معاصرین پر علمی فوقیت حاصل کرنے کی کوشش

کرتے ہیں۔جیسا کہ غالبؔ کو اپنی فارسی زبان میں کی گئی شاعری پر فخر تھا اور وہ فارسی کی نسبت اُردو کو بہت کم اہمیت دیتے تھے لیکن یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں کہ غالبؔ کو جو مقام و مرتبہ اُردو زبان نے دیا وہ فارسی زبان میں ان کی ناموری کا سبب نہ بن سکا۔اُردو میں بھی اُن کا وہی کلام مقبول ہوا جس میں انھوں نے عام فہم زبان استعمال کی ہے۔مجموعی طور پر محمد رفیق بھٹی کے کلام کی زبان سلیس اور عام فہم ہے لیکن کہیں کہیں مشکل پسندی کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔اس طرح کے کلام کی تفہیم خواص کے لیے تو آسان ہوسکتی ہے لیکن ایک عام قاری کے لیے ان اشعار کا مطالعہ کر کے حظ اُٹھانا بہت مشکل ہے۔

خمیرِ خاکِ وطن نے عطا کیا ہے مجھے
ستونِ دار کا عرفان حُرّیت کا شعور
مری نگاہ میں ارضِ کشیر ہے جیسے
جمالِ وادیٔ بطحا جلالِ کوہِ طور
آزمایا ہے زمانے نے یہ نُسخہ بار ہا
''ہر کہ پابندِ وَطَن شُد می کشَد آزار ہا''

۷: فصاحت و بلاغت:

فصاحت کا مفہوم یہ ہے کہ کلام میں ایسے الفاظ لانا جو روز مرّہ اور محاورہ کے خلاف نہ ہوں اور اُن کا استعمال برمحل کیا گیا ہو۔الفاظ ایسے نہ ہوں جو قاری یا سامع کو ناگواری کا احساس دلائیں۔کلام کو تمام ظاہری و باطنی عُیوب سے پاک کرنے کا نام فصاحت ہے۔بلاغت سے مراد ہے کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب بیان کرنا۔جو کلام بلیغ ہوگا وہ فصیح بھی ہوگا لیکن جو کلام فصیح ہوگا اُس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ بلیغ بھی ہو۔فصاحت و بلاغت کے ذریعے کلام کو محاسنِ سخن سے آراستہ اور معائبِ سخن سے پاک کیا جاتا ہے۔اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ بعض لوگ مشکل لفاظی کو فصاحت و بلاغت کی علامت سمجھتے ہیں۔حالانکہ فصاحت و بلاغت کا انحصار مشکل الفاظ کے استعمال یا عدم استعمال پر نہیں بلکہ کلام کی لفظی و معنوی خوبیوں پر ہے۔محمد رفیق بھٹی کے فصیح و بلیغ کلام کی مثالیں درج ذیل ہیں:

قوم کی پہچان ہے شہ رگ ہے پاکستان کی
نُور ہے آنکھوں کا اور قندیل ہے ایمان کی
حضرتِ اِقبالؒ کے خوابوں کی یہ تعبیر ہے
یہ ترا کشمیر ہے اور یہ مرا کشمیر ہے
اس کے پاؤں میں غلامی کی پڑی زنجیر ہے
ہے تقاضا عقل کا دامن اسیری سے بچے
عشق کہتا ہے ٹھہر لا سامنے زنجیر کر
کتنی پُر آشوب ہے یہ پیروی منصور کی
اپنے مسلک کی نہ ایسے دور میں تشہیر کر

۸: شاعرانہ تعلّی:

تعلّی کے لغوی معنی بلندی، برتری، بڑائی یا شیخی کے ہیں۔اصطلاحاً اس سے مراد کسی شاعر کا اپنے کلام میں اپنی تعریف یا اپنے بڑے پن کا اظہار بذات خود کرنا ہے۔بالعموم معاشرتی زندگی میں اپنی تعریف خود کرنے کے عمل کو معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن دنیاے شعر میں اس تعریف کو شاعرانہ تعلّی کا نام دے کر شاعر کی ادبی حیثیت متعین کی جاتی ہے۔شاعرانہ تعلّی اُسی شاعر کو زیب دیتی ہے جو شعر کے تمام اسرار و رموز سے آشنا ہو اور حلقۂ معاصرین میں اُس کے کلام کو سند کا درجہ حاصل ہو بصورتِ دیگر اس تعلّی کو محض مبالغہ آرائی سمجھا جائے گا۔ محمد رفیق بھٹی کے کلام میں پائی جانے والی شاعرانہ تعلّی نہ صرف دلچسپ ہیں بلکہ مبنی بر حقیقت بھی ہیں۔ان کے کلام کا مطالعہ کرنے پر شاعر کے اظہارِ ذات اور کلام میں ہرگز مبالغہ آرائی کا گمان نہیں ہوتا۔

چڑھ کے سر بولے گا حرف و لفظ کا جادو مرا
شاعرانہ گفتگو میں ساحری کرتا ہوں میں
رفیقؔ اپنے تخیّل کی رسائی کیا بتاؤں میں
سلامی مجھ کو دیتی ہے بلندی آسمانوں کی

لفظ ہیں میرے سارے سونے چاندی کے
شعر مرے انمول خزانے لگتے ہیں

۹: تسلسل اور روانیِ بیان:

زبان کی روانی کے لیے الفاظ کے برمحل استعمال کے ساتھ ساتھ بے ساختگی کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ محمد رفیق بھٹی کے کلام میں تسلسل اور بیان کی روانی کی مکمل تصویر نظر آتی ہے۔ پڑھتے ہوئے ذوقِ سلیم کے مخفی غنچوں کو شگفتگی کا سامان میسّر ہوتا ہے مثلاً:

دل کا درد چھپا کر رکھنا
اپنا آپ بچا کر رکھنا
جانے کون کہاں آ جائے
گھر دہلیز سجا کر رکھنا
دستک دے کر لوٹ نہ جائے
بچوں کو سمجھا کر رکھنا
پل پل منظر بدل رہے ہیں
نظریں خوب جما کر رکھنا

۱۰: منفرد تراکیب:

ترکیب کے لغوی معنی تو ساخت یا بناوٹ کے ہیں لیکن اس کا عام فہم مفہوم یہ ہے کہ لفظوں کا ایک ایسا اجتماع جو نئے معنی متعارف کروائے، ترکیب کہلاتا ہے۔ محمد رفیق بھٹی کے ہاں استعمال ہونے والی خوبصورت تراکیب، شاعر کی وسیع النظری کی عکاسی کرتی ہیں۔ مثلاً بارِ ثمر، اشکِ ندامت، نورِ نظر، رختِ سفر، حُسنِ سحر، مشقِ ستم، بزمِ طرب، دامنِ حُرمتِ اجداد، قیدِ ہستی، فوجِ عدو، اہلِ جنوں، لبِ ساحل، لیلائے سیاست، لبِ دار وغیرہ۔

دامنِ حُرمتِ اجداد جو رکھے بے داغ
اپنے آبا کا وہی نورِ نظر ہوتا ہے
منزلیں چومتیں ہیں پاؤں ہمیشہ اُن کے
حوصلہ جن کے لئے رختِ سفر ہوتا ہے
حُر بھی ہوتا ہے ہر اِک فوجِ عدو میں شامل
شب کے پردے میں نہاں حُسنِ سحر ہوتا ہے

۱۱: لمبی ردیف:

اصنافِ نظم میں ردیف شعر کی شرط نہیں لیکن اس کی موجودگی شعر کو چار چاند لگا دیتی ہے۔شعر میں قافیہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے جب کہ ردیف کی اہمیت ثانوی ہوتی ہے۔محمد رفیق بھٹی نے بیشتر اشعار میں لمبی ردیفیں استعمال کی ہیں۔ایسے اشعار کی تعداد بہت کم ہے جن میں ردیف کا استعمال نہیں کیا گیا۔اسی طرح بعض نظمیں اورغزلیں ایسی بھی ہیں جن کی ردیف بہت لمبی ہے۔

نظر کا تیر دِل کے پار ہو جاتا تو اچھا تھا
شکیبائی کا کچھ اظہار ہو جاتا تو اچھا تھا
کہیں لیلیٰ کو پھر خونِ رگِ جاں کی طلب ہوتی
کوئی مجنوں لہو آثار ہو جاتا تو اچھا تھا

درج ذیل اشعار میں نواز، گداز اور ساز قافیہ ہیں باقی پورا مصرع ردیف ہے لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ ردیف کی طوالت کے باوجود ذوقِ سماعت میں کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ طبیعت میں پُر اسرار کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

تھے وہ نظر نواز ابھی کل کی بات ہے
منظر تھے دِل گداز ابھی کل کی بات ہے

محفل میں اُن کا آج کوئی تذکرہ نہیں
بجتا تھا جن کا ساز ابھی کل کی بات ہے

۱۲: انگریزی الفاظ کا استعمال:

محمد رفیق بھٹی کے کلام میں مجموعی طور پر (انگلش نظموں کے علاوہ) انگریزی زبان کے صرف چھ الفاظ (کراس، میٹرک، ڈپلومیٹ، ٹی بی، کلچر، پلازہ) استعمال ہوئے ہیں۔ شاعر نے بڑی عمدگی سے ان الفاظ کو مصرعوں میں باندھا ہے کہ ذرا بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا۔

تمنّا تھی کہ دیکھیں گے گُل گُلزار کا کلچر
محبت کا اخوّت کا سلوک و پیار کا کلچر
منافق کو اگر ہم لوگ ڈپلومیٹ کہتے ہیں
کہاں سے لائیں گے سچائی کے اظہار کا کلچر

۱۳: اُردو محاورات کا استعمال:

لُغت کی رُو سے محاورہ باہمی گفتگو، بول چال یا ہم کلامی کو کہتے ہیں لیکن اصطلاح میں اس سے مراد وہ کلمہ یا کلام لیا جاتا ہے جو اہلِ زبان نے کسی خاص مفہوم کے لیے مخصوص کر لیا ہے۔ واضح رہے کہ محاورہ کسی واحد لفظ پر مشتمل نہیں ہوسکتا بلکہ یہ دو یا دو سے زائد الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ نیز مُحاورے کے مجازی معنی مُراد لیے جاتے ہیں۔ کلامِ رفیق میں اُردو محاورات مثلاً ''دو چار ہونا، رائی کا پہاڑ بنانا، زیر و زبر کرنا، ہتھیلی پر سرسوں جمانا'' وغیرہ استعمال ہوئے ہیں۔

کبھی ہتھیلی پہ سرسوں جما نہیں کرتی
سکھائے کون یہ انداز ناشکیبوں کو
ادب سے نام لیا ایک دن سرِ محفل
رقیب نے تو بنایا پہاڑ رائی کا

۱۴: ضرب الامثال کا استعمال:

ضرب المثل سے مراد وہ کہاوت یا قول جو اس قدر مشہور ہو جائے کہ لوگ اُسے دلیل کے طور اپنی روزمّرہ زبان میں استعمال کرنا شروع کر دیں۔ ہر زبان کی اپنی ضرب الامثال ہوتی ہیں۔ضرب المثل میں حقیقی معنی مراد نہیں لیے جاتے بلکہ مجازی معنوں پر اکتفا کیا جاتا ہے،کلامِ رفیق میں یہ ضرب الامثال استعمال ہوئی ہیں:''جتنی چادر دیکھو اتنے ہی پاؤں پھیلاؤ،بغل میں چھری منہ سے رام رام،گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے وغیرہ''۔

رکھتی ہے ان کو نادم سبکی برہنگی کی
چادر سے جو زیادہ پاؤں پسارتے ہیں

چہرے سے معلوم ہوئی دِل کی حالت
گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے ہم جانیں

۱۵: کلامِ رفیق بھٹی میں اُسلوبِ اقبال کی عکاسی:

محمد رفیق بھٹی نے اُردو کے تمام اساتذۂ کبار سے اکتسابِ فیض کیا ہے اور اس کا اعتراف انھوں نے اپنی تحریروں میں بھی کیا ہے۔اُن کے کلام کے حوالے سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بیشتر اشعار ایسے ہیں جن میں علاّمہ اقبال کا لہجہ اور تخّیل کارفرما نظر آتا ہے۔ انھوں نے علاّمہ اقبال کی تقلید میں ان کے روحانی فیض سے شکوہ اور جوابِ شکوہ کی طرز پر نظمیں بھی لکھی ہیں۔ یہ فطری عمل ہے کہ کسی بھی شاعر کو بہ نظرِ غائر پڑھنے سے اُس کے کلام کا اثر،مطالعہ کرنے والے کے کلام پر ضرور پڑتا ہے اور اگر شاعر کی فکر وسیع اور اندازِ بیان بلیغ ہو تو یہ اثر ہرگز معیوب نہیں سمجھا جائے گا۔محمد رفیق بھٹی کے کلام میں فکرِ اقبال کی جھلک بالکل واضح اور نمایاں ہے۔ علاّمہ اقبال کے اشعار اور محمد رفیق بھٹی کا کلام،جن کا اُسلوب یا تخّیل مشترک نظر آتا ہے،بالترتیب درج ذیل ہیں:

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

علاّمہ اقبال

جہالت کا اندھیرا دُور کر دے
بصَارت کو مری پُر نُور کر دے
''خُدایا آرزو میری یہی ہے''
وَطَن کی خاک کوہِ طُور کر دے

محمد رفیق بھٹی

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

علاّمہ اقبال

آڑے آتا ہے جنھیں اپنا قبیلائی غرور
کس طرح ان کو کہیں ہم پاسبانانِ غیور
چوہدری ہے کوئی راجہ ہے کوئی سردار ہے
ہر قبیلہ دوسرے کے راہ کی دیوار ہے

محمد رفیق بھٹی

توڑ اس دستِ جفا کیش کو یا ربّ جس نے
روحِ آزادیٔ کشمیر کو پامال کیا

علاّمہ اقبال

ستم رسیدہ ہے مظلوم ہے ابھی کشمیر
تو اپنے لطف سے کر اس کے درد کا درماں
لہو نگر کے چمن کی پکار بھی سن لے
ہر ایک شاخ بریدہ ہر ایک برگ فغاں

محمد رفیق بھٹی

تُرے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ایرانی
لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

علاّمہ اقبال

آرام طلب تیرے جوانوں کی جوانی
راضی ہیں غلامی پہ اَعلالی و اَدانی
ہے آتشِ جاں سوز چناروں کی کہانی
یہ بات سُنی ہے میں نے قلندر کی زبانی

محمد رفیق بھٹی

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

علاّمہ اقبال

جو بات مجھے اپنے لیے راس نہیں ہے
اوروں کے لیے اُس کو روا کر نہیں سکتا
جو بندگیٔ غیر سے آزاد نہ کر دے
ایسا کوئی سجدہ میں ادا کر نہیں سکتا

محمد رفیق بھٹی

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں

علاّمہ اقبال

بس ایک تغیّر کے سوا کچھ نہیں دائم
ماحول بدل جائے تو کردار بدل دو

محمد رفیق بھٹی

چلنے والے نکل گے ہیں
جو ٹھہرے زرا کچل گے ہیں

علاّمہ اقبال

ٹھہر جانا اِک مکاں پر ہے یہ تضحیک مکاں
محترم ہوتے ہیں جن لوگوں کے گھر ہوتے نہیں

محمد رفیق بھٹی

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کُن فیکون

علاّمہ اقبال

یہ کائنات مقامات اِرتقا میں ہے
ہے ذرہ ذرہ یہاں تشنۂ عروج ابھی

محمد رفیق بھٹی

پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار
شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا

علاّمہ اقبال

افلاک کا وقار ہے شاہین کا وجود
کرگس کا کاروبار ہے مُردار کے لئے

محمد رفیق بھٹی

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تُو ہے

علاّمہ اقبال

زمیں کی پستیوں کو اپنے خاطر میں نہیں لاتے
نظر جن کی پرے جاتی ہے نیلے آسمانوں سے

محمد رفیق بھٹی

حوالہ جات

۱۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، سُتونِ دار، پنجال پبلشرز میر پور آزاد کشمیر، جنوری ۱۹۹۴ء، ص ۹۲، ۱۳۸

۲۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، لہو نگر، پنجال پبلشرز میر پور آزاد کشمیر، جنوری ۱۹۹۷ء، ص ۹۶

۳۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ریگ زار، رُمیل ھاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۵ء، ص ۲۰۴

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب، لاہور، جلد اول، طبع سوم، ۱۹۸۷ء، ص ۳

۵۔ ہاشمی، رفیع الدین، اصناف ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۴

۶۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، قرضِ حسنہ (شاعری و شخصیت خواجہ علی بہادر) پنجال پبلشرز میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۰۴ء، ص ۷۷

۷۔ کیفوی، حبیب، کشمیر میں اردو، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، پاکستان، بار اوّل ۱۹۷۹ء، ص ۱۷

۸۔ ایضاً

۹۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ریگ زار، رُمیل ھاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۵ء، ص ۱۰۶

۱۰۔ افضل صابری، محمد، نامور شاعر اور صحافی سے راقم کا انٹرویو، بمقام، کوٹلی، مورخہ ۲۳ اپریل ۲۰۱۶ء

۱۱۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، سُتونِ دار، پنجال پبلشرز میر پور آزاد کشمیر، جنوری ۱۹۹۴ء، سرورق

۱۲۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، لہو نگر، پنجال پبلشرز میر پور آزاد کشمیر، جنوری ۱۹۹۷ء، ص ۹۰، ۹۱

۱۳۔ ایضاً، سرورق

۱۴۔ سعید ظفر، محمد، پروفیسر، محبِّ وطن شاعر، مشمولہ، ایک شام پروفیسر محمد رفیق بھٹی کے نام، مؤلفہ، بنتِ رفیق بھٹی، پنجال پبلشرز میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۰۲ء، ص ۱۴۱

۱۵۔ افضل حق، چوہدری، میرا افسانہ، الفیصل ناشران لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۱۷۴

۱۶۔ منیر حسین خان، سردار، ریٹائرڈ سیشن ڈسٹرکٹ جج، شاعر سے راقم کا انٹرویو، بمقام سارہ، کوٹلی، مورخہ ۱۰ مئی ۲۰۱۶ء

۱۷۔ تبارک حسین، سیّد، جنوبی ایشیا کا امن ہماری آزادی سے مشروط ہے، مشمولہ، اپنا دیس، شمارہ ۱۰، ۹، ۸، ۱۵ دسمبر ۲۰۰۶ء تا ۱۵ جنوری ۲۰۰۷ء، مدیر، سیّد سرفراز حسین کاظمی، کاشر ایڈورٹائرز میر پور، آزاد کشمیر، ص ۱۰

۱۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب، لاہور، جلد اوّل، ۱۹۸۷ء، ص ۵۸۹

۱۹۔ اکرم طاہر، محمد، پروفیسر، ڈین ریٹائرڈ آزاد جموں و کشمیر یونی ورسٹی سے راقم کا انٹرویو، بمقام نانگی میر پور، مورخہ ۱۶ مئی ۲۰۱۶ء

۲۰۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ریگ زار، رُمیل ھاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۵ء، ص ۱۷

۲۱۔ عابد، عابد علی، سید، اسلوب، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۵۰

۲۲۔ موہانی، حسرت، فضل الحسن، سید، نکاتِ سُخن، الفیصل ناشرانِ وتاجران کُتب، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۲۷۴

۲۳۔ عابد، عابد علی، سید، البیان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۵۸

۲۴۔ ایضاً، ص ۹۱، ۹۲

باب سوم

محمد رفیق بھٹی اپنی نثری تحریروں کے آئینے میں

محمد رفیق بھٹی کا نثری سرمایہ سفرناموں، مضامین، خطوط اور ڈائریوں پر مشتمل ہے۔ ان کے مضامین ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں چھپتے رہے۔ ان میں نویدِ سحر، میزان، نردبان، سروش، جنبشِ قلم، میرپور نمبر، اپنا دیس، مستقبل، عکسِ کشمیر اور بھروسہ خاص طور قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے خطوط بھی کافی تعداد میں لکھے ہیں۔ ان کے مختلف کتابوں پر لکھے گئے دیباچے اور تبصرے بھی خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کے انٹرویوز اور خیالات ملکی و غیر ملکی اخبارات و جرائد کے مختلف اخبارات میں بھی چھپے ہیں۔

ا۔ محمد رفیق بھٹی کے مطبوعہ سفرناموں کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ:

سفرنامہ بظاہر ایک سفری روزنامچہ سمجھا جاتا ہے۔ جس میں مسافر اپنے سفر کے مشاہدات و تجربات کو زمانی و مکانی ترتیب دیتا ہے۔ لیکن اگر مسافر اپنی نظر کے ساتھ اپنی بصیرت اور اپنے دماغ کے ساتھ اپنے دل سے کام لے کر اپنی سفری وارداتوں کو حروف و الفاظ کا جامہ پہنائے تو یہ علمی و ادبی شاہکار ہونے کے علاوہ ایک فکر انگیز تخلیق بن جاتا ہے۔

محمد رفیق بھٹی نے ہجرت کے بعد خالق آباد، میرپور میں قیام کے دوران کل چار سفرنامے لکھے۔ یہ سفر نامے انھوں نے ۱۹۹۴ء سے ۲۰۱۶ء کے دوران لکھے۔ ان سفرناموں میں ایرانِ صغیر سے ایرانِ کبیر تک، دوستی کا سفر، حرمین کے مسافر اور آسمانی شہر کا زمینی سفر ہانگ کانگ شامل ہیں۔

پہلا سفرنامہ ایرانِ صغیر سے ایران کبیر تک ۱۹۹۴ء میں قلمبند کیا گیا لیکن ۲۰۰۵ء میں پنجال پبلشرز میرپور سے شائع ہوا۔ یہ سفرنامہ ایک سو اڑتالیس (۱۴۸) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس سفرنامے کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے حصے میں میرپور سے کوئٹہ تک کے سفر کی روداد بیان کی گئی ہے۔ یہ حصہ پچیس (۲۵) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ سفرنامہ کالج اساتذہ کے مطالعاتی و تفریحی دورہ کی روداد ہے۔ اس حصہ میں گورنمنٹ ڈگری کالج میرپور سے شروع ہو کر پاکستان کے مختلف شہروں مثلاً سوہاوہ،

چکوال، میانوالی، ڈیرہ اسماعیل خان، بھکر، صادق آباد، راجن پور، رحیم یار خان، کشمور، شکار پور، کندھ کوٹ، جیکب آباد، سبی، بولان اور کوئٹہ کے سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات، تجربات اور مشاہدات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس میں لوگوں کی تہذیب و ثقافت اور ان کی معاشی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کے پہلوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ وہ اپنے وطن کشمیر جسے ایران صغیر کہا جاتا ہے سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ مصنف نے اپنے داخلی و خارجی جذبات و احساسات کو بھی بیان کیا ہے۔

دوسرا حصہ اسّی (۸۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ زاہدان سے تہران تا چالوس تک کے سفر کی روداد پر مشتمل ہے۔ اس میں ایران کبیر کے مختلف شہروں مثلاً زاہدان، مشہد، نیشاپور، تہران، قم، سعد آباد، چالوس اور گردونواح میں متعدد قابلِ دید تاریخی، ثقافتی و تفریحی مقامات کا تفصیلی بیان ہے۔ اس حصہ میں نامور شخصیات امام علی رضاؑ، حضرت فاطمہؑ، رضا شاہ پہلوی، امام خمینیؒ، رستم و سہراب، اور عمر خیام کے مزارات کا تفصیلی بیان موجود ہے۔ ان کی زندگی کے روشن پہلوؤں کو مشعل راہ قرار دیا گیا ہے۔ انقلابِ ایران کا مفصل بیان ہے۔ کشمیر کی آزادی کے حوالے سے کئی سوالات بھی کیے گئے ہیں۔ اس میں طنز و مزاح کا پہلو بھی موجود ہے۔ ایران کے اعلیٰ افسروں سے ملاقات کا بیان بھی ہے۔ جس میں ایرانی افسروں کے دلوں میں پاکستان اور کشمیر کے بارے میں بڑے مثبت پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس ملاقات میں علمی و فکری اشتراک اور فکر و نظر کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔

سفرنامے کا تیسرا حصہ اٹھائیس (۲۸) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس حصہ میں انقلابِ ایران، تاریخی پس منظر، اس کے اثرات، ثقافتی، انتظامی، سیاسی، معاشرتی، اور روحانی تبدیلیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ سفرنامہ جہاں مصنف کی حبُ الوطنی کا آئینہ ہے وہاں سیاسی جبر، معاشی لوٹ کھسوٹ اور سماجی ناانصافیوں کے خلاف آواز بھی بلند کرتا ہے۔

اس سفرنامے کا نام الفاظ کے لحاظ سے بھاری اور مفہوم کے لحاظ سے مشکل ہے۔ اس لیے اگر اس کے سرورق پر اس کا نام ''آؤ ایران چلیں'' ہوتا تو یہ عام قاری کے لیے بھی آسان اور عام فہم ہوتا۔ عرضِ مصنف ہمیشہ کتاب کے شروع میں لکھتے ہیں جس میں کسی خاص بات یا نکتے کی مصنف پہلے ہی وضاحت کر دیتا ہے تاکہ قاری کسی الجھن میں نہ پڑ جائے۔ اسے کتاب کے آخری صفحہ میں درج کرنا بے سود اور مبنی بر انصاف نہیں

ہے۔سفر نامے کا تیسرا حصہ جس میں انقلابِ ایران ، تاریخی پس منظر اور انقلابِ ایران کے اثرات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔یہ حصہ بے جا طویل اور غیر دلچسپ ہے۔جسے پڑھنے کے دوران قاری اکتاہٹ محسوس کرتا ہے۔تاریخ کے ایک باب کوسفرنامے میں بیان کرنا قرین قیاس نہیں ہے۔اگر یہ حصہ حذف کر دیا جاتا تو بھی سفرنامہ مکمل ہوتا اور دلچسپ بھی۔حضرت آدم علیہ السلام کے اسم مبارک کوصرف آدمؑ لکھنا ادبی اعتبار سے مناسب نہیں ہے۔

محمد رفیق بھٹی کا دوسرا سفرنامہ دوستی کا سفر جون۲۰۰۳ء میں پنجال پبلشرز خالق آباد، میر پور سے شائع ہوا۔یہ سفرنامہ دوسو بانوے(۲۹۲) صفحات پر مشتمل ہے۔وہ جب اولڈھم کالج برطانیہ کی طرف سے خیر سگالی، دوستانہ مطالعاتی دورہ کی دعوت پر انگلینڈ گئے تو انھیں متعدد تعلیمی اداروں ،تربیتی مراکز ،کمیونیٹی سنٹرز، مشاعروں، کانفرنسوں اور دیگر تقریبات میں شرکت کا بھرپور موقع ملا۔اس سفر کے دوران انھوں نے انگلینڈ کے مختلف شہروں جن میں مانچسٹر،اولڈھم،راشڈیل، ہڈرشفیلڈ، باکسٹن، ڈیوز بری،آشٹن،بری، ہیلی فیکس، بریڈفورڈ،لیڈز، ڈربی، برمنگھم، نانٹگھم،شیفیلڈ،رادرم، بلیک پول،بلیک برن،لیوٹن،گلاسگو، سلو، ونڈسر، ڈربی اورلندن شامل ہیں کا تفصیلی ،تفریحی و مطالعاتی دورہ کیا۔اپنے طویل مشاہدات، واقعات اور تجربات کی روشنی میں انھوں نے دومختلف تہذیبوں کی معاشرت، سیاست،معیشت، نصابِ تعلیم، انتظامِ تعلیم،امتحانات کے نظام اور تعلیمی ماحول کے تقابلی و تجزیاتی موازنے کواس سفرنامے میں پیش کیا گیا ہے۔

محمد رفیق بھٹی نے انگریز قوم کے کردار کو مثالی قرار دیا ہے۔انگریز قوم خوش گفتار،خوش مزاج اور ملنسار قوم ہے۔ایک اچھی اور نظم و ضبط کی پابند محنتی قوم ہے۔یہ لوگ اپنے ملک اور قوم کے مفادات کو اپنے ذاتی مفادات پر مقدم رکھتے ہیں۔یہ ہر وہ کام کرتے ہیں جس کی ان کا قانون اجازت دیتا ہے۔اور ہر اس کام سے بچتے ہیں جو ملکی قانون کے خلاف ہو۔جبکہ ہماری قوم اس کے بالکل برعکس چلتی ہے۔یہ لوگ بڑے بُردبار اور متحمل مزاج ہیں۔گفتگو کے دوران نرم، ہنس مکھ اور خوش طبع رہتے ہیں۔جذباتی نہیں ہوتے۔دل کی بجائے دماغ سے کام لیتے ہیں۔تنقید سننے اور برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔تعلیمی شعبہ برطانیہ کا سب سے قابلِ رشک شعبہ ہے۔سولہ برس تک کی تعلیم لازمی اور مفت ہے۔ یہاں بچوں کو سکول نہ بھیجنا قانوناً جرم ہے۔انھوں نے تعلیم کے بنیادی مقصد یعنی خود اعتمادی ،خود شناسی اور کردار سازی کو بنیادی اہمیت دی ہے۔اس دورہ کے دوران وہ انگریز کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ مادی وسائل اور ٹیکنالوجی میں پسماندہ ہونے کے باوجود ہم آج

بھی توانا ہیں۔ترقی یافتہ ملکوں اور معاشروں کو غریب اور پسماندہ ملکوں کی تعلیمی ترقی میں مدد دینی چاہیے تا کہ دنیا سے جہالت ، افلاس اور بیماری کا سدِ باب ہو سکے۔محبت، دوستی ،تعاون اور اشتراک کو انھوں نے لازمی قرار دیا ہے۔انھوں نے برطانیہ میں قیام پذیر مختلف شخصیات سے ملاقات اور سفر کے احوال کو تفصیلی بیان کیا ہے۔انھوں نے انگلینڈ کے معاشرتی ،سماجی، معاشی ،سیاسی اور اخلاقی نظام کے تفصیلی جائزے کے ساتھ تنقیدی نقطہ نظر سے وہاں کے بندۂ مزدور کے اوقات کو بہت تلخ قرار دیا ہے۔اس سفرنامے میں بھی کشمیر کی آزادی کا جذبہ اور تحریک آزادی کشمیر کو اُجاگر کیا گیا ہے۔انھوں نے برطانیہ میں اِنتہا پسندانہ قومیت پرستی کو غیر جمہوری رجحان کی شروعات قرار دیا ہے۔

محمد رفیق بھٹی مغربی تہذیب سے مرعوب ہیں۔انھیں وہاں کی ہر چیز خوبصورت اور بھلی لگتی ہے۔انھیں انگریز قوم اور اس کی تہذیب وثقافت میں خوبیاں ہی خوبیاں جبکہ اپنی قوم اور تہذیب میں صرف خامیاں ہی نظر آتی ہیں۔ان کا یہ کہنا کہ خوبصورت لوگ، خوبصورت کام اور خوبصورت باتیں کرتے ہیں بھی درست نہیں ہے۔اپنے ملک کے نظام تعلیم کو جس کا وہ خود تقریباً پینتیس سال حصہ رہے ہیں۔اسے آخر میں یہ کہہ کر رد کر دینا کہ پاکستان جیسے ملکوں میں کوئی نظام تعلیم ہے ہی نہیں درست نہیں ہے۔انھوں نے برطانیہ کے خاندانی نظام کی تباہی و بربادی کا ذکر نہیں کیا ہے۔وہ صرف انگلینڈ کے بچوں کو خوش اخلاق ، فرمانبردار اور ہونہار قرار دیتے ہیں۔جو درست نہیں ہے۔سفرنامہ ''دوستی کا سفر''صفحہ بہتّر (۷۲) بابائے اُردو مولوی عبدالحق کے نام کو مولوی فضل الحق لکھنا ایک بڑی غلطی ہے۔[۱]اس کے علاوہ اس سفرنامے میں کمپوزنگ کی بھی بہت سی بنیادی غلطیاں ہیں۔جن کو درست کرنے کی ضرورت ہے۔

ان کا تیسرا سفرنامہ حرمین کے مسافر ۲۰۱۰ء میں پنجال پبلشرز میر پور آزاد کشمیر سے شائع ہوا ہے۔یہ سفرنامہ ایک سو بتیس (۱۳۲) صفحات پر مشتمل ہے۔اسے بھی تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔یہ دراصل ان کی دلی خواہش یعنی عمرہ کی ادائیگی، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں گزارے گئے ایام کی روداد ہے۔عمرہ کو چھوٹا حج بھی کہا جاتا ہے۔قرآن وحدیث میں عمرہ کی ادائیگی کی اہمیت وفضیلت واضح بیان کی گئی ہے۔اس سفرنامے کا پہلا حصہ ذاتی مشاہدات اور تاثرات پر مبنی ہے۔ان کا پختہ یقین ہے کہ قدرت کا اپنا الگ نظام الاوقات ہوتا

ہے۔ بالآخر ہوتا وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت انسانی فکر سے اعلیٰ، ارفع اور مفید ہوتی ہے۔ احرام کو دنیا کا بہترین لباس کہا گیا ہے۔ جس میں سادگی، متانت اور وقار کے علاوہ سکون و ثبات بھی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ انھوں نے خانہ کعبہ یا اللہ کے گھر کو نافِ زمین، مطافِ ملائکہ و جنات، دارالکرامت، مشابہ عرشِ اعظم، مرکزِ کائنات، معبداوّل، مقامِ رحمت، دارالعظمت اور دارالحج بھی کہا ہے۔ انھوں نے عمرہ کے لیے ایثار کو بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ اس میں انھوں نے بیت اللہ کی تعمیر، طواف، سعی صفا و مروہ، حلق و تقصیر اور مسجد الحرام کی توسیع کا ذکر بھی کیا ہے۔ انھوں نے روضہ رسول ﷺ پر حاضری کو اپنی زندگی کے یادگار اور باوقار لمحات قرار دیا ہے۔ اس حصہ میں مختلف مساجد مثلاً مسجد قبا، مسجد جمعہ، مسجد قبلتین، مسجد جن اور مسجد شجر کی وجہ تسمیہ اور اہمیت و فضیلت کو بھی بیان کیا ہے۔ اس میں مختلف احادیث نبوی ﷺ کا بھی بیان ہے۔ عمرہ کی ادائیگی کے دوران مختلف تاریخی مقامات مثلاً میدان احد، جبلِ ثور، جبلِ رحمت، میدان عرفات، مزدلفہ، منیٰ جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں مدفون خاندان قریش کی قبور کا بھی ذکر ہے۔ اس میں اپنے من کی دنیا اور کشمیر کی آزادی کی دعا بھی شامل ہے۔ آخر میں اہم مقامات، اشیا کی خریداری کا بیان ہے۔ یہ حصہ ان کی داخلی کیفیات کا ترجمان ہے۔

سفرنامے کے دوسرے حصے میں عمرہ کرنے کے آداب و قواعد کا مختصر ذکر ہے۔ دوسرا حصہ عمرے کے خواہشمند زائرین کی رہنمائی کا خلاصہ ہے۔ جس میں نیت، احرام باندھنا، تلبیہ کا ورد، حرم شریف میں داخل ہونا، طواف کعبۃ اللہ، مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز نفل، ملتزم کے پاس آنا، آبِ زم زم کا پینا، صفا و مروہ کی سعی، اور آخر میں حلق یا تقصیر کرنے کا بیان ہے۔ تیسرے حصے میں سعودی عرب کے بارے میں کچھ حقائق ہیں۔ یہ حصہ حجازِ مقدس کے بارے میں عمومی آگاہی کا آئینہ دار ہے۔ اس حصہ کو مملکت سعودیہ کوائف و حقائق کا نام دیا گیا ہے۔ جس میں رقبہ و آبادی، آب و ہوا، مملکت کا قیام، نظام حکومت، شرعی نظام، دنیائے اسلام میں مقام، بڑے شہر، تعمیر و ترقی، دفاعی و حفاظتی نظام، حمل و نقل، رسل و رسائل، لوگوں کے معیار زندگی، معاشرتی و ثقافتی زندگی، شہریت کے حقوق، خواتین کے حقوق، فکری تبدیلی، نظام حکومت میں تبدیلی، غیر وطنی محنت کاروں کے مسائل، مقدس شہروں میں غیر مسلموں کے داخلے، مکہ ٹاور اور آخر میں اللہ کے گھر میں محمود و ایاز کی تفریق و امتیاز کا مختصر احوال بیان کیا گیا ہے۔

سعودی عرب کے فرمانروا یا بادشاہ کو خادمِ حرمین شریفین کہا جاتا ہے۔اسی طرح مکہ اور مدینہ کا لفظ بھی اکیلا کم ہی استعمال ہوتا ہے بلکہ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ لکھا جاتا ہے۔محمد رفیق بھٹی نے سفرنامے کے متن میں بھی حرمین شریفین لکھا ہے۔اگر ٹائٹل پیج پر بھی حرمین شریفین کے مسافر ہوتا تو اس سے ادبی پہلو بھی پیدا ہو جاتا اور چاشنی بھی۔ یہ سفرنامہ منفرد انداز تحریر میں فعل حال میں لکھا گیا ہے۔اگر عمرہ کے لیے رہنمائی اور مملکت سعودیہ کے کوائف وحقائق کو بیان نہ بھی کیا جاتا تو بھی سفرنامہ مکمل تھا۔یاد رہے کے سفرنامے کا موضوع انسان اور انسانی زندگی ہے۔تاریخی یا جغرافیائی حالات وکوائف نہیں۔

محمد رفیق بھٹی کا چوتھا سفرنامہ آسمانی شہر کا زمینی سفر ہانگ کانگ ہے۔یہ سفر نامہ ایک سونو(۱۰۹)صفات پر مشتمل ہے۔اس کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔پہلا حصہ تہتّر (۷۳)صفات پر مشتمل ہے۔اس میں سری لنکا کے دارالحکومت کولمبو اور اس کے مختلف مقامات جن میں بدھ ٹمپل، مندر، چرچ، مساجد اور ساحل سمندر کے گرد مشہور پارکوں کی سیر کا ذکر ہے۔اس ملک میں ناریل کے لمبے اور اونچے درختوں پر لگے پھل اس کی خوب صورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔سری لنکن ائیر سروس کا قومی نشان مور ہے۔سری لنکا میں زیادہ تر مکانات کچے جھونپڑوں کی صورت میں ہیں۔زیادہ بارش کی وجہ سے کیچڑ گارا اور تالابی پانی کے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔سڑکوں پر سائیکل رکشے چنگ چی اور پرانی وضع کی ٹیکسیوں کا راج ہے۔

اس کے بعد ہانگ کانگ کے مختلف تاریخی وتفریحی شہروں خاص طور چم شاشوئی، سٹار فیری، ونچائی، کولون پارک، اوش پارک، ری پلس بے، سٹینلے، یولانگ پارک، وکٹوریہ ہاربر، نیو ٹیری ٹری، کلاک ٹاور بگ ویل سپیس میوزیم، کلچر سنٹر، اولمپک ٹارچ، شنگ من ریور اور شاطین کی سیر کا تفصیلی ذکر ہے۔وان چائی ہانگ کانگ کا سب سے زیادہ معروف، مشہور اور گنجان آباد کاروباری علاقہ ہے۔مقامی زبان میں وان چائی کا مطلب ہے ''شرارتی بچہ''۔اس ملک کی سب سے بڑی مسجد بھی اسی علاقہ میں ہے۔گھریلو خدمات پر مامور مختلف ملکوں کی خواتین اس ملک کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کرتی ہیں۔ہانگ کانگ اور انگلینڈ کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے انگلینڈ کو بوڑھا اور ہانگ کانگ کو جوان قرار دے کر منظوم خراجِ تحسین بھی پیش کیا گیا ہے۔

ہانگ کانگ ورثہ کے عجائب گھر میں نامور فن کار بروس لی کے چھ سو انمول آثار کے نمونے موجود ہیں۔ چُنے مُنھے چینی بچے بہت پیارے اور من موہنے لگتے ہیں۔پھر مختلف تقاریب، مشاعروں اور کانفرنسوں کی روداد کا

مفصل بیان ہے۔ساگر لائبریری (جس میں چھ ہزار کتب موجود ہیں)اسلامک سنٹر کا معائنہ،اسلامک قاسم ٹیوٹ میموریل کالج اور محفلِ مسالمہ کا بھی بیان ہے۔تنازعۂ کشمیر کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔محفلِ مشاعرہ میں مختلف شعرا مثلاً ظفر رضوی ،منظر عباس ،عابد علی بیگ کے ذکر کے ساتھ اپنے محترم دوست گلزار حسین ساگر کشمیری کی محبت اور مہمان نوازی کو بھی سراہا ہے۔وہ اپنا تعارف یوں کرواتے ہیں:

رانجھوں کی طرح ہیں کہیں ہیروں کی طرح ہیں
ہم لوگ مسافر ہیں فقیروں کی طرح ہیں

اس سفر نامے کا دوسرا حصّہ چھتیس (۳۶)صفات پر مشتمل ہے۔اس میں ہانگ کانگ کی تاریخی ،سیاسی، ثقافتی ،جغرافیائی اور معاشی پہلو کے ساتھ آبادی،مذہب،تعلیم اور اقتدار کی منتقلی کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔اس ملک میں مختلف تہوار بھی بڑے شوق سے منائے جاتے ہیں۔اسے فلک بوس عمارتوں کا جنگل بھی کہا جاتا ہے۔دنیا میں موجود سو بڑی عمارتوں میں سے چھتیس عمارتیں ہانگ کانگ میں ہیں۔یہ دنیا کا سب سے بڑا عمودی عمارتوں والا شہر ہے۔یہ دنیا کا آٹھواں مہنگا ترین شہر بھی ہے۔اسے سیاحوں کی جنت کہا جاتا ہے۔دنیا میں سو بڑے بنکوں میں سے اڑسٹھ (۶۸) بنک ہانگ کانگ میں ہیں۔انٹرنیشنل کمرشل سنٹر بلند ترین عمارت ہے جو ۱۵۸۸ فٹ بلند ہے۔اس ملک پر برطانیہ، جاپان اور چین نے حکومت کی ہے۔اب یہاں ایک ملک دو نظام کے تحت کامن لا کی حکمرانی ہے۔سیاسی اقتدار اعلیٰ تو چین کے پاس ہے لیکن کاروباری اور سفارتی تعلقات میں آزاد ہے۔حکومت کے چار بڑے ستون لیجسلیٹو کونسل، ایگزیکٹو کونسل، سول سروس اور آزاد عدلیہ ہیں۔اس ملک میں نو بڑی یونی ورسٹیاں ہیں۔پچاس انٹرنیشنل سکولز ہیں۔یہاں پاکستانیوں نے اپنی شناخت کے لیے مختلف ادارے بھی قائم کر رکھے ہیں۔

محمد رفیق بھٹی نے اس سفر نامے میں گلزار حسین ساگر کاشمیری کو ہیرو بنا کر پیش کیا ہے۔سفر نامے کا اِنتساب ان کے نام کرنے کے بعد بار بار ان کا ذکر گراں گزرتا ہے۔مختلف تقریبات اور مشاعروں میں اپنے کلام کو تو نمایاں جگہ دی گئی ہے لیکن دوسرے شعرا کے کلام کو پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔اس کمزوری کا مصنف نے خود بھی اعتراف کیا ہے۔علامہ اقبال کے اشعار کو جا بجا درج کر کے سفر نامے کو بوجھل بنا دیا ہے۔آخر میں ہانگ کانگ کے جن قابلِ دید تاریخی مقامات کا ذکر ہے اُن کی تفصیل کہیں درج نہیں کی ہے۔سفر نامے کو اُردو

میں لکھنے کے بعد انگلش میں ترجمہ کرنا اور خاص طور شاعری کو دوسری زبان میں ترجمہ کرنا مشکل فن ہے۔ جو سوز و گداز، چاشنی اور جمالیاتی حسن اُردو میں ہے وہ انگلش میں برقرار نہیں رکھ سکے۔ مجموعی طور یہ سفر نامہ قارئین کے لیے دلچسپ، خیال انگیز اور بصیرت افروز ہے۔

سفر نامہ کیا ہے؟:

اجنبی شہروں اور غیر ممالک کے جغرافیائی اور سماجی حالات سے انسان نے ہمیشہ دلچسپی لی ہے۔ ایک سیّاح جب اپنے جغرافیائی اور سماجی گردو پیش سے نکل کر کسی دوسرے مقام پر پہنچتا ہے تو اسے وہ تمام چیزیں جو اس کے اپنے مولد و منشا کے مانوس ماحول سے اختلافِ ماحول اور اختلافِ معاشرت کے باعث دلچسپ و استعجاب انگیز نظر آتی ہیں اور وہ باتیں جو مشترک ہوتی ہیں وہ اپنے اشتراک کے باعث دلچسپ معلوم ہوتی ہیں۔ وہ انھیں دوسروں (بالخصوص اپنے ہموطنوں) کے لیے قلمبند کر لیتا ہے۔ ایسی تحریر کو ہم ادبی اصطلاح میں سفر نامہ کہتے ہیں۔

سفر نامے میں روزنامچے، خطوط، داستان، افسانے اور رپورتاژ میں سے ہر ایک کا تھوڑا تھوڑا ذائقہ موجود ہوتا ہے۔ غالباً اس وجہ سے بھی اس کی تکنیکی تعریف کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال سفر نامہ بنیادی طور سفر سے متعلق کسی ادیب یا تخلیق کار کے تجربات و مشاہدات کا تفصیلی بیان ہے۔ چوں کہ یہ ایک ادبی صنف ہے اس لیے کسی مسافر کے عام بیان کے برعکس سفر نامے کی پیشکش ادبی نوعیت کی ہوگی۔ ڈاکٹر انور سدید سفر نامہ کے فن پر طویل بحث کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ: ''فنی طور سفر نامہ وہ بیانیہ ہے جو ایک سیاح دوران سفر یا اختتام سفر پر اپنے مشاہدات، کیفیات اور اکثر اوقات قلبی واردات سے مرتب کرتا ہے''۔ [۲]

سفر ناموں کے موضوعات

ایرانِ صغیر سے ایرانِ کبیر تک:

محمد رفیق بھٹی کا یہ سفر نامہ حُب الوطنی کا آئینہ ہے۔ جس میں ایران صغیر یعنی کشمیر کے مختلف شہروں اور پاکستان کے بڑے شہروں کے معاشی، معاشرتی اور تہذیبی احوال کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ایران کے بڑے شہروں کی تہذیب و ثقافت، رہن سہن، ٹریفک کے نظام، لوگوں کے رویے اور موسموں کا مفصل بیان

ہے۔اس میں ایران کے تاریخی مقامات اور ملک کی نامور شخصیات کی قبور اور ان کی زندگی کے احوال کو بیان کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرامؓ اور صحابیاتؓ کے مزارات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ایران کی مشہور اشیا مثلاً قالین،شہد، جانمازیں،کمبل، زعفران، تسبیحیں اور قیمتی پتھروں کا ذکر ہے۔کشمیریوں اور ایرانیوں کی مشترک قدروں کا بھی بیان ہے۔ ایران کے مختلف پھلوں مثلاً آڑو، گرما، تربوز، آلو بخارا ،انگور، سیب، ناشپاتی، خوبانی، چیری، اور کیلا جو وافر اور سستا ملتا ہے کا ذکر بھی ہے۔ایران وہ پہلا ملک ہے جس نے سب سے پہلے پاکستان کو تسلیم کیا تھا۔ یہ رقبے کے لحاظ سے پاکستان سے دوگنا بڑا ملک ہے۔ اس میں کشمیر کی آزادی، انقلابِ ایران اور اس کے اثرات کا بھی احوال موجود ہے۔محمد رفیق بھٹی لکھتے ہیں:

> ایران میں ہر چھوٹے بڑے ہوٹل میں قالین استعمال ہوتے ہیں۔ یہ ایرانی کلچر کا حصہ ہیں۔ اسی طرح قہوہ پینے کا رواج بھی عام ہے۔چاول گوشت تو ایرانیوں کی خوراک کا بڑا جزو ہے جو'چلو گوشت' کے نام سے موسوم ہے۔اگر اس حوالے سے کشمیری کلچر کا موازنہ کیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ وادی کشمیر اور ایران کا کلچر سو فیصد مماثلت رکھتا ہے۔شاید اسی لیے کشمیر کو ایرانِ صغیر کہتے ہیں۔[۳]

دوستی کا سفر:

محمد رفیق بھٹی کو اولڈھم کالج برطانیہ کی طرف سے خیر سگالی، دوستانہ مطالعاتی دورہ کی دعوت دی گئی۔ان کا یہ سفر نامہ اسی دوستی کے سفر کی روداد پر مبنی ہے۔ انھوں نے مختلف سکولوں ،کالجوں اور کمیونیٹی سنٹرز کا دورہ کیا۔انھوں نے دو مختلف تہذیبوں کی معاشرت، سیاست،معیشت، نصابِ تعلیم، انتظامِ تعلیم،تعلیمی ماحول اور امتحانات کا تقابلی و تجزیاتی موازنہ کیا۔انگریز قوم کی معاشرتی، سیاسی، سماجی، معاشی اور اخلاقی زندگی کے پہلوؤں کو بیان کیا ہے۔ وہ تمام بنی نوح انسان کو ایک ہی انسانیت کا نام دیتے ہیں۔انسان دوستی ان کا نعرہ ہے۔انھوں نے عالمگیر اخوت اور دوستی کا پیغام دیا ہے۔انھوں نے برطانیہ کے مختلف تاریخی اور ثقافتی مقامات کی سیر کی ۔ لوگوں کے رویّے اور موسم کی صورت حال کو بھی بیان کیا ہے۔ برطانیہ میں کام کے دوران ساری راجگی، خواجگی اور سرداری نکل جاتی ہے۔لوگوں کو مشین کی طرح کام کرنا پڑتا ہے۔ برطانیہ میں سب سے قیمتی چیز وقت ہے۔لوگ منٹوں کا نہیں بلکہ سیکنڈوں کا شمار کرتے ہیں۔اس ملک کے لوگ ہر وہ کام کرتے ہیں جس کی ملکی

قانون اجازت دیتا ہے۔وہ ہر اس کام سے اجتناب کرتے ہیں جو ملکی قانون کے خلاف ہو۔ہمارے ملک کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔انھوں نے اس ملک کے لباس اور پرندوں تک کا بھی ذکر کیا ہے۔انھوں نے برطانیہ میں مسلمانوں کی حالت اور مسجدوں وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔وہ بنی نوح انسان کے درمیان محبت ،اخوت ، رواداری اور اشتراک و تعاون کو ضروری قرار دیتے ہیں تا کہ دنیا سے جہالت،غربت اور بیماری کا خاتمہ ہو۔ انگریز خوش گفتار، خوش مزاج اور ملنسار قوم ہے۔گفتگو کے دوران نرم ، ہنس مکھ اور خوش طبع رہتے ہیں۔ دل کی بجائے دماغ سے کام لیتے ہیں۔لوگوں کو اپنی رائے کے اظہار ،سیاسی آزادی اور بنیادی انسانی حقوق حاصل ہیں۔وہ رہائش کی بجائے روزمرہ خوراک پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔حکومت عوام کو رہائش کی سہولت بھی مہیا کرتی ہے۔اسی لیے اسے فلاحی ریاست کہا جاتا ہے۔

پسماندہ اور کم ترقی یافتہ ملکوں میں استاد کلاس روم میں ایک جج کے طور اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے اور طالبعلم کو اپنی رائے کے تابع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ برطانیہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں طالبعلم کو اپنے ذہن کے مطابق اپنی رائے کے اظہار کا موقع دیا جاتا ہے۔اسی وجہ سے تعلیمی شعبہ برطانیہ کا سب سے زیادہ قابلِ رشک شعبہ ہے۔اس ملک میں تعلیم و تربیت کو باقی تمام شعبوں پر فوقیت حاصل ہے۔محمد رفیق بھٹی ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> مجھے اولڈھم کالج میں اساتذہ کی تعلیم و تربیت پر مامور ایک خاتون ٹیچر میوس ہارڈنگ کی کلاس کے معائنے کا موقع ملا۔چنانچہ میں اس کلاس میں تدریس کا جائزہ لینے کے لیے طلبہ کے ساتھ بیٹھ گیا۔متذکرہ خاتون ٹیچر نے تدریس کے چار اصول بیان کیے۔اور بعد ازاں اپنے لیکچر کا طبع شدہ تحریری مواد طالبعلموں میں تقسیم کر کے اسے پڑھنے اور اس پر اپنی رائے دینے کو کہا۔اس دوران میں نے لیڈی ٹیچر سے استفسار کیا کہ ان کے نزدیک ان چار اصولوں میں سے کون سا اصول نسبتاً زیادہ مفید اور موثر ہے تو انھوں نے جواب دیا کہ میرا کام اصول بیان کرنا ہے فیصلہ سنانا نہیں۔اگر میں کسی ایک اصول کو موزوں قرار دے دوں گی تو طلبہ باقی اصولوں پر غور و فکر کرنا چھوڑ دیں گے۔جس کے باعث ان کی ذہنی نشو و نما رُک جائے

گی۔لہٰذا یہ طلبہ کا کام ہے کہ وہ انفرادی حیثیت میں خود فیصلہ کریں کہ انھیں کونسا اصول اچھا لگا۔اور اس طرح وہ اس کے حق میں اپنی دلیل دیں۔ایسا کرنے سے جہاں طالبعلموں کی شخصیت میں اعتماد پیدا ہو گا وہاں ان کے سوچنے، سمجھنے کی صلاحیتیں بھی پروان چڑھیں گی اور وہ اپنے ذہن کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بھی بروئے کار لائیں گے۔مجھے میوس ہارڈنگ کا یہ استدلال بے حد معقول لگا۔[۴]

حرمین کے مسافر:

محمد رفیق بھٹی کا یہ سفر نامہ عمرہ کی ادائیگی کے لیے بیت اللہ کی طرف سفر کے دوران پیش آنے والے ذاتی مشاہدات اور تجربات پر مبنی ہے۔کسی مسلمان کے لیے مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کتنی پُر مسرت اور کیف پرور ہوتی ہے اس کا اندازہ حرمین کے مسافر کے مندرجات پڑھنے سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے اس میں قرآن مجید کی آیات اور مختلف احادیث نبوی ﷺ کا بیان بھی ہے۔اس سفر نامہ میں مملکتِ سعودیہ کے معاشی ،معاشرتی ، سیاسی اور تہذیبی نظام کو پیش کیا گیا ہے۔نبی کریم ﷺ کی سیرت کی روشنی میں مختلف مساجد، اہم تاریخی اور ثقافتی مقامات اور مزارات کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔اس سفرنامے کے مطالعے سے عامۃ المسلمین کے دل میں حج وعمرہ کا شوق پیدا ہوتا ہے۔عمرہ کی عبادات و مناسک کو بآسانی سمجھنے اور ادا کرنے میں مدد ملتی ہے۔اس سے حجاز مقدس کے بارے میں بھی کچھ بنیادی حقائق کا علم حاصل ہوتا ہے۔محمد رفیق بھٹی روضہء رسول پر حاضری کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> آج مجھے اپنی زندگی کے ان یادگار اور باوقار لمحات سے واسطہ ہے جب میں سرور کونین، صاحب لولاک، رحمۃ اللعلمین کا روضہ اقدس سنہری جالیوں کے پیچھے سے دیکھنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں ۔۔۔۔۔سنہری اور ہری جالیوں کے اندر مواجہہ شریف کی طرف تین مقدس مزارات ہیں۔اس حصہ کو مقصورہ شریف بھی کہا جاتا ہے۔مزارِ پاک رسولِ رحمتؐ، مزارِ پاک حضرت صدیق اکبرؓ،اور مزارِ پاک حضرت عمرؓ۔روایت ہے کہ اس جگہ ایک قبر کی جگہ ابھی باقی ہے جو حضرت عیسیٰ کے لیے ہے۔[۵]

آسمانی شہر کا زمینی سفر ہانگ کانگ:

یہ سفر نامہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں فکر ونظر کے عنوان سے یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی سفر نامہ کرۂ ارض پر مختلف انسانی نسلوں کے مابین فکری و عملی قرابت یا اشتراک پیدا نہیں کرتا تو سمجھو وہ ایک بے جان تحریر ہے۔ دوسرا باب مطالعاتی و سیاحتی سرگرمیاں کے عنوان سے ہے۔ اس میں مختلف تاریخی مقامات، عمارات اور دفاتر کا ذکر ہے۔ شیخ محمد عبداللہ کی کتاب آتش چنار اور چوہدری غلام عباس کی کتاب کشمکش کا تنقیدی جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ شم شی پو کی مچھلی منڈی کی سیر کے دوران چینیوں کی اصول ورائی اور تازگی کو سراہا ہے۔ میاں محمد بخشؒ کی شاعری کے ساتھ محمد رفیق بھٹی نے اپنے پیغام میں کردار کی پختگی، اخوت، بُردباری، اور انسانوں سے محبت کا درس دیا ہے۔ سفر نامے کا تیسرا باب معلومات ہانگ کانگ کے عنوان سے ہے۔ اس میں مختلف تاریخی اور علمی معلومات کے ساتھ ہانگ کانگ کے رسوم و رواج، رہن سہن اور تہذیب وثقافت کو بیان کیا ہے۔ آخر میں مختلف قابلِ دید تاریخی، مذہبی، ثقافتی اور تاریخی مقامات کا بھی ذکر ہے۔ محمد رفیق بھٹی ہانگ کانگ کے ازدواجی نظام کے متعلق رقمطراز ہیں:

> ہانگ کانگ میں شادی کے لیے لڑکی کی عمر ۱۶ سال اور لڑکے کی عمر ۱۸ سال مقرر ہے اس عمر میں لڑکے اور لڑکیاں اپنے والدین کی رضا مندی سے شادی کرنے کے پابند ہیں پسند کی شادی کا عام رواج ہے والدین بھی پسند کی شادی کی حمایت کرتے ہیں اگر لڑکی اور لڑکے کی عمر ۲۱ سال ہو جائے تو وہ ماں باپ کی رضا مندی کے بغیر بھی شادی کر سکتے ہیں۔۔۔ چینی لوگ شادی بیاہ میں اپنی مقامی علاقائی یا ثقافتی رسمیں ادا کرتے ہیں خوشی مناتے ہیں اور اس سماجی رسم کو بڑے شوق و احترام سے سرانجام دیتے ہیں یہاں زیادہ تر شادیاں پسند سے ہوتی ہیں۔[۶]

ادب میں عصری روح کی تحقیق:

کوئی شاعر قلمکار یا فنکار اپنے ماحول سے لاتعلق نہیں ہوتا۔ وہ اپنے معاشرتی اور سیاسی ماحول سے متاثر بھی ہوتا ہے اور اسے متاثر بھی کرتا ہے۔ سچے فن اور فنکار کی یہی پہچان ہوتی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم برصغیر اور اس کے نتیجے میں ہونے والے فسادات نے زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا۔ اُردو ادب پر بھی اس کے گہرے

اثرات مرتب ہوئے ہیں اس دور کے مصنفین نے تقسیم ملک اور فرقہ وارانہ فسادات کو موضوع بنایا۔بعض نے اس زمانے کے اخلاقی اور سماجی انحطاط کی عکاسی کی۔کئی قلمکاروں نے فسادات میں بھی لوگوں میں انسانیت کے عناصر تلاش کیے۔اور کئی ایک نے فساد، مذہبی جنون، وحشت اور بربریت کے مظاہروں کی شدید مذمت کی۔

سفرنامے دو مختلف طریقوں سے عصری معاشرت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ براہ راست اور بالواسطہ۔ یہ اپنے عہد کی تہذیب و معاشرت کے مرقعے ہوتے ہیں۔ ہر سفرنامہ اپنے عہد کے عقائد و اوہام، افکار و جذبات، سماجی و ثقافتی اقدار، تہذیب و تمدن، رسم و رواج، آداب و اطوار، مجلسی اور اجتماعی زندگی کا آئینہ دار ہے۔

محمد رفیق بھٹی کے سفرنامہ دوستی کا سفر میں میڈم تو ساؤ مرکز کے وزٹ کے دوران مختلف مجسموں سے ازمنہ وسطیٰ اور مابعد یورپ کے حکمرانوں کی اپنے مخالفین کو دی جانے والی سزاؤں کا پتا چلتا ہے کہ اِنسان اپنے اقتدار اور حکومت کے لیے اپنے مخالفین کے ساتھ کیا ظالمانہ اور سفاکانہ سلوک کرتا رہا ہے۔ بالخصوص یورپ جو آج کا مہذب اور انسانی عظمت کا علمبردار بنا ہوا ہے قبل ازیں کس قدر ظالمانہ، وحشیانہ مزاج اور اقدار کا حامل تھا۔حکمران، بادشاہ اور تاجدار اپنے دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے اس کا اندازہ لگانا ہو تو میڈم تو ساؤ کے اس مرکز کا وزٹ کرنا ضروری ہے۔ بلاشبہ میڈم تو ساؤ کا مرکز انسانی تہذیب کی سیاہ بختی، سیاہ کاری اور افزائش علم و فن کا حقیقی منظر پیش کرتا ہے۔

بھارت کے فساد زدہ صوبہ گجرات میں تشدد آمیز مذہبی فسادات، بھارت کی انتہا پسندی، مسلمانوں کے خاتمے اور ہندوؤں کا مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں انیسویں صدی کے شروع سے جو سلوک چلا آ رہا ہے اس کی نشاندہی ہوتی ہے۔رابرٹ ایسکرافٹ کو محنت کاروں کا دوست کہا جاتا ہے۔اس نے ساری زندگی صنعتی برطانیہ کے مزدوروں اور محنت کاروں کے مسائل حل کروانے اور انھیں زیادہ مراعات دلوانے کے لیے وقف کر دی تھی۔اس کے مجسمہ کے قریب بیٹھ کر تحلیلِ نفسی میں انھوں نے برطانیہ کے معاشی، سیاسی اور سماجی حالات کو بیان کیا ہے۔اس سے برطانیہ کا مزدوروں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک اور ناانصافی کا اندازہ ہوتا ہے۔محمد رفیق بھٹی کی کتاب محسنینِ کشمیر پر تبصرہ کرتے ہوئے پروفیسر نذیر انجم رقمطراز ہیں: ''رفیق بھٹی روشن خیال اور صاحب اسلوب قلمکار ہیں جو اپنی تحریروں میں اپنے عہد کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں''۔ ؎

ب۔ محمد رفیق بھٹی کی مضمون نگاری:

کسی متعین موضوع پر اپنے خیالات اور جذبات و احساسات کا تحریری اظہار مضمون کہلاتا ہے۔کسی بھی موضوع پر نثر میں اپنے خیالات کو مربوط اور منظّم انداز میں اس طرح تحریر کرنا کہ قاری نہ صرف اس سے لطف اندوز ہو بلکہ متاثر بھی ہو اسے مضمون کہا جا سکتا ہے۔البتہ ہر مضمون کے لیے نظم وضبط ،توازن اور تناسب ضروری ہے۔

معاشرتی و اصلاحی مضامین:

ہر قوم کے صاحب فکر لوگوں میں قوم کی اصلاح کا جذبہ موجود ہوتا ہے۔کسی نے قوم کی اصلاح کے لیے تحریر کا طریقہ اختیار کیا تو کسی نے تقریر کا۔کہیں اصلاح شاعری کی صورت میں کی گئی تو کہیں نثر نگاری میں۔ہر صاحب فکر نے اپنے اصلاحی خیالات ، جذبات و احساسات کو قوم تک پہنچایا اور قوم میں موجود خرابیوں کی نشاندہی کی۔ان خرابیوں اور خامیوں کی نشاندہی کہیں تو سنجیدہ انداز میں ہوئی ہے اور کہیں مزاحیہ انداز میں۔

محمد رفیق بھٹی نے بھی اپنی علمی بساط کے مطابق قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔انھوں نے اس سلسلہ میں معاشرتی واصلاحی مضامین لکھے۔ہجرت کے بعد انھوں نے ایک درجن سے زائد مضامین لکھے جن میں انھوں نے معاشرے کے مختلف طبقوں میں موجود برائیوں پر تنقید کی اور معاشرتی مسائل کو بیان کیا ہے ان کی کتاب محسنینِ کشمیر میں شامل چھ مضامین ہمیں جذبۂ حرّیت،خودداری، بلند ہمتی اور حبُ الوطنی کا پیغام دیتے ہیں۔ یہ مضامین تحریکِ آزادیٔ کشمیر کے حوالے سے نمایاں خدمات سر انجام دینے والی شخصیات پر لکھے گئے ہیں۔ان شخصیات نے جذبۂ آزادی کو فروغ دیا۔ان میں شاہ ہمدانؒ ، میاں محمد بخشؒ ، رابرٹ تھارپ، علامہ محمد اقبالؒ ، مولانا محمد دین فوقؔ اور پنڈت پریم ناتھ بزاز شامل ہیں۔انھوں نے کشمیر میں مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور تہذیبی حالت کو بہتر کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ان مضامین میں انھوں نے کہیں اپنوں کی بے وفائی ، بے رخی اور کہیں ظالم حکمرانوں کے دردناک رویوں کا ذکر کیا ہے۔

محمد رفیق بھٹی تعلیم کے پیشہ سے منسلک رہے۔نظامِ تعلیم میں کمزوریوں پر ان کی گہری نظر رہی۔انھوں نے مختلف تعلیمی اداروں سے خبر نامے اور علمی و تحقیقی رسالے جاری کیے۔وہ اقتصادی عوامل کو معاشرے کی قوت متحرکہ قرار دیتے ہیں۔وہ دولت کی منصفانہ تقسیم ،معاشی انصاف اور سماجی تحفظ کے حامی ہیں۔وہ استحصالی نظام

کے خلاف ہیں۔ان کا اندازِ فکر سائنسی ،حقیقت پسندانہ اور عالمگیر ہے۔ذیل میں ان کے ادبی،علمی، سیاسی، معاشرتی اور معاشی مضامین کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیا جاتا ہے۔

سپاس نامہ:

اُن کا یہ مضمون گورنمنٹ ڈگری کالج چکسواری کے مجلّہ میـــزان میں چھپا ہے۔اس میں انھوں نے ملکی معیشت اور معاشی پالیسیوں پر کڑی تنقید کی ہے۔امریکہ اور برطانیہ والوں کا اصل مسئلہ منافع ہے۔انسانی حقوق نہیں۔ وہی ملک ترقی کرتا ہے جو معاشی لحاظ سے آزاد ہو کر اندرونی و بیرونی خطرات سے محفوظ ہو۔ہمیں نوجوانوں کی عسکری تربیت پر توجہ دینی چاہیے۔عسکریت بصورت جہاد ہمارے عقائد کا حصہ بھی ہے۔ادارہ کی آٹھویں سالانہ پاسنگ آؤٹ پریڈ کے موقع پر انھوں نے کشمیر کی آزادی ، بھارت کی عیاری اور جمہوریت و عسکریت کے حقائق کو بیان کیا ہے۔انھوں نے بتایا ہے کہ ہم زرعی ملک ہیں لیکن ہمارے پاس کھانے کے لیے گندم نہیں ہے۔اب سیاست محتاج اور معیشت تاراج ہے۔دہشت گردی کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> جناب والا!دہشت گردی کی جو لہر گزشتہ چند سالوں سے ہمارے یہاں پروان چڑھ رہی ہے وہ نہایت خطرناک الارم ہے۔دشمن جو مقاصد کُھلی جنگ میں حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا اُسے وہ دہشت گردی سے حاصل کرتا ہے۔جدید خود کار ہتھیاروں کی کُھلے عام دستیابی سے دہشت گردی کی آگ بھڑکانے میں مدد مل رہی ہے۔جس نے ریاست اور حکومت کے لیے خطرات پیدا کر دیئے ہیں دہشت گردی کے عفریت نے لوگوں کے اعصاب شل کر دیئے ہیں ۔قوم کے ذہن پر قنوطیت کے سائے بڑھ رہے ہیں۔بداعتمادی اور شک وشبہات میں اضافہ ہو رہا ہے اس بحران سے نمٹنے کے لیے بھی عسکری تربیت وقت کی ضرورت ہے۔[۵]

کالچینٹ ایک شب بیدار پرندہ_ جس کا میں احسان مند ہوں:

اس مضمون میں محمد رفیق بھٹی نے ایک سیاہ رنگ کے چھوٹے سے پرندے کی بہادری، دلیری،شب بیداری،سحر خیزی اور ہمدردی کا ذکر کیا ہے۔یہ پرندہ بڑا تیز رفتار،صلح جو،خوش آواز پُھرتیلا اور محنتی ہے۔رات کو جلدی سوتا ہے اور صبح کو بہت جلدی بیدار ہو جاتا ہے۔اپنے بچوں اور آس پاس میں موجود دوسروں کے بچوں کا

دفاع کرتے ہوئے انھیں بھی تحفظ فراہم کرتا ہے۔اپنے سے بڑے پرندوں اور جانوروں پر دلیرانہ جھپٹتا ہے۔پتنگوں کا رسیا ہے۔انھوں نے یہ مضمون اسی پرندے کے نام کیا ہے جس کی سحر خیزی کے باعث وہ باعزت طور زندگی گزارنے کے قابل ہو سکے۔وہ اس خوب صورت پرندے کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

> بڑا انوکھا سا نام ہے۔نہ جانے باقی ملکوں اور علاقوں میں اسے کس نام سے جانا جاتا ہے۔لیکن ہمارے علاقہ میں اسے کالچینٹ کہتے ہیں۔یہ ایک پرندے کا نام ہے جسامت میں چھوٹا سا ۔بالکل سیاہ رنگ کا ۔دو پنکھوں والی لمبی دُم۔کشادہ پر۔نازک نحیف ۔وزن میں ۸ تولے سے زیادہ نہیں ۔موجودہ نظام اوزان کے مطابق اس کا وزن ۸۰ گرام ہوگا۔رفتار میں تیز اور غصے کا سخت۔عام حالات میں ہچکولے لے کر اُڑتا ہے۔مگر جب کوئی معاندانہ کاروائی ڈالنی ہو تو برق رفتار ہو جاتا ہے۔بڑا صلح جو ہے۔۔۔اپنے سے بڑے شکاری پرندوں اور جانوروں پر دلیرانہ جھپٹتا ہے۔[۱]

کوہستانِ پنجال:

پنجال جموں وکشمیر کی پہچان ہے۔جو اس خطہ کی شناخت اور شہرت کا قابل ذکر سلسلہ کوہستان ہے۔پیر کا لفظ بزرگ، ولی اور درویش سے منسوب کیا جاتا ہے۔ڈوگری زبان میں پیر پہاڑ کی چوٹی یا درّہ کے معنی ادا کرتا ہے۔پنجال، پانی کے جال، پہاڑی درّہ یا چوٹی اور پانچ خاندانوں کے آباد ہونے کو بھی کہتے ہیں۔اس میں کشمیر کی تاریخ جغرافیائی حالات، تاریخ وثقافت اور معاشرت کے حوالے سے مختلف پہاڑوں، جھیلوں، دریاؤں، سبزہ زاروں، پھولوں، جڑی بوٹیوں، وادیوں، چراگاہوں اور شہروں کی تاریخی اور جغرافیائی تہذیب وثقافت کو بیان کیا گیا ہے۔وہ کوہستانِ پنجال کے علاقہ کی کسمپرسی کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> سچی بات یہ ہے کہ اس مناسبت سے ریاست میں تحقیقی کام نہیں ہوا۔پاکستان کے قیام کے بعد ریاست کی جغرافیائی تقسیم ہوئی اور جو سیاسی صورت بنی اُس کے نتیجہ میں کوہستانِ پنجال کا علاقہ تحقیقی عدم توجہی کا شکار ہو گیا ۔اور اب تک اسی کسمپرسی کی زد میں ہے ۔نہ تو مقبوضہ کشمیر کے تعلیمی اداروں اور دانشوروں نے اس

پر توجہ دی اور نہ ہی آزاد کشمیر کے علمی مراکز میں اس حوالے سے کوئی کام ہوا۔ برصغیر کی آزادی کے بعد پورے پچاس سال میں صرف ریاست کی سیاسی حیثیت پر ہی توجہ دی گئی۔ خود گریزی اور خود فریبی نے ہمیں اپنے ماضی سے محروم کر دیا ہے۔ ہم اپنے ہی ملک میں اجنبی اور پردیسی ہیں۔ ہم نے اپنے آثارِ قدیمہ کو بچانے کے بجائے اُنھیں برباد کر دیا ہے۔[۱۰]

کلامِ غالب میں سائنسی اشارے:

محمد رفیق بھٹی نے اس مضمون میں بتایا ہے کہ شاعروں کے تخیّلات ، رمزیں ، اشارے اور کنائے سائنسی ایجادات کے لیے خشتِ اوّل کا کام دیتے ہیں۔ مرزا غالب کے مختلف اشعار سے مادی و غیر مادی اشیا کے مسلسل تغیر و تبدل ، اجزائے آفرینش کا زوال آمادہ ہونا، دنیا کا ہست سے بود ہو جانا، برقِ سکونی یعنی ریشمی کپڑوں میں آگ کے شعلے کا مستور ہونا، نظریۂ اضافت، کرۂ ارض کے جغرافیائی تغیر و تبدل، نظریہ حرکتِ مسلسل اور اجرامِ فلکی کی حرکت و حالت سمجھنے میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً ع: ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا
بحر گر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا

محمد رفیق بھٹی کلامِ غالب میں کائنات کی مرکزی قوت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

غالب نے اپنے اس شعر میں ایک ایسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تلاش میں سائنس دان تجربہ گاہوں میں سر جوڑ کر محوِ تجسّس ہیں۔ غالب کا یقین ہے کہ اس کائنات میں کوئی مرکزی قوت ہے۔ جو دیگر تمام قوتوں کو منظم و مربوط رکھے ہوئے ہے۔ یہ شعر آئن سٹائن کے نظریہ اضافت کی ایک جھلک ہے سورج کے

زندگی کا منبع ہونے پر اب کسے شک ہوسکتا ہے اور ''ذرے میں جان'' کا مسئلہ تو ایٹمی قوت کے ثبوت سے حل ہوگیا ہے۔[۱۱]

میاں محمد بخشؒ کی منظر نگاری :

میاں محمد بخشؒ نے تقریباً ڈیڑھ درجن بلند پایہ کُتب تصنیف کیں۔مثنوی سفر العشق المعروف سیف الملوك و بدیع الجمال سچے فنکار کا سچا شاہکار ہے۔ یہ کتاب تمدنی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتی ہے۔اس کتاب میں مناظرِ قدرت، مناظرِ حسن، مناظرِ عشق، مناظرِ حرب،مناظرِ طرب پوری دلکشی اور آب و تاب سے زیبِ دیدہ ودل ہوتے ہیں۔انھوں نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ سیف الملوك کا ہر باب مناظر نگاری کے گلدستوں سے سجا ہوا ہے۔محمد رفیق بھٹی اس مضمون میں میاں محمد بخشؒ کا دوسرے شعرا کے ساتھ تقابلی جائزہ لیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> انگریزی ادب میں ورڈزورتھ کو قدرتی مناظر کی منظر کشی کا امام سمجھا جاتا ہے۔لیکن وہ اس کے علاوہ کسی دوسرے شعبہ میں کوئی مقام پیدا نہیں کر سکے۔اس طرح اُردو ادب میں اختر شیرانی کو بھی یہ ملکہ حاصل ہے۔انیس مناظرِ حرب کے استاد ہیں مثنوی سحر البیان میں میر حسن مناظرِ طرب کے امام نظر آتے ہیں۔لیکن یہ اساتذہ منظر نگاری کے دوسرے پہلوؤں کا حق ادا نہیں کرتے،جب کہ سیف الملوك میں میاں محمد بخشؒ نے ہر پہلو پر کامیابی سے قلم اٹھایا ہے اور بے مثل منظر نگاری کے لازوال نمونے چھوڑے ہیں۔[۱۲]

لہو کی خوشبو :

انھوں نے اس مضمون میں کشمیریوں کی کسمپرسی، مظلومیت اور محکومیت کو بیان کیا ہے۔ غیر ملکی حاکموں نے کشمیریوں سے اعلیٰ صفات مثلاً خود آگاہی اور خود داری کو چھین لیا ہے۔ جب ایک بے گناہ کا خون زمین پر گرتا ہے تو کائنات کانپ اٹھتی ہے۔وطن کی مٹی کا حق تو خونِ جگر دے کر ہی ادا ہوسکتا ہے۔ انھوں نے اپنی تصانیف ''ستونِ دار'' اور'' لہو نگر'' کے مضامین پر بھی بات کی ہے۔انھوں نے قلمکاروں کو مزاحمتی ادب تخلیق کرنے کی تلقین کی ہے تاکہ کاروانِ حرّیت اپنی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو۔اسی سے پھر لہو کی خوشبو پھیل سکتی

ہے۔وہ تحریکِ حریت کشمیراور پاکستان کے ساتھ کشمیر کے تعلق کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> یہ بھی سچ ہے کہ کشمیر پر بھارت کے غاصبانہ قبضہ کی حالت میں پاکستان کے لئے بہت سے خطرات لاحق ہیں۔ہمیں ان حقائق کا بھرپور ادراک ہونا چاہیے۔ان حالات میں تدبر وحکمت عملی سے کام لیتے ہوئے تحریکِ حریتِ کشمیر کے ہر محاذ پر فکری یکسوئی اور عملی یکجہتی ہماری داخلی اور خارجی پالیسیوں کا جوہر ہونا چاہیے۔پاکستان کے ساتھ کشمیر کا تعلق صرف نعرے یا نظریہ کی حد تک محدود نہیں قدرتی رشتوں پر محیط ہے جو اٹل اور حتمی ہیں۔[۱۳]

جانثارِ کشمیر: رابرٹ تھارپ

اس مضمون میں لیفٹیننٹ کرنل تھارپ کے بیٹے رابرٹ تھارپ کی کشمیریوں کی آزادی اور ان کے حقوق بحال کرنے کی کوششوں اور خدمات کا ذکر کیا ہے۔رابرٹ تھارپ نے بنیادی انسانی حقوق اور معاشی استحصال کے خلاف ایک منظم آواز بلند کی۔اپنی کتاب مس فِٹ گورنمنٹ ان کشمیر سے کشمیری لوگوں کو اپنے معاشی حقوق سے آگاہ کیا۔ان کے اندر انقلابی سوچ پیدا کی اس نے ڈوگرہ حکومت اور حکمرانوں کی سیاہ کاریوں، بداعمالیوں اور لوٹ کھسوٹ کا پردہ چاک کر دیا۔کشمیری اہلِ کشمیر کی زبوں حالی کا مداوہ کرنے کے خواہشمند جانثار کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔آخر میں وہ رابرٹ تھارپ کی کوششوں کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

> یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز سے کشمیر میں تحریکِ آزادی نے جو رنگ اختیار کیا اس میں رابرٹ تھارپ کے خونِ جگر کا اثر بھی شامل ہے۔کشمیر اور کشمیریوں سے دلی وابستگی رکھنے والے اہلِ فکر ونظر، ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کو رابرٹ تھارپ جیسے مُحسنوں کے کارناموں پر توجہ دینی چاہیے، تاکہ ان گم نام مجاہدوں، مُحسنوں اور شہیدوں کا حق ادا کیا جا سکے جن کی قربانیوں کے باعث ہماری تحریک زندہ و پائندہ ہے۔[۱۴]

بات مجازی رمز حقانی:

محمد رفیق بھٹی نے اس مضمون میں بتایا ہے کہ میاں محمد بخشؒ کی مثنوی سیف الملوک اوّل تا آخر رمزوں، تمثیلوں، علامتوں اور اشاروں سے مرّقع ہے۔ میاں محمد بخشؒ نے مجازی اور حقیقی حُسن کو انتہائی لطیف پیرائے میں بیان کیا ہے۔ رمز وہ انداز بیان وتحریر ہے جس میں قلمکار ظاہری صداقتوں سے مخفی حقیقتوں کی ترجمانی کرتا ہے۔ جب کہ تمثیل کاری مشکل علمی مسائل کو آسان و سادہ مثالوں سے واضح کرنے کا عمل ہے۔ سیف الملوک کلاسیکی ادب عالیہ کا وہ شاہکار ہے جس میں ہر کسی کی ذہنی وقلبی تسکین کا سامان موجود ہے۔ سیف الملوک میں رمز وتمثیل کا یہ پہلو بڑا تحقیق طلب ہے۔ جو عوامی مزاج اور روزمرہ زندگی کی ترجمانی بھی کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> صوفیانہ اور عارفانہ کلام کی سب سے نمایاں خوبی اس کا رمزی اور تمثیلی اندازِ بیان ہوتا ہے۔ سیف الملوک صوفیوں اور عارفوں کے اس قبیلہ کی علمی کاوشوں کا نچوڑ ہے جو مجاز کے لبادے میں حقیقت کا ادراک پیدا کرتے ہیں تا کہ انسان اس دنیا میں زندہ و متحرک رہ کر آخرت کی سرفرازی کا استحقاق پیدا کر سکے۔ حضرت میاں محمد بخشؒ نے اس مسلک کا انتہائی پُر کیف اور بامقصد عملی وفکری اظہار فرمایا ہے اس مقصد کے لیے انھوں نے رمز، تمثیل، علامت، تشبیہ اور استعارے کا بھر پور استعمال کر کے صُوفی شعرا میں اپنا بلند مقام پیدا کیا ہے۔[۱۵]

قصہ سیف الملوک کا خلاصہ:

اس مضمون میں میاں محمد بخشؒ کی کتاب سفر العشق المعروف سیف الملوک کا مختصر ترین خلاصہ بیان کیا ہے۔ قصہ سیف الملوک پہاڑی زبان کا سب سے بڑا ادبی ذخیرہ ہے۔ شہزادہ سیف الملوک اپنی معشوقہ پری بدیع الجمال کو جس بہادری اور دلیری سے حاصل کرتا ہے اس سارے قصے کو اس میں بیان کیا گیا ہے۔ اس قصے میں انسانی معاشرتی زندگی کی ہر بات شامل ہے۔ وہ سیف الملوک اور پری بدیع الجمال کی محبت کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

جن میں سیف الملوک اور بدیع الجمال کو عاشق اور معشوق دکھایا گیا تھا۔خدا کی قدرت کہ جب مصر کے بادشاہ عاصم کے گھر بیٹا پیدا ہوا تو اُس کا نام سیف الملوک رکھا گیا۔سیف الملوک کے جوان ہونے پر اس کے باپ عاصم شاہ نے اسے قیمتی تحفے دیئے اُن میں وہ قیمتی ڈبہ بھی شامل تھا۔جب شہزادے نے وہ ڈبہ کھولا اور پری کے ساتھ اپنی تصویر دیکھی تو وہ دیکھتے ہی اُس پر عاشق ہو گیا۔ان تصاویر کے نیچے شہزادے اور شہزادی کے نام بھی درج تھے۔شہزادے نے اپنی تصویر کے ساتھ ایک بے حد خوبصورت پری کی تصویر دیکھی تو اُس کے ہوش و حواس جاتے رہے۔اس کے دل پر پری کا سایہ پڑ گیا اور وہ پری پر عاشق ہو گیا۔[۱۶]

قصہ سیف الملوک کی لسانی بنتر: ترجمہ پروفیسر محمد عمران شفیع

اس مضمون میں محمد رفیق بھٹی نے بتایا ہے کہ قصہ سیف الملوک پنجابی کلام نہیں بلکہ پہاڑی ہے۔ اس کی بنت میں پہاڑی زبان غالب ہے۔ چیزوں کی اپنی اپنی بنت ہوتی ہے۔ضروری نہیں کہ جس کمپنی کی کوئی مشین ہو سارے پرزے اس کمپنی کے ہوں۔یہی مثال زبانوں کی بھی ہے۔یہ قصہ عربی ادب کی مشہور کتاب الف لیلہ میں سے لیا گیا ہے۔اس کی بنت میں پہاڑی زبان کا تانا بھی ہے اور بانا بھی۔بہت سے حروف اور الفاظ پنجابی کے بھی ہیں۔اس کی اصل بنت پہاڑی زبان کے حروف اور الفاظ کے صوتی تاثر کے ساتھ رچی ہوئی ہے۔ناساں، سوڑی، نگاہنا، سنب اور پولا وغیرہ خالص پہاڑی الفاظ ہیں۔محمد رفیق بھٹی اپنے ادبی ورثہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پورا قصہ سیف الملوک اسی لسانی بُنت پر بُنا گیا ہے۔حضرت میاں محمد بخشؒ اپنی اس کتاب کے اندر اپنے علاقے کی بولی علاقے کی ثقافت علاقے کے تمدنی انداز اور علاقے کے لوگوں کی پہاڑی زبان میں بیان کر کے ہمارے لیے جو ادبی روایات چھوڑی ہیں انھیں کی بحالی عالمی پہاڑی ادب سنگت کی منزل ہے۔بُلبُلِ کشمیر، رومی کشمیر، عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخشؒ کے ساتھ اظہارِ عقیدت کے لیے اور انھیں خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک اہم طریقہ اس لسانی ورثے کو بچانا ہے جس میں انھوں نے سیف الملوک لکھ کر پہاڑوں کے رہنے والوں کے

ادبِ عالیہ کو چار چاند لگائے۔[۱۷]

میاں محمد بخشؒ اور تحریکِ حرّیت کشمیر:

محمد رفیق بھٹی کا یہ مضمون سہ ماہی مجلّہ عطاء ڈیرہ اسماعیل خان میں شائع ہوا ہے۔اس میں انھوں نے کشمیریوں کی سیاسی تحریک یعنی تحریکِ حرّیت میں خطۂ کشمیر اور اس کے ملحقہ علاقوں کی فکری و عملی یکسوئی کی تشکیل میں سیف الملوک کے عمل دخل کو بیان کیا ہے۔میاں محمد بخشؒ کی شاعری کی بدولت لوگوں کے دلوں میں تازہ ولولہ، عزم و ہمت، ایثار و اخوّت، جواں مردی، حبُ الوطنی، آزادی اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا ہوا ہے۔اس میں قارئین کو محنت و کوشش کی تلقین کی گئی ہے۔میاں محمد بخشؒ نے تحریکِ حرّیت کشمیر کے کرداروں کو تشبیہات، استعارت اور رمزی انداز میں بیان کیا ہے۔سیف الملوک پنجابی کلاسیکی ادب کا مرقع ہے۔ محمد رفیق بھٹی مختلف کرداروں کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> سیف الملوک اول تا آخر جہدِ مسلسل سے عبارت ہے۔شہزادہ سیف الملوک عزم و ہمت اور ایثار و محبت کی علامت ہے۔بدیع الجمال مردانِ حق کا مقصدِ حیات ہے۔باہمت کفن بدوش کشمیری نوجوان سیف الملوک ہیں۔آزادی ان کی شاہ پری بدیع الجمال ہے۔حکیم نطشے کا سپر مین، میاں محمد بخش کا سیف الملوک اور شاعرِ مشرق کا مردِ مومن ایک ہی تصویر کے رُخ ہیں۔باشک ناگ قابض فوج کے درندے ہیں۔اسفندباش اور سراندیپ کے قلعے تہاڑ جیل اور براہمی سامراج ہے۔جگ موہن، کرشنا راؤ اور گجرال وہ مگرمچھ ہیں جو کشمیری حرّیت پسندوں کے ٹلے پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔دیو اور سگ سار بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' کے ایجنٹ ہیں۔جو حیلوں بہانوں سے آزادی کے متوالوں کے خلاف بزدلانہ سازشوں میں مصروف ہیں۔کوہ پیکر امریکی سامراج ہے۔یہ سب تشبیہات اور استعارے رمزی انداز میں تحریکِ حرّیت کشمیر کے کردار ہیں۔[۱۸]

تنازعۂ کشمیر۔۔۔آپشنز کے چوراہے پر:

یہ مضمون ہفت روزہ رسالے اپنا دیس انٹرنیشنل میرپور میں شائع ہوا ہے۔اس میں انھوں نے

بتایا ہے کہ تنازعہ کشمیر جنوب مشرقی ایشیا کے امن و استحکام اور ترقی کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ کشمیری قیادت یہ بھی نہ جان سکی کہ بھارت یا پاکستان میں سے کوئی ایک ملک بھی ریاست جموں و کشمیر کے جغرافیہ کو بحال رکھنے کی پوزیشن میں نہیں۔ فکری یکجہتی اور عملی یکسوئی سب سے بڑی طاقت ہے۔ انھوں نے صدر جنرل پرویز مشرف کے تین آپشنز۔ مشترک کنٹرول، محدود خودمختاری اور علاقائی حکومت یا سیلف گورننس کو اس مسئلہ کا بہترین حل قرار دیا ہے۔ ہمیں اعتدال، لچک اور برداشت کو فروغ دینا ہوگا۔ ورنہ آپشنز کے چوراہے پر تماشہ بن جائیں گے۔ وہ کشمیریوں کے خون کا حساب مانگتے اور اقوامِ عالم سے سوالات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تنازعۂ کشمیر اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر ہے اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق کشمیریوں کو استصواب رائے کا بنیادی حق ملنا چاہیے تو اقوام متحدہ اپنی قراردادوں پر عملدرآمد کیوں نہیں کرواتی۔ کیا واقعی ایسی کوئی قرارداد ہے؟ کیا یہ قراردادیں اختیاری ہیں یا لازمی؟ کیا یہ قراردادیں ہیں یا تجاویز و ہدایات ہیں؟ اگر لبنان کے وزیراعظم رفیق حریری کا قتل کیس اقوام متحدہ میں جا سکتا ہے تو لاکھوں کشمیریوں کا قتل اقوام متحدہ میں زیر بحث کیوں نہیں آ سکتا؟[19]

میر پور: زبان، ثقافت اور آثار Mirpur: Language, Culture and Heritage

محمد رفیق بھٹی نے یہ مضمون جواہر لال نہرو یونی ورسٹی نیو دہلی کے ایک انٹرنیشنل سیمینار میں پڑھا۔ اس میں انھوں نے میر پور آزاد کشمیر کے لوگوں کی زبان، کلچر، تہذیب و ثقافت، رہن سہن اور ورثہ کو بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک زبان انسان کے جذبات، خیالات، تاثرات، تصورات، دانائی اور شعور کے اظہار کا وسیلہ ہوتی ہے۔ کلچر کسی معاشرے کے جذبی اور کلی رویوں کا وہ تانا بانا ہے جسے عام طور قبولیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ ورثہ گزشتہ تہذیبی آثار و باقیات پر مشتمل ہوتا ہے۔ انھوں نے مختلف شعرا کا ذکر بھی کیا ہے۔ وہ میاں محمد بخشؒ کی کتاب سیف الملوک اور پہاڑی زبان کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> The leading literary work that identifies Mirpuri Pahari is Saif-ul-Maluk written by famous Sufi poet Main Muhammad Bakhsh. In one of my article entitled as Linguistic Fabrics of Saif-ul-Maluk, I identified some words which clearly show that Pahari language has its own

identity. It (Saif-ul-Maluk) is universally recognized as a book written in Pahari Mirpuri, a perfact and complete representation of Mirpuri language, culture and heritage.20

آزادی کا مطلب ہے آزادی: Freedom Means Freedom

اس مضمون میں انھوں نے بتایا ہے کہ آزادی غیر مشروط عمل ہے۔ یہ اٹوٹ انگ اور الحاق سے بھی آزاد ہے۔ پاکستان اور بھارت کی حکومتیں مسئلہ کشمیر کو حل کرنے میں بُری طرح ناکام ہوگئی ہیں۔ کشمیر کا مسئلہ کشمیریوں کی مرضی کے مطابق حل ہونا چاہیے۔ دونوں اطراف میں بسنے کشمیری اپنی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ آزادی کا مطلب صرف آزادی ہے۔ غربت، بیماری اور تعلیمی مسائل پر توجہ دینی چاہیے۔ کشمیر کے مسئلہ کو حل کر کے ہی امن قائم ہوسکتا ہے اور دہشت گردی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے کشمیری لیڈروں کو اپیل کی ہے کہ وہ اپنے مشن کے ساتھ سنجیدگی اور دلیری کا مظاہرہ کریں۔

سزاوارِ وفا:

اس مضمون میں بابائے گوجری رانا فضل حسین (تمغۂ پاکستان) کی شخصیت اور فن کو بیان کیا گیا ہے۔ رانا فضل حسین نے قابض بھارتی افواج سے آزادی کا حق مانگا۔ انھوں نے گوجری زبان کے علاوہ دیگر زبانوں کو بھی نمایاں کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے اپنی تصانیف کے ذریعے گوجری ادب کو نئی جہت عطا کی۔ عوامی عدالت نے انھیں بابائے گوجری کا خطاب دیا۔ مختلف شعرا اور قلمکاروں نے انھیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

آزاد کشمیر میں ہائر سیکنڈری سکول اسکیم کے اجرا کا غیر جانبدارانہ تنقیدی جائزہ:

محمد رفیق بھٹی نے اس مضمون میں ہائر سیکنڈری سکول اسکیم اور انٹر کالج کی تعلیم کے درمیان تقابلی تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ مادی اور غیر مادی ترقی کا دارو مدار علوم وفنون کی ترقی پر ہوتا ہے۔ سکول اساتذہ اور ہیڈ ماسٹرز ہائر سیکنڈری سکول اسکیم کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں تاکہ اساتذہ کی ترقی کے امکانات بڑھ جائیں۔ کالج اساتذہ اس کے عدم اجرا کے لیے فعال ہیں۔ ہمارا اصل مسئلہ ملک میں تعلیم کو زیادہ مفید، موثر اور متحرک بنانا نہیں بلکہ ترقی اور گریڈ حاصل کرنا ہے۔ بنیادی طور سب معلمین ہیں۔ ہمیں شعبہ وارانہ مفادات سے زیادہ قومی مفادات پر نظر رکھنی چاہیے۔ اساتذہ کے لیے ٹائم سکیل کا اجرا ضروری ہے۔ ہائر سیکنڈری اسکیم مختلف ممالک میں

ناکام ہوگئی ہے۔ہمیں تعلیمی معاملات میں ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی پالیسی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ہمیں ضروری جگہوں پر انٹر کالج قائم کرنے چاہییں۔وہ ہائر سیکنڈری سکول اسکیم کا تجزیاتی جائزہ لیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> مقبوضہ جموں وکشمیر جہاں کے سماجی اقتصادی اور سیاسی عوامل آزاد کشمیر سے مماثلت رکھتے ہیں۔وہاں ہائرسیکنڈری سکول اسکیم ۱۹۶۰ء میں شروع کی گئی اور اب اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر اختتام پذیر ہو چکی ہے اب وہاں ہائر سیکنڈری اسکولوں کی بجائے انٹر کالجز کے قیام کا عمل جاری ہے۔ہمیں مقبوضہ کشمیر میں رائج ہائرسیکنڈری اسکول اسکیم کے اثرات نتائج اور انجام کو مدنظر رکھنا چاہیے اور دوسروں کے تجربات کی روشنی میں اپنے وسائل کو ضائع ہونے سے بچانا چاہیے اگر ہم ان حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنی روایات کے مطابق ایک متروکہ تعلیمی حکمت عملی کا علیحدہ تجربہ کرنے پر بضد ہیں تو بھی موجودہ متصادم اور متضاد تعلیمی ماحول جو ہم نے پیدا کر رکھا ہے اس کے لیے سازگار نہیں۔اگر حکومت بھی تعلیمی حکمتِ عملی کے بارے میں دوراہے پر ہے۔تو آزاد کشمیر میں ہائرسیکنڈری سکول اسکیم کو تجرباتی بنیادوں پر شروع کر کے اس کے نتائج اور اثرات کا جائزہ لے سکتی ہے۔[۲۱]

میاں محمد بخشؒ اور موسیقی:

اس مضمون میں محمد رفیق بھٹی نے بتایا ہے کہ میاں محمد بخشؒ کی مثنوی سفر العشق ہماری معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی زندگی کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔موسیقی نہ قطعاً مباح ہے نہ قطعاً حرام۔ایسی موسیقی جو حقیقت نواز اور مجاز گریز ہے اسلام اس کی حمایت کرتا ہے۔موسیقی مغموم ومغلوب قلوب کی دوا ہے۔کئی بیماریوں کا علاج موسیقی سے ہوتا ہے۔میاں محمد بخشؒ موسیقی اور مختلف سازوں سے آگاہی اور دلچسپی رکھتے تھے۔

میاں محمد بخشؒ اور حرب وضرب:

انسانی تاریخ خیر و شر کے معرکوں سے اٹی پڑی ہے۔ یونانی ادب میں ایلیڈ، ہندی ادب میں مہابھارت، اسلامی تاریخ میں جنگِ احد، جنگِ خندق اور معرکۂ کرب و بلا ایسے واقعات ہیں جن میں جہاں حق و باطل کی پنجہ آزمائی نظر آتی ہے وہاں ان کی حربی وضربی حکمتِ عملی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔محمد رفیق بھٹی نے اس

مضمون میں جنگی حکمت عملی اور جنگ میں کامیابی کے لیے صداقت، جرأت، حکمت اور جذبہ ایثار کو لازمی قرار دیا ہے۔انھوں نے جنگ کے نقصانات کو بیان کرتے ہوئے اس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

میاں محمد بخشؒ ہانگ کانگ میں:

رومی کشمیر کی شخصیت اور فن عالمگیر حیثیت کا حامل ہے۔ہم نے ایک عظیم سماجی مفکّر کے کلام کی ہمہ گیری اور عالمگیریت کو ایک خطہ، ایک مذہب یا ملک تک محدود کر دیا ہے۔انھیں بحرِ قلزم بحرِ ہند کے بیشتر مقامات سے آگاہی تھی۔شہزادہ سیف الملوک جزیرہ مالوہ (مالدیپ) کی آدم خور بلاؤں سے بچ کر میاں محمد بخشؒ کے مطابق ہولنگ جزیرے میں پہنچتا ہے۔میاں محمد بخشؒ کا بیان کردہ ہولنگ جزیرہ یہی ہانگ کانگ ہو سکتا ہے۔شاعر فطرت کا خالق بھی ہوتا ہے۔ہانگ کانگ میں جزیرہ وانچائی میں میاں محمد بخشؒ کے بیان کردہ شہر ''شہرِ زناں'' کے سارے خواص موجود ہیں۔پورا ہانگ کانگ میاں محمد بخشؒ کے تخیل کا عکس پیش کرتا ہے:

> ہانگ کانگ میں ایک بازار ایسا بھی ہے جسے عورتوں کا بازار Ladies Market کہتے ہیں جو خواتین کے لیے ہی مخصوص ہے۔جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔میاں صاحب کا تصور ''شہرِ زناں'' اسی نوعیت کا ہے۔یہاں پر جملہ خرید و فروخت کے لیے خواتین ہی ہوتی ہیں۔اگرچہ دنیا کے ہر ملک میں ایسے بازار ہیں لیکن میاں صاحب نے اپنی کتاب قصہ سیف الملوک و بدیع الجمال میں 154 سال پہلے ''شہرِ زناں'' کا جو احوال بیان کیا ہے وہ بڑا حیرت انگیز اور فکر انگیز ہے۔[۲۲]

دعائے درویش:

محمد رفیق بھٹی نے اس مضمون میں داناؤں کی تین جماعتوں علمائے کرام، صوفیائے کرام اور درویشوں کی صفات کو بیان کیا ہے۔شریعت، طریقت اور حقیقت کے موتیوں سے لبریز اپنی شہرہ آفاق کتاب قصہ سیف الملوک وبدیع الجمال یا مثنوی سفر العشق میں میاں محمد بخشؒ نے دولتِ علم و شعور، علم و عرفان، سخنوری، سخن فہمی، محبت، نبیؐ کے کلمے اور دین کی قبولیت کی دعا مانگی ہے۔

سید وارث شاہؒ اور میاں محمد بخشؒ فکری مماثلت اور انفرادیت :

محمد رفیق بھٹی نے اس مضمون میں سید وارث شاہؒ کی کتاب ہیر وارث شاہ اور میاں محمد بخشؒ کی مثنوی سفرالعشق المعروف قصہ سیف الملوک و بدیع الجمال کا تقابلی جائزہ لیا ہے۔دونوں صوفیا تصوف میں سلسلۂ قادریہ کے پیروکار تھے۔ جو سید شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے منسوب ہے۔دونوں فلسفۂ وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ یہ فطرت کے حقیقی ترجمان اور انسانوں کو انسان سے جوڑتے ہیں۔

سید وارث شاہؒ کا دور ۱۷۶۶ء تا ۱۸۳۹ء ہے جب کہ میاں محمد بخشؒ کا زمانہ ۱۸۳۰ء تا ۱۹۰۷ء تک بنتا ہے۔ پہلے مصنف نے اپنی کتاب ۱۸۱۸ء تا ۱۸۲۰ء اپنے دوست احباب کی فرمائش اور تحریک پر لکھی۔ جب کہ ثانی الذکر نے ۱۸۶۳ء میں اپنے بڑے بھائی میاں بہاول بخش کی فرمائش پر لکھی۔دونوں مصنفین نے اپنی کتاب کا آغاز حمد، نعت اور منقبت سے کیا ہے۔ دونوں شعرا نے فارسی کے نامور شعرا، صوفیا اور ادبا کے کلام سے استفادہ کیا ہے۔قرآن اور احادیث سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اپنی علاقائی معاشرت و ثقافت کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ہیر وارث شاہ کا تعلق جنوب مغربی پنجاب سے ہے۔اس کی زبان ٹھیٹھ پنجابی ہے۔ میاں محمد بخشؒ کا تعلق شمال مغربی پنجاب کے ملحقہ علاقے کشمیر سے ہے۔ان کی کتاب کی زبان پوٹھوہاری اور پہاڑی ہے۔ دونوں شعرا نے معاشی محرکات ، عورتوں کی نفسیات ، حسن و عشق، جمالیاتی ذوق، رموز و معارف، مذہبی رواداری وحُسنِ سلوک، موسیقی سے شناسائی و رغبت اور دعائے قبولیت کو احسن طریقے سے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ انفرادیت کے پہلو سے سید وارث شاہؒ علم تاریخ میں آگے ہیں جب کہ میاں محمد بخشؒ کا جغرافیہ کا علم حیرت انگیز ہے۔ وارث شاہ کے تمام کردار زندہ و متحرک معاشرتی زندگی کے نمائندے ہیں۔ جب کہ میاں محمد بخشؒ نے مافوق الفطرت کرداروں کو بیان کیا ہے۔ ہیر وارث شاہ کی زبان مشکل اور دقیق ہے جب کہ سیف الملوک کی زبان سہل و آسان ہے۔سید وارث شاہ کی پریم کہانی اختصار سے بیان ہوئی ہے جب کہ سیف الملوک ایک طویل پریم کہانی ہے۔ ہیر اور رانجھے کی پریم کہانی کا انجام حُزنیہ ہے المیہ ہے۔ جب کہ سیف الملوک اور بدیع الجمال کی پریم کہانی کا انجام طربیہ ہے۔محمد رفیق بھٹی سید وارث شاہؒ اور میاں محمد بخشؒ کی تصانیف اور زندگی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ہیر وارث شاہ اور سیف الملوک عشقِ مجازی کے پردے میں عشقِ حقیقی کی

تفسیر ہیں۔انسان کا روحانی ادراک پاکیزہ مجازی لطافت سے قوت حاصل کرتا ہے۔جو آب و گل کی پاکیزگی کا حامل نہ ہووہ قلب و روح کی بالیدگی سے فیضیاب نہیں ہو سکتا۔ سید وارث شاہؒ اور میاں محمد بخشؒ نے اس دنیائے دوں میں جس طرح زندگی گزاری وہ فقر اور درویشی کے زمرہ میں آتی ہے۔درویش خدا مست الست ہوتا ہے۔[۲۳]

نثر میں رنگِ خاص:

تاریخ اور حبُ الوطنی کا رنگ:

محمد رفیق بھٹی نے متعدد موضوعات پر مضامین لکھے ہیں مگر ان تمام دستیاب مضامین سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی مضمون نگاری پر تاریخ اور حبُ الوطنی کا رنگ غالب ہے۔محسنین کشمیر کے عنوان سے انھوں نے بزرگان دین اور کشمیر کی مٹی سے محبت کرنے والوں پر مضامین لکھے ہیں۔ جن میں ان کے مراتب اور حبُ الوطنی کے جذبہ کو سراہا گیا ہے۔اس کے علاوہ ان کے دیگر مضامین مثلاً کوہستان پنجال، لہو کی خوشبو، میاں محمد بخشؒ اور تحریکِ حریتِ کشمیر، تنارعۂ کشمیر۔۔۔آپشنز کے چوراہے پر، Freedom means freedom,Mirpur language, culture and heritag آزاد کشمیر میں ہائر سیکنڈری سکول اسکیم کے اجراء کا غیر جانبدارانہ تنقیدی جائزہ، سپاس نامہ اور جانثارِ کشمیر، رابرٹ تھارپ وغیرہ تقریباً چودہ مضامین حُب الوطنی کے موضوعات پر ملتے ہیں۔جن سے پتا چلتا ہے کہ شاعری میں وطن سے محبت کی طرح نثر نگاری میں بھی حبُ الوطنی کا رنگ نمایاں ہے۔ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ انسان جہاں پیدا ہوتا ہے اسے اس دھرتی سے دلی محبت ہوتی ہے۔ وطن سے محبت تو ایمان کا جزو شمار ہوتی ہے۔محمد رفیق بھٹی حب الوطنی کے جذبہ سے بھی مالا مال ہیں۔

ج۔ محمد رفیق بھٹی کی خطوط نگاری:

خطوط انسانی جذبات کے اظہار کا ایک موثر ذریعہ ہیں۔ اس لیے خطوط نویسی انسان کی ایک سماجی ضرورت رہی ہے۔اُردو میں مرزا غالب کے خطوط کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ انھوں نے خطوط میں اس دور کے سماجی اور معاشرتی حالات کو اس طرح بیان کیا کہ ہر دور کے قاری کی توجہ اپنی طرف کھینچتے رہیں

گے۔اس کے علاوہ ان کے خطوط ان کی شخصیت کے بھرپور اظہار کا ذریعہ بھی بن گئے ہیں۔منیر حسین مجددی خطوط کی اہمیت کو یوں بیان کرتے ہیں:

> خطوط انسانی زندگی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔کسی شخص کی زندگی کے واقعی خدوخال کو نمایاں کرنے میں خطوط کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔روز مرّہ کے پیش آنے والے واقعات و حالات ،معاشرتی وسیاسی تغیرات کے اسباب وعلل کو سمجھنے میں خطوط اپنے عہد کی مرتبہ تاریخ کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہوتے ہیں۔زندگی کے بہت سے گوشے جو کسی اور وجہ سے سامنے نہیں آسکتے وہ خطوط کے ذریعے منظر عام پر آجاتے ہیں۔اسی بنا پر شخصیتوں کو سمجھنے میں خطوط بڑے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔[۲۴]

محمد رفیق بھٹی نے مختلف اور منفرد انداز میں خطوط لکھے ہیں۔اُن کا حلقۂ احباب بہت زیادہ وسیع ہے۔پروفیسر عبدالعلیم صدیقی، پروفیسر محمد اکرم طاہر، بابائے گوجری رانا فضل حسین، پروفیسر نذیر انجم مرحوم، مشتاق شاد مرحوم، پروفیسر طارق امین قاسمی مرحوم، پروفیسر بشیر مغل مرحوم، ڈاکٹر زاہدہ قاسم، عبدالمجید ملک چیف جسٹس (ر) محمد سعید اسعد، ڈاکٹر محمد عارف خان، پروفیسر محمد یوسف چوہدری، آذر عسکری مرحوم، ڈاکٹر صابر آفاقی مرحوم، ڈاکٹر افتخار مغل مرحوم، اختر امام رضوی، ڈاکٹر انعام الحق جاوید، امجد اسلام امجد، سید ضمیر جعفری، سٹیون بوتھ، جان کشمیری، محمد اسماعیل ذبیح مرحوم، ڈاکٹر غلام حسین اظہر مرحوم، پروفیسر نذیر احمد تشنہ، ڈاکٹر اختر حسین اختر، ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد، بیگم ثریا خورشید، ڈاکٹر اجمل نیازی، بنتِ فوق ظفر سلیمہ، بیگم شاد چغتائی، آدم چغتائی، انوار فاروق مرزا، ڈاکٹر صغیر قمر، سردار عتیق احمد خان اور سابق صدر جنرل پرویز مشرف کے علاوہ بہت سی ملکی اور غیر ملکی محترم شخصیات سے اُن کے قلمی رابطوں کا ریکارڈ موجود ہے۔محکمہ تعلیم میں موجود کمزوریوں اور آگے قاعدگیوں پر اپنے دوست چوہدری عبدالعزیز (وزیر تعلیم آزاد حکومت) کو لکھی گئی تجاویز اور آراء بھی بیش بہا قیمتی سرمایہ ہیں۔انھیں پڑھنے کے بعد ایک عام قاری بھی محمد رفیق بھٹی کی حق گوئی و بے باکی کو سلام پیش کرتا ہے۔

محمد رفیق بھٹی مندرجہ بالا شخصیات کے ساتھ اکثر خطوط کے ذریعے رابطے میں رہے ہیں۔خطوط کے جوابات بڑی پابندی کے ساتھ دیتے ہیں۔دوسروں کے خطوط کے منتظر رہتے ہیں۔تاخیر سے کسی کا خط ملنے پر خفا

ہو جاتے ہیں۔انھیں جب پڑھنے لکھنے میں دشواری آتی ہے تو اپنی بیٹی فرحت مشتاق سے لکھواتے ہیں۔وہ اپنے محسنوں کو کبھی نہیں بھولتے۔وہ ان کے حق میں دعا گو رہتے ہیں۔

خطوط کے موضوعات:

ذاتی زندگی کی جھلکیاں:

محمد رفیق بھٹی کے خطوط سے ہمیں ان کی ذاتی زندگی کے حالات کا علم ہوتا ہے۔اگر چہ ان کے دستیاب خطوط سے سیاسی مسائل کا اظہار باقی تمام موضوعات پر حاوی ہے۔تاہم ان کی ذاتی زندگی کی جھلکیاں بھی نمایاں ہیں۔گورنمنٹ ڈگری کالج اسلام گڑھ میں جب وہ پرنسپل تھے تو انھوں نے کالج کے نظم ونسق اور طلبہ کی پڑھائی کے حوالے سے ایک مختصر سٹاف میٹنگ طلب کی۔دوران میٹنگ ایک لیکچرار نے آدابِ ملازمت اور اور اخلاقی حدود کا خیال رکھے بغیر آپ سے توہین آمیز گفتگو کی۔اس جھگڑے کے حوالے سے اپنے ایک دوست خواجہ کرامت حسین کو لکھتے ہیں:

> آپ کو یاد ہو گا اسی شخص نے میرے خلاف جو غلط ، بیہودہ اور شر انگیز الزامات تراشے جن کے بارے میں لوگوں نے قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر گواہی دی تھی کہ الزامات غلط ہیں۔یہ ۱۹۹۵ء کی بات ہے اور اب ۱۹۹۹ء چار پانچ سال کے بعد بھی اس نے ادارہ کے نظم ونسق اور اخلاقی حدود و قیود کو پھلانگ کر بھری مجلس میں نازیبا گفتگو کی۔جس پر انتہائی غصہ میں اُسے برا بھلا کہا ہے۔شاید مارنے کی بھی نوبت آ جاتی اگر سٹاف مداخلت نہ کرتا۔ برادرم میں نوکری عزت کے لیے کرتا ہوں۔اپنے ماتحت عملہ کے ہاتھوں سٹاف میٹنگ کے دوران ایسی نازیبا حرکت نا قابل برداشت ہے۔[۲۵]

محمد رفیق بھٹی کو شاعری کا ذوق ورثہ میں ملا ہے۔ان کے والد پنجابی زبان میں فی البدیہہ شاعری کرتے تھے۔اگر چہ وہ واجبی پڑھے لکھے تھے۔محمد رفیق بھٹی کے استاد پی۔این۔ پشپ بڑے مہربان تھے۔ان کا لڑکا ابینو محمد رفیق بھٹی کا کلاس فیلو بھی تھا۔کالج کے بیتے دنوں کو یاد کرتے ہوئے اور اپنے والد کے بارے میں اپنے ایک دوست فاروق انوار مرزا کے نام خط میں لکھتے ہیں:

شعر و ادب کا ذوق تو مجھے ورثہ میں ملا ہے۔ میرے والد مرحوم و مغفور الحاج نواب دین بھٹی واجبی پڑھے لکھے تھے بلکہ اگر میں یوں کہوں کہ پڑھے لکھے نہیں تھے تو کوئی عیب کی بات نہیں۔لیکن قدرت نے انھیں شعری ذوق سے نوازا ہوا تھا۔ فی البدیہہ پنجابی شاعری کرتے تھے۔ان کا کچھ کلام حافظے میں موجود ہے۔آپ کی کلچرل اکیڈمی میں میرے ایک استاد پروفیسر پی این۔ پشپ میرے مہربان استاد تھے۔ان کا بیٹا 'ابینو' میرا کلاس فیلو بھی تھا۔ پونچھ کالج میں میں نے اس کے مقابلے میں انگلش مباحثہ جیت کر سیکرٹری شپ حاصل کی تھی ۔نجانے وہ لوگ کہاں ہوں گے۔

یادِ ماضی عذاب ہے یاربّ　　چھین لے مجھ سے حافظہ میرا [۲۶]

پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین اظہر کے نام اپنے ایک خط میں اپنے شب و روز کے بارے میں لکھتے ہیں: ''آج بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ کی برسی پر عام تعطیل ہے۔ میں نے آج کا دن اپنے مہربانوں سے مراسلت کے لیے مخصوص کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ قائداعظمؒ کو خراج عقیدت پیش کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ آپس میں اتحاد اور تنظیم کے لیے موثر رابطہ کیا جائے۔'' [۲۷]

محمد رفیق بھٹی اسلامی جمہوریہ پاکستان کے سابق صدر جنرل پرویز مشرف کے ساتھ بھی مراسلت میں رہے ۔اپنے خطوط میں انھوں نے اسلام کی اصل حقیقت کو بیان کیا ہے۔ اصل اسلام ایک مشعل راہ ہے جو برداشت، امن سلامتی اور انسانیت کی جان و مال کی حفاظت کی تلقین کرتا ہے۔ ایک معصوم انسان کا ناحق قتل پوری انسانیت کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ اسلام محبت اور بھائی چارے کا درس دیتا ہے۔ان کو شدت پسند عناصر نے ڈرایا، دھمکایا انھیں کیمونسٹ او رریاست مخالف قرار دیا گیا۔ ان کے خلاف تحقیق ہوئی جس کا ذکر انھوں نے پرویز مشرف کے نام خط میں ان الفاظ میں کیا:

These extremists threatened me to death and on their presure govt had a high level inquiry against me leveling all types of baseless millicous charges to gratify them.The enquiry continued for three long years.It is a sad story,God saved me like you but society gave me no support۔[28]

سیاسی مسائل:

محمد رفیق بھٹی کی سیاست پر ہمیشہ گہری نظر رہی ہے۔انھوں نے تحریکِ آزادیء کشمیر کی سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔۱۹۴۷ء کی جنگِ آزادی اور فسادات کے واقعات پر ان کی گہری نظر رہی او راس میں ان کا بڑا ذاتی نقصان بھی ہوا۔ان کے خاندان کو ہجرت کے دوران در بدر کی ٹھوکریں کھانا پڑیں۔آخر کار انھوں نے سوچ سمجھ کر متحدہ کشمیر پیپلز نیشنل پارٹی میں شمولیت کی ہے۔جو ریاست کی آزادی اور جغرافیائی وحدت میں یقین رکھتی ہے۔انھوں نے ساری زندگی ریاست میں جمہوری، منصفانہ اور غیر طبقاتی معاشرہ کی تعلیم دی ہے۔مسلم کانفرنس کے تحریکِ آزادیٔ کشمیر کے حوالے سے سردار محمد عبدالقیوم خان اور محمد رفیق بھٹی میں جو اختلاف ہے وہ مقاصد کا نہیں حکمتِ عملی کا ہے۔ملکی سیاست کے بارے میں سردار محمد عبدالقیوم خان کے نام ایک خط میں رقمطراز ہیں: ''سیاسی اور معاشرتی اعتبار سے ہمیں جو کچھ ورثے میں ملا ہے وہ بڑا ظالمانہ ہے۔۔۔سیاسی زندگی میں کسی بھی لائق ،محبِّ وطن اور مدبر شخص کو جس کا تعلق عام عوام سے تھا آگے نہیں بڑھنے دیا گیا۔کیونکہ وراثتی سیاستدان معاشی اعتبار سے مضبوط تھے۔۔۔جس نے بھی استحقاق کی بات کی وہ معتوب ہوا۔مصلوب ہوا۔اس کی کردار کشی ہوئی بلکہ گردن زنی بھی ہوئی''۔[۲۹]

محمد رفیق بھٹی کی مسئلہ کشمیر پر گہری نظر ہے۔انھیں اس خطہ کی تاریخی اور جغرافیائی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہے۔اس مسئلہ کو حل کیے بغیر جنوبی ایشیا میں امن قائم نہیں ہوسکتا۔تنازعۂ کشمیر کے حل اور سیاسی مسائل کو بیان کرتے ہوئے اپنے ایک دوست ارشاد احمد حقانی کے نام خط میں لکھتے ہیں:

> دونوں ملکوں نے اس کو سنجیدگی اور تدبر سے حل کرنے کی بجائے اسے اقتدار اور حکومت کے لیے بطور ہتھیار استعمال کیا۔۔۔دونوں ملکوں کے لوگ غربت، بیماری ،جہالت، اور نفرت کی دلدل میں پھنس چکے ہیں۔اب تنازعۂ کشمیر کا حل پاکستان اور ہندوستان کے بس میں نہیں رہا۔۔۔ہم نے غیروں کو اپنے معاملات میں اتنا دخیل کر دیا ہے کہ خود خارج ہو چکے ہیں۔۔۔سیاست بڑا ظالمانہ کھیل ہے خاص کر ہمارے ملک کی سیاست جہاں دوسرں کے کفن پر اپنا محل تعمیر کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھی جاتی۔یہ مکافاتِ عمل بھی ہے۔[۳۰]

محمد رفیق بھٹی اور پروفیسر افتخار مغل کے درمیان خطوط کے ذریعے علمی و ادبی موضوعات پر بڑی زبردست چشمک اور ٹاکرا ہوتا رہا ہے۔دونوں دلائل سے اپنی بات ثابت کرتے ہیں۔طنز و مزاح اور ظرافت کا پہلو بھی ان خطوط میں پایا جاتا ہے۔محمد رفیق بھٹی مقتدر طبقہ کے سیاسی عزائم کے حوالے سے افتخار مغل کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:''سائنسی ترقی کے اس دور میں انسان پتھر کے زمانے سے زیادہ مجبور ہے۔غلامی نے نئے قالب اختیار کر لیے ہیں۔انسانی ذہنوں پر آج بھی فرسودہ توہمات اور غلامانہ افکار کا قبضہ ہے۔اب بھی انسان کو محدود کرنے کی کوشش جاری ہے۔مفاد پرستی ہر خوبی پر غالب آچکی ہے۔اور اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مقتدر طبقہ اپنے سیاسی عزائم کی تکمیل میں مصروف ہے''۔۳۱

صدر جنرل پرویز مشرف کے نام بھی محمد رفیق بھٹی نے مختلف مسائل پر خطوط ارسال کیے ہیں۔وہ اُن کی دل سے قدر کرتے ہیں۔وہ انھیں قوم کی کشتی کا ناخدا سمجھتے ہیں۔وہ ان کے خلوص، ایمانداری اور نیک نیتی کے معترف ہیں۔اپنے دکھ اکثر ان سے بیان کرتے رہے ہیں۔انھوں نے اُن کے تنازعۂ کشمیر کے حل کے لیے چار نکاتی فارمولہ اور دوٹوک موقف کو سراہا ہے۔محمد رفیق بھٹی مسئلہ کشمیر کے حل اور پرویز مشرف کی لیڈر شپ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> It is a fact that all other issues will automatically and easily be settled if Kashmir problem is resolved open heartedly in good faith.Kashmires repose full confidence and trust in your wise leadership.32

القابات و آداب میں خطوطِ غالب کا اتباع:

محمد رفیق بھٹی کے جس قدر خطوط دستیاب ہوئے ہیں ان میں اور خوبیوں کے علاوہ القاب و آداب میں مرزا غالب کا سا انداز اختیار کیا گیا ہے جس طرح مرزا غالب نے اپنے خطوط میں مکتوب الیہ کو بہت مختصر الفاظ کے ساتھ مخاطب کیا ہے اور کبھی کبھی تو انھوں نے صرف نام تک لکھا ہے۔اور بسا اوقات نام نہ القاب مطلب کی بات کسی اور انداز سے بیان کر جاتے ہیں۔انھوں نے پروفیسر افتخار مغل کے نام خطوط میں انھیں صرف ''برادرم افتخار مغل'' کہہ کر مخاطب کیا ہے۔محترم بیگم زبیدہ شاد چغتائی صاحبہ کو''شاد چغتائی'' کے الفاظ سے پکارا ہے اور یہ انداز تخاطب مرزا غالب کے خطوط کے اتباع میں ہے۔

آسان اور عام فہم زبان:

خط کی بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کی زبان مکتوب الیہ کے مقام و مرتبہ کے مطابق ہوتی ہے تا کہ جو بات دل سے نکلے وہ دل پر اثر کرے۔ محمد رفیق بھٹی کے خطوط اس معیار پر پورے اُترتے ہیں۔ انھوں نے خطوط سادہ اور عام فہم زبان میں تحریر کیے ہیں۔ الفاظ کے چناؤ میں بڑی غور وفکر سے کام لیا گیا ہے۔ بات کو بلا واسطہ اور بغیر کسی تمہید کے لکھ دیا ہے۔ صاف اور سادہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے۔ خط میں خیالات کی ترتیب و تشکیل کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ ان خطوط کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے قاری کو جو عام تعلیمی معیار کا بھی ہوسکتا ہے نظر انداز نہیں کرتے۔ بات کسی کے خلاف ہو یا تعریف میں وہ بلا جھجک کہہ جاتے ہیں انھوں نے اپنے خطوط میں نجی مسائل سے لے کر معاملات سیاست تک سب کچھ بیان کیا ہے مگر سادگی اور صفائی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ محمد رفیق بھٹی کے خطوط میں بے ساختہ طرزِ تخاطب، شوخی او رظرافت اور ترنم و سلاست جیسی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں۔

د۔ محمد رفیق بھٹی کی غیر مطبوعہ ڈائریاں:

محمد رفیق بھٹی زندگی میں کچھ نہ کچھ لکھتے رہنے کے عادی ہیں ۔ انھوں نے شاعری، مضامین اور سفرناموں کا قابل قدر سرمایۂ ادب تخلیق کیا۔ ان کے مطبوعہ سرمایۂ ادب کے علاوہ غیر مطبوعہ ڈائریوں کی شکل میں بھی ان کے خیالات، جذبات واحساسات پر مبنی مواد ہمارے سامنے آتا ہے۔ اُن کے زیرِ استعمال کل چھ ڈائریاں تھیں جن کی الگ الگ تفصیل درج ذیل ہے۔

ڈائری نمبر (۱)

اس ڈائری کے کل ایک سو سات (۱۰۷) صفحات ہیں جن میں سے اکہتر (۷۱) تحریر شدہ اور چھتیس (۳۶) خالی ہیں۔ اس ڈائری کی لمبائی آٹھ انچ اور چوڑائی پانچ انچ ہے۔ اس ڈائری میں انھوں نے سب سے پہلے مسافر کی نماز کا شرعی اور مسنون طریقہ لکھا ہے۔ اپنی شادی کی تاریخ اور بچوں کی پیدائش کی تواریخ کا ذکر کیا ہے۔ اپنے مختلف دوستوں اور ملن ساروں کے نام اور پتے بھی اس میں درج ہیں۔ اپنے والد محترم کی وفات کا ذکر بھی موجود ہے۔

محمد رفیق بھٹی نے اس میں اپنی گوجری نظموں مثلاً مِناں لی چلیو کشمیر، ترنڈ ناں لیا، لیتری، کھڑک کی چھاں، ڈونگو ہل چلارے ہالی اور سیال کے علاوہ اپنے دیگر گوجری کے پسندیدہ اشعار درج کیے ہیں۔اس ڈائری میں سب سے اہم بات اُردو کی نصابی کہانیوں مثلاً نیکی کا بدلہ، لالچ بری بلا ہے اور اتفاق میں برکت ہے کا منظوم گوجری ترجمہ ہے۔انھوں نے اعلیٰ پیرائے میں ان کہانیوں کو گوجری زبان میں منتقل کیا ہے۔اس میں شاعری کے تین بڑے ستون جذبہ، تخیّل اور وزن کو برقرار رکھا گیا ہے مثلاً:

صدقو ہے بوٹا کا لانا
یہ نیکی ہے کہیں سیانا
لالچ کو انجام بُرو اے
لالچ کو ہر کام بُرو اے[۳۳]

اس میں مختلف اشیا کی خریداری اور رقوم کا ذکر بھی ہے۔گوجری ادبی سنگت کے قیام اور مقاصد کا بیان بھی ہے۔اس میں کچھ نایاب کتابوں کا تذکرہ بھی ہے مثلاً ارسطو سے ایلیٹ تک، موسیٰ سے مارکس تک وغیرہ۔[۳۴]

ڈائری نمبر (۲)

اس ڈائری کے کل دو سو دس (۲۱۰) صفحات ہیں۔جن میں سے بہتّر (۷۲) تحریر شدہ اور ایک سو اڑتیس (۱۳۸) خالی ہیں۔ یہ ڈائری آٹھ انچ لمبی اور ساڑھے پانچ انچ چوڑی ہے۔اس ڈائری میں انھوں نے مشہور ادیبوں، دانشوروں اور فلسفیوں کے اقوال درج کیے ہیں۔کچھ متفرق تحریریں ہیں۔ مرزا غالب، علامہ اقبال، چکبست اور مولانا رومی کے اشعار بھی لکھے ہیں۔لیکن اشعار سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے زیادہ تر مولانا رومی اور علامہ اقبال کے فارسی اشعار کو نقل کیا ہے۔اس ڈائری کی سب سے اہم خوبی اُن کا قرآن مجید کا منظوم ترجمہ کرنا ہے۔انھوں نے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کا منظوم اُردو ترجمہ کیا ہے۔

محمد رفیق بھٹی نے اس ڈائری میں خالصتاً قرآن کی روشنی میں مختلف غزوات اور جنگوں کا ذکر کیا ہے۔مسلمانوں اور کفار کے نقصانات اور لڑائی کے احوال کو بھی بیان کیا ہے۔ دین کے اصول ثلاثہ اور پیغمبروں

کے طبقات کا بھی بیان ہے۔ اقبال کے فلسفہ خودی کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان کی کتاب اسرار خودی کا مختصر ترین خلاصہ بھی لکھا ہے۔ پہاڑوں اور درختوں کی اہمیت اور عظمت کو اسلام کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ قرآن مجید کی مختصر آیات کا متن اور ترجمہ بھی موجود ہے۔ آخر میں سید وحید الدین کی کتاب روز گار فقیر سے علامہ اقبال کی زندگی کے مختلف واقعات کو نقل کیا ہے مثلاً:

> ڈاکٹر صاحب کی فارسی کتاب کا ترجمہ کرنے کی اجازت کے لیے انگلستان سے خط آیا۔ جس پر وہ زار و قطار روتے رہے۔ فقیر نجم الدین نے پوچھا تو فرمانے لگے۔ افسوس کہ میں نے جس قوم کے لیے یہ کتاب لکھی ہے وہ اسے سمجھنے میں قاصر رہی لیکن دوسری قومیں اس سے بہرہ ور ہو رہی ہیں۔ (پروفیسر نکلسن نے اسرار خودی کا ترجمہ کرنا چاہا تھا) اور "علامہ نے سر کا خطاب ملنے پر فرمایا! میرے استاد مولوی میر حسن کو بھی خطاب ملنا چاہیے۔ کہا گیا آپ کو گراں قدر کتب تخلیق کرنے پر دیا گیا ہے ان کو کس بات پر دیا جائے؟ کہا ان کی تخلیق میں ہوں۔ اس جواب پر مولوی میر حسن کو شمس العلما کا خطاب ملا۔[۳۵]

ڈائری نمبر (۳)

اس ڈائری کے کل صفحات چار سو آٹھ (۴۰۸) ہیں۔ جن میں سے دو سو نواسی (۲۸۹) تحریر شدہ اور ایک سو اُنیس (۱۱۹) غیر تحریر شدہ ہیں۔ اس کی لمبائی ۹ انچ اور چوڑائی ۶ انچ ہے۔ اس میں سب سے پہلے پرویز مشرف کے کشمیر کے حوالے سے چار نکاتی فارمولے کو بیان کیا گیا ہے۔ اہلِ کتاب اقوام کا بھی ذکر ہے۔ اس میں مختلف دوستوں اور ملن ساروں کے فون نمبر اور ایڈریس بھی درج ہیں۔ حمدیہ اور نعتیہ کلام اور غزلیں بھی شامل ہیں۔ اُن کے نئے شعری مجموعے ریگ زار میں شامل اکثر غزلیں اس ڈائری میں موجود ہیں۔ اعلیٰ پہاڑی غزلوں کا انتخاب بھی موجود ہے۔ پہاڑی نظمیں بھی اس میں شامل ہیں۔ اس ڈائری میں موجود غزلوں میں ظریفانہ رنگ بھی پایا جاتا ہے۔

جس کو رشوت کا آئے مال بہت
زندگی بھر رہے نہال بہت

مرغ و ماہی ہمیں نصیب کہاں
اب تو مہنگی ہوئی ہے دال بہت

روز مرہ زندگی کے مختلف شعبوں میں مخالف آراء اور کاموں کا ادب کرنا رواداری اور صبر کہلاتا ہے۔ انھوں نے انگلینڈ کے مطالعاتی وتفریحی دورہ کی روداد کو بھی بیان کیا ہے۔ وہاں قیام کے دوران کشمیر کے حوالے سے مختلف اجلاس اور تقریبات کے امور کو بھی بیان کیا ہے۔ انگلینڈ کے معاشی، معاشرتی، ثقافتی اور تہذیبی حالات کو بھی بیان کیا ہے۔ اس میں کچھ متفرق تحریریں بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے شہر میر پور اور انگلینڈ کا موازنہ یوں کیا ہے: ''انگلینڈ میں لوگ بہت مصروف ہیں یہاں تک کہ ملتے ہی نہیں۔ جبکہ میر پور میں اتنے بیکار ہیں کہ گھر سے نکلتے ہی نہیں۔''[۳۶]

ڈائری نمبر (۴)

اس ڈائری کے کل ایک سو بائیس (۱۲۲) صفحات ہیں۔ سارے صفحات تحریر شدہ ہیں۔ یہ ایک چھوٹی پاکٹ سائز ڈائری ہے۔ اس کی لمبائی چھ انچ اور چوڑائی پانچ انچ ہے۔ اس میں مختلف پروفیسرز، دوستوں اور رشتہ داروں کے فون نمبرز اور پتے درج ہیں۔ امریکہ کے سولہویں صدر ''لنکن'' کی آزادی کے حوالے سے خدمات کو بیان کیا ہے۔ اسلام آباد کے اہم مقامات اور افغانستان کے سیاسی شجرہ نسب کو بھی بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں کشمیر کے مسئلہ کو کشمیری قیادت نے پیدا کیا، پاکستان نے اس کو ہوا دی۔ بھارت نے اسے لٹکایا اور عالمی برادری نے اس کی سرپرستی کی۔ کشمیر کے معاشی، سیاسی، معاشرتی اور جغرافیائی خدوخال کو بھی بیان کیا ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے مختلف تجاویز پیش کی ہیں۔ اس مسئلہ کے حل نہ ہونے کی وجوہات بھی لکھیں۔ تنازعہ کشمیر کے مختلف پہلوؤں، ادوار اور فکری وعملی اشتراک کو بھی بیان کیا ہے۔ وراثتی سیاست کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔

محمد رفیق بھٹی کی یہ ڈائری ان کی عملی زندگی کے تجربات کا نچوڑ ہے۔ انھوں نے تعلیم کی تعریف کی ہے۔ ان کے مطابق اچھی تعلیم کے پانچ مینار یعنی صاف ماحول، صاف اعلیٰ مقاصد، صاف کتب، صاف اساتذہ اور صاف انتظامیہ ہیں۔ انھوں نے پاکستان کی ترقی اور بقا کی شرائط کے ساتھ امریکی صدارتی امیدوار کی بنیادی شرائط کو بھی بیان کیا ہے۔ جہاد کی تعریف، اقسام اور عملی صورتیں بھی بیان کی ہیں۔ داعی اور لیڈر شپ کی خصوصیات کا بھی ذکر ہے۔ امیر خسروؒ، خواجہ نظام الدین اولیاؒ، علامہ اقبالؒ اور دیگر شعرا کے متفرق اشعار بھی درج

ہیں۔ بچوں کی نشو ونما اور تربیت کے حوالے سے رقمطراز ہیں: ''کسی زمانے میں عرب اپنے بچوں کی نشو ونما کے لیے انھیں دیہاتوں میں بھیجتے تھے۔ خود حضور ﷺ کی مثال لیں۔ مگر اب شہری لوگ اپنے بچوں کو زیادہ بڑے شہروں میں بھیجتے ہیں''۔ [۳۷]

آخر میں آزادی کی تعریف اور مفہوم کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ ڈائری محمد رفیق بھٹی کے جذبہ حبُ الوطنی کا آئینہ ہے۔ کشمیر کی تاریخی حیثیت اور موجودہ کسمپرسی کے مختلف حقائق سے پردہ اٹھاتے ہوئے روشن مستقبل کے لیے مختلف تجاویز اور آراء پیش کی ہیں۔ محمد رفیق بھٹی جب جواہر لال نہرو یونی ورسٹی دہلی انڈیا کی بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت، کے لیے گئے۔ واپسی پر جب وہ میر پور کالج آف کامرس کے پرنسپل بنے تو خفیہ والوں نے ان کے دفتر سے ایک اہم ڈائری اُڑالی جو واپس نہیں مل سکی۔ یہ انتہائی اہم ڈائری تھی جس میں ان کی زندگی کے واقعات، مشاہدات اور تجربات درج تھے۔ یہ ڈائری مجھے نہیں مل سکی لہٰذا اس کی تفصیل درج نہیں کی جا سکی۔

ہ۔ محمد رفیق بھٹی کا اُسلوبِ تحریر:

محمد رفیق بھٹی ایک شاعر بھی ہیں اور نثر نگار بھی۔ دونوں میدانوں میں عبارت کی سادگی اور سلاست ان کے اُسلوب کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ جس مضمون پر قلم اٹھاتے ہیں نہایت سادہ اور سلیس عبارت میں تحریر کرتے ہیں۔ بعض جگہ ضرب الامثال، مقولوں اور روز مرہ محاروں کا استعمال بھی کرتے ہیں۔ جس سے ایک تو ان کے کلام میں قوت اور زور پیدا ہو جاتا ہے دوسرا اختصارِ کلام کی خوبی پیدا ہوتی ہے۔ وہ جو بات کہتے ہیں ان کے وسیع مشاہدہ کی بدولت اس میں قطعیت ہوتی ہے۔ جو ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے۔ لہٰذا اس میں خلوص اور سچائی کے عناصر بدرجہ اُتم پائے جاتے ہیں۔ یہی صفائی، برجستگی اور خلوص ان کی تحریروں کو پُر تاثیر بنا دیتا ہے۔

محمد رفیق بھٹی کی تحریر کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ وہ واقعات اور مقامات کی تصویر کشی کرتے وقت ایسی جزئیات اور تفصیلات پیش کرتے ہیں کہ ہمیں یہ واقعات اور مقامات اپنا تجربہ اور اپنا مشاہدہ معلوم ہونے لگتے ہیں۔ اُن کے سفر ناموں میں مشرق اور مغرب کے مختلف ملکوں کی معاشرت اور تہذیب کے متعلق اتنی دلچسپ اور متنوع باتیں ملتی ہیں کہ آدمی گھر بیٹھے دنیا کے ان مختلف علاقوں کی سیر کر لیتا ہے۔ واقعات کے بیان میں ہمیشہ فکر اور جذبے کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی تحریریں ہمیں متاثر بھی کرتی ہیں اور

سوچنے پر بھی مائل کرتی ہیں۔

ان کی تصویر کشی بڑی مکمل ہوتی ہے۔جس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں اس کا منظر اس طرح آنکھوں کے سامنے لے آتے ہیں کہ قاری محسوس کرتا ہے کہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے مثلاً امام خمینیؒ کے مزار، میڈم توساؤ مرکز اور رابرٹ ایکس کرافٹ کے مجسمے کا منظر جزئیات کے ساتھ بڑے دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

وہ مقامات کی تصویر کشی کرتے وقت چشمِ تصور سے ماضی بعید میں پہنچ جاتے ہیں اور اس طرح مختلف کیفیات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس مقام کی تاریخ، تہذیب وتمدن، معاشرت اور عہد گزشتہ میں اس کی کیفیات ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہیں نیز ان کے سفر ناموں میں مشرقیت کی روح ہر جگہ موجود ہے۔اجنبی ماحول میں بھی وہ اپنی مشرقیت کو نہیں بھولتے۔

محمد رفیق بھٹی کی تحریر بڑی شگفتہ، رواں اور دلکش ہوتی ہے۔اس میں بے تکلفی، رنگینی اور سادگی ہوتی ہے۔لطیف طنز ومزاح کی چاشنی ہے۔الفاظ کا استعمال نہایت موزوں ہوتا ہے۔غریب سے غریب لفظ ان کی نثر میں آکر بڑا مانوس دکھائی دیتا ہے۔وہ چھوٹے مربوط جملوں سے بڑی متوازی نثر لکھتے ہیں۔وہ ہر بات کو صاف اور عام فہم انداز میں بیان کرتے ہیں۔اُن کی نثر میں توازن، ٹھہراو، ضبط کے ساتھ ایک دھیما پن بھی پایا جاتا ہے۔اُن کے بیان میں ایک ماہرانہ گرفت اور فنکارانہ آراستگی اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔بعض اوقات ان کا انداز بیان شاعرانہ ہو جاتا ہے۔

الغرض! محمد رفیق بھٹی کی تحریروں میں تمکنت، شگفتگی، اور تخیل کا بڑا دلکش امتزاج ملتا ہے۔اُن کا اُسلوب موثر اور دلکش ہے اور ان کے فن کی طرح منفرد ہے۔پروفیسر مسرت صبوحی اُن کے اُسلوبِ تحریر کے حوالے سے رقمطراز ہیں: ''رفیق بھٹی کے کلام میں بے ساختگی ہے۔۔۔انھوں نے الفاظ کو اس طرح استعمال کیا ہے کہ لفظوں کی حرمت کو قائم رکھا ہے۔ان کے خیالات میں سچائی اور کلام میں درد کا عنصر شامل ہے''۔[۳۸] پروفیسر نذیر انجم ان کے اُسلوبِ تحریر کے متعلق لکھتے ہیں: ''رفیق بھٹی روشن خیال اور صاحب اُسلوب قلمکار ہیں جو اپنی تحریروں میں اپنے عہد کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں''۔[۳۹]

حوالہ جات

۱۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، دوستی کا سفر، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۰۳ء، ص ۲۷

۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، سفر نامہ، عصری مطبوعات، کراچی، ۱۹۸۰ء، ص ۱۱۴

۳۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ایران صغیر سے ایران کبیر تک، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۰۵ء، ص ۵۱

۴۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، دوستی کا سفر، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۰۳ء، ص ۲۸۷، ۲۸۸

۵۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، حرمین کے مسافر، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۱۰ء، ص ۸۲، ۸۳

۶۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، آسمانی شہر کا زمینی سفر ہانگ کانگ، پنجال پبلشرز میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۱۶ء، ص ۱۰۶، ۱۰۷

۷۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، محسنین کشمیر، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۰۱ء، سرورق

۸۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ''سپاس نامہ'' مشمولہ: میزان شمارہ ۲، ۱۹۹۸ء، مدیر، عزیز الرحمن، پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج چکسواری، میر پور آزاد کشمیر، ص ۵۱

۹۔ ایضاً، ص ۸۷

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۶۶

۱۱۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ''کلامِ غالب میں سائنسی اشارے'' مشمولہ: میزان شمارہ ۱، مارچ ۱۹۹۵ء، مدیر، خورشید احمد، خواجہ، گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج چکسواری، میر پور آزاد کشمیر، ص ۱۳

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۸

۱۳۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ''لہو کی خوشبو'' مشمولہ: نردبان شمارہ ۱، جولائی ۲۰۰۱ء، مدیر، حنیف خان، محمد، پروفیسر، راجہ محمد نجیب گورنمنٹ ڈگری کالج اسلام گڑھ، آزاد کشمیر، ص ۳۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۱۸

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۶۴

۱۶۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ''قصہ سیف الملوک کا خلاصہ'' مشمولہ: سروش، جنوری ۲۰۱۴ء، مدیر، عارف خان، محمد،

ڈاکٹر، پروفیسر، ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرکز تحقیقات و گوشہ تحقیق میاں محمد بخشؒ گورنمنٹ کالج میر پور آزاد کشمیر، ص ۱۸۰

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۷۴

۱۸۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ''میاں محمد بخش اور تحریک حریت کشمیر'' مشمولہ: عطاء شمارہ ۴، س ن، مدیر، عنایت اللہ خان گنڈہ پور، ڈیرہ اسماعیل خان، ص ۱۵

۱۹۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ''تنازعہ کشمیر..... آپشنز کے چوراہے پر'' مشمولہ: اپنا دیس شمارہ ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۲ مارچ ۲۰ اپریل ۲۰۰۶ء، مدیر، سرفراز حسین کاظمی، سید، میر پور آزاد کشمیر، ص ۱۳، ۱۴

20. Rafiq Bhatti, Muhammad , Mirpur Language,Culture and Heritage, SOICIETY, CULTURE AND POLITICS IN THE KARAKORAM HIMALAYAS, NEW DELHI,23rd-24th july 2009,p,18.

۲۱۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، آزاد کشمیر میں ہائر سیکنڈری سکول اسکیم کے اجراء کا غیر جانبدارانہ تنقیدی جائزہ ندیم پرنٹنگ پریس میر پور، س ن، ص ۱۴، ۱۵

۲۲۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، میاں محمد بخشؒ شخصیت و فن، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۱۶ء، ص ۸۴

۲۳۔ ایضاً، ص ۱۴۸

۲۴۔ منیر حسین مجددی، دیباچہ از مکاتیب الفردوس، (جلد اول) مرتبہ الحسن، اکبرداد، پروفیسر، پبلشرز ماڈل ٹاؤن، فیصل آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۶

۲۵۔ رفیق بھٹی، محمد، خط بنام خواجہ کرامت صاحب، ڈگری کالج اسلام گڑھ، محررہ، ۲۰ فروری، ۱۹۹۹ء، ص ۱

۲۶۔ رفیق بھٹی، محمد، خط بنام انوار فاروق مرزا، خالق آباد میر پور آزاد کشمیر، محررہ، ۲۷ مئی، ۱۹۹۸ء، ص ۲

۲۷۔ رفیق بھٹی، محمد، خط بنام پروفیسر غلام حسین اظہر، چکسواری، محررہ، ۱۱ ستمبر، ۱۹۹۷ء، ص ۱

۲۸۔ رفیق بھٹی، محمد، خط بنام جنرل پرویز مشرف، میر پور آزاد کشمیر، محررہ، س ن، ص ۲

۲۹۔ رفیق بھٹی، محمد، خط بنام سردار محمد عبدالقیوم خان، چکسواری میر پور آزاد کشمیر، محررہ، ۲۶ جون، ۱۹۹۷ء، ص ۱، ۲

۳۰۔ رفیق بھٹی، محمد، خط بنام ارشاد احمد حقانی، چکسواری میر پور آزاد کشمیر، محررہ، ۲۶ جون، ۱۹۹۷ء، ص ۱، ۲، ۳

۳۱۔ رفیق بھٹی، محمد، خط بنام پروفیسر افتخار مغل، میر پور آزاد کشمیر، محررہ، ۲۵ اگست، ۱۹۹۵ء، ص ۲

۳۲۔ رفیق بھٹی، محمد، خط بنام صدر جنرل پرویز مشرف، اسلام گڑھ میر پور آزاد کشمیر، محررہ، ۲۶ جولائی، ۲۰۰۱ء، ص ۱

۳۳۔ رفیق بھٹی، محمد، غیر مطبوعہ ڈائری نمبر (۱)، ص ۷۰، ۷۲

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۰۴

۳۵۔ رفیق بھٹی، محمد، غیر مطبوعہ ڈائری نمبر (۲)، ص ۱۸۰، ۱۸۱

۳۶۔ رفیق بھٹی، محمد، غیر مطبوعہ ڈائری نمبر (۳)، ص ۳۷۰

۳۷۔ رفیق بھٹی، محمد، غیر مطبوعہ ڈائری نمبر (۴)، ص ۵۸

۳۸۔ مسرت صبوحی، پروفیسر، کشمیر میں مزاحمتی ادب، علی پرنٹرز، عقب فیصل بنک میاں محمد روڈ میر پور، ۲۰۱۴ء، ص ۱۱۹، ۱۲۴

۳۹۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، مُحسنینِ کشمیر، حصہ اول، پنجال پبلشرز میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۰۱ء، سرورق

باب چہارم

کشمیر کے معاصر اُردو ادب میں محمد رفیق بھٹی کے مقام کا تعیّن

ا: معاصر اُردو ادب سے کیا مراد ہے؟

زمان و مکاں کی مناسبت سے اہلِ فکر و نظر نے ادب کی مختلف انداز میں تعریف کی ہے۔ تعریفوں کے اختلاف سے ادب کی حقیقت متاثر نہیں ہوتی۔ کوئی ایک تعریف ادب کا احاطہ نہیں کر سکتی کیوں کہ ادب معیاری ہے مقداری نہیں۔ میرے نزدیک فی زمانہ، ادب انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے جملہ داخلی و خارجی محسوسات، مشاہدات اور تجربات کو حروف و الفاظ، موسیقی و رقص اور اختراعات و ایجادات کی صورت میں عکس بندی کا نام ہے۔ جو مسرت افروز، سبق آموز اور انسان دوست ہو۔ ادب معلوماتی بھی ہے اور وجدانی بھی۔ معلوماتی ادب گزشتہ انسانی نسلوں کے مشاہدات و تجربات اور حالات و واقعات کی تفصیلات پر مشتمل ہوتا ہے۔ جبکہ تخیلاتی یا وجدانی ادب فطرت کو نئی جہتیں عطا کرنے کا عمل ہے۔ ادب کوئی ساکت یا جامد چیز نہیں یہ متحرک زندگی کا متحرک ترجمان ہے۔ علامہ اقبالؒ کا درج ذیل شعر اس ضمن میں قابل ذکر ہے:

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاویداں پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی

ادب کو کلاسیکی، نیم کلاسیکی اور جدید تین صورتوں میں زیر بحث لایا جاتا ہے۔ لیکن یہ تقسیم بھی نسبتی ہے کیونکہ کلاسیکی ادب (ادب عالیہ) کبھی اپنے زمانے کا جدید ادب تھا۔ جو اب ہمیں کلاسیکی محسوس ہوتا ہے۔ جسے ہم جدید ادب کہتے ہیں یہ آئندہ نسلوں کے لیے کلاسیکی یا نیم کلاسیکی ہوگا۔

معاصر ادب بنیادی طور ادبِ جدید ہے۔ ہر ادیب اپنے زمانے اور اپنے عہد کا ترجمان ہوتا ہے۔ وہ اپنے معاصرین سے متاثر بھی ہوتا ہے اور انھیں متاثر بھی کرتا ہے۔ حقیقی ادب اور ادیب یا تو نئی ادبی روایات کو جنم دیتا ہے یا پھر سابقہ روایات کو نئے اسالیب میں ڈھالتا ہے۔ اگر کوئی ادیب اس معیار کو پورا نہیں کرتا تو گویا وہ معلوماتی ادب کا حامل ہے۔ تخیلاتی یا وجدانی ادب کا نہیں۔ ادب آفاقی ہوتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ادب اپنے زمانے کا عکاس اور عصری مادی احوال و ظروف کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اکثر ادبی تحریکیں اس لیے

معدوم ہو جاتی ہیں کہ ان میں تخیل و وجدان کی کمی ہوتی ہے۔محض معلوماتی ادب ایک ایسا جسم ہے جس میں روح نہیں۔معاصر ادب میں ہم عصر یعنی معاصر ادبی روح کا ہونا ضروری امر ہے۔تخلیقی یا وجدانی ادب دل کو مسرت، روح کو بالیدگی اور شعور کو تازگی عطا کرتا ہے۔یاد رہے تخلیق بنانے کا نام ہے اور تنقید سنوارنے کا۔تنقید از خود تخلیقی عمل ہے۔جس تنقید سے ادب سنورتا نہیں وہ یا تو تحریف ہے یا تخریب۔ڈاکٹر جمیل جالبی معاصر ادب کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''حال دراصل مستقبل کا ماضی ہے۔اسی لیے ہر لکھنے والے کو حال کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہیے۔اسے قبول بھی کرنا چاہیے اور رد بھی۔وہ لکھنے والا جو زمانۂ موجود کو رد کر کے صرف ماضی یا مستقبل کی طرف دیکھتے ہیں تو ایسے میں نہ ماضی ان کا ماضی ہوتا ہے اور نہ مستقبل ان کا مستقبل۔نئے لکھنے والوں کو میرا یہی مشورہ ہے کہ وہ اپنے زمانے کے ساتھ پوری طرح زندگی بسر کریں''[۱]

ب: معاصر ادبی شخصیات:

تقسیم ہندوستان کے بعد ریاست جموں و کشمیر کے ادبی ماحول ادبی اثاثوں اور ادبی رجحانات پر منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔کیونکہ سیاسی خلفشار کی وجہ سے ریاست کے ادیب یکسوئی سے کسی ادبی تحریک کو منظم نہیں کر سکے۔نیز ریاست جموں و کشمیر کے مختلف حصوں میں منقسم ہونے اور قابض قوتوں کے سیاسی مقاصد کے باعث حقیقی یا تخلیقی ادب کے فروغ کو نقصان پہنچا ہے۔

آزاد کشمیر ناہموار پہاڑی علاقوں پر مشتمل ہے۔جس کے قلمکاروں یا ادیبوں کے مابین مؤثر رابطوں کا فقدان ہے۔دوم اس خطہ میں ۱۹۵۰ء سے لے کر ۲۰۱۷ء تک فروغ پانے والا ادب زیادہ تر تحریکی یا مزاحمتی ہے۔جس میں تخلیقی عنصر اس مزاج کا نہیں جو پرسکون معاشروں میں پروان چڑھتا ہے۔سوم آزادی کی جدوجہد کے ماحول میں محدودے چند قلمکار ہی تحقیقی یا تخیلاتی ادبی روایات کو پروان چڑھانے میں کامیاب رہے ہیں۔ جن میں پروفیسر عبدالعلیم صدیقی، پروفیسر محمد اکرم طاہر، ڈاکٹر صابر آفاقی، ڈاکٹر افتخار مغل، رانا فضل حسین، پروفیسر نذیر انجم اور پروفیسر محمد رفیق بھٹی شامل ہیں۔ان کے علاوہ جن قلمکاروں نے ادبی محاذ پر آزاد کشمیر کے ادب میں اضافے کیے ہیں ان میں محمود ہاشمی، ڈاکٹر غلام حسین اظہر، پروفیسر بشیر مغل، پروفیسر ڈاکٹر محمد صغیر خان، محمد شریف ایڈووکیٹ، مشتاق شاد، آمنا بہار رونا، علامہ جواد جعفری، ڈاکٹر زاہدہ قاسم، احمد مسعود، محمد اسماعیل ذبیح، آذر عسکری، اسرائیل مہجور، احمد شمیم، چراغ حسن حسرت، بوٹا خان راجس، زاہد کلیم، محمد اکرم سہیل، محمد افضل

صابری، گلزار حسین ساگر، مقصود حسین سید، علی عدالت، الحاج نواب دین بھٹی، احمد عطا اللہ اور جاوید نظامی ان کے قابل ذکر معاصرین میں شامل ہیں جن کے ساتھ ان کے علمی و ادبی روابط کا ریکارڈ موجود ہے۔

ج: محمد رفیق بھٹی کی دیگر زبانوں میں شاعری :

محمد رفیق بھٹی نے اپنے اظہارِ خیال کا ذریعہ صرف اُردو تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ انھوں نے اپنے علمی، ادبی اور فکری خیالات کے اظہار کے لیے یہاں کی دیگر مقامی زبانوں مثلاً پہاڑی، پنجابی، گوجری، ہندی اور انگریزی جیسی زبانوں کو بھی اپنا ذریعہ ابلاغ بنا کر ایک خدمت سرانجام دی ہے۔ جو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ وہ علاقائی زبانوں کو دریا اور قومی زبان کو سمندر قرار دیتے ہیں۔ اگر دریا خشک ہو جائیں تو سمندر سمٹ جاتے ہیں۔ اسی لیے وہ قومی ادب کے فروغ کے لیے علاقائی ادب کے فروغ کو بنیادی شرط قرار دیتے ہیں۔ اپنی ماں بولی میں انسان جس صحت اور آسانی سے اپنا مافی الضمیر بیان کر سکتا ہے وہ کسی دوسری زبان میں نہیں کر سکتا۔

انگریزی شاعری:

محمد رفیق بھٹی نے زمانہ طالب علمی کے دوران رسالہ آبزرور (Observer) اور A History of Western Political Philosophy (تاریخ مغربی سیاسی فلسفہ) جیسی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ انھیں مختلف انگریزی ناول نگاروں، ڈرامہ نگاروں اور شعرا کا کلام بھی پڑھنے کو ملا۔ جن میں ملٹن، ایڈمنڈ اسپنسر، فرانسس بیکن، ایچ جی ویلز، تھامس ہارڈی، تھیکرے، چارلس لیمب، چارلس ڈکنز، ہکسلے، شیکسپیئر، فلپ سڈنی، کیٹس، شیلے، ولیم بلیک، ورڈز ورتھ روسی شاعر الیگزنڈر پوشکن اور لارڈ بائرن شامل ہیں۔ ان کی اُردو شاعری پر بھی انگریزی شاعری کے اثرات ہیں۔ فلپ سڈنی اور لارڈ بائرن ان کے پسندیدہ انگریزی ادیب ہیں۔

مارچ ۲۰۰۲ء میں جب اولڈھم کالج یو کے کی انتظامیہ نے انھیں دوستانہ مطالعاتی دورے کی دعوت دی تو انگریز قوم کے اساتذہ، دانشوروں، اور سیاسی شخصیات سے باہمی ربط اور مذاکروں کے لیے انگریزی زبان میں ایک پیغام لے کر گئے۔ انھوں نے چار انگریزی نظمیں لکھیں جن کو بعد میں کتابچوں کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ انھوں نے عالمگیر معاشرے، انسان دوستی، محنت کی عظمت اور کشمیر کے لوگوں کے غیر مشروط حقِ خود ارادیت کے ساتھ آزادی کے جذبے کو اُجاگر کیا ہے۔ ان کی ایک نظم "WARM HEARTS AND BRIGHT EYES" جس

میں انگریز قوم کی محبت، امن، مساوات، انصاف اور علم دوستی کو بیان کیا گیا ہے ملاحظہ ہو:

"WARM HEARTS AND BRIGHT EYES"

The pages of history when ever we read,
We find that Oldhamers are brave indeed

Mr.Winston Churchill said perfectly right,
Their hearts are Warm and eyes Bright.

The ladies and gentlemen, young and old,
All are courteous, kind and bold,
For peace and justice they bravely fight,
Their hearts are Warm and eyes bright.

Their thoughts are noble and ideals high,
For wisdom and virtues they always try,
With wider vision and deep insight,
Their hearts are Warm and eyes bright.

They know that knowledge is power and pride,
And struggle to share it far and wide,
In hands they hold up beacon light,
Their hearts are Warm and eyes bright.

A symbol of duty and devotion they are,
A blend of reason and emotion they are,
They propagate love and discard might,
Their hearts are Warm and eyes bright.

Their faith in love is supreme and strong,
They fairly distinguish between right and wrong,
They love every body black or white,
Their hearts are Warm and eyes bright.

پنجابی شاعری:

محمد رفیق بھٹی کو شاعری ورثہ میں ملی۔ان کے والد نواب دین بھٹی واجی سے پڑھے لکھے تھے لیکن پنجابی شعر گوئی کا ملکہ انھیں قدرت کی طرف سے ودیعت تھا۔محمد رفیق بھٹی اپنے والد کی سی حرفیاں محفوظ کرتے اور کاتب کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔اس کے علاوہ میاں محمد بخشؒ کی مثنوی سفر العشق کا گہرائی کے ساتھ

مطالعہ اور اسے ترنم کے ساتھ پڑھنے سے ان کے اندر پنجابی سخنوری اور سخن شناسی کا جوہر پیدا ہوا حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت خواجہ فریدؒ، حضرت سلطان باھوؒ، گرونانک، حضرت میاں محمد بخشؒ، حضرت سید وارث شاہؒ اور حضرت بُلھے شاہؒ کے کلام نے بھی ان کی فکری تربیت کی ہے۔ وہ اپنی شاعری کو پنجابی کے صوفی شعرا کی دین قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنے پنجابی کلام میں قدیم رہن سہن اور تہذیب وثقافت کا جدید مادی دور سے موازنہ کیا ہے۔ وہ قدیم چیزوں کے ناپید ہونے اور جدید آلات کے نقصانات بھی بیان کرتے ہیں۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

دودھ رج کے مجھاں دا پین والے کلو تول کے مل لیاوندے نیں
کنک، مک دیاں چوندیاں کھان والے، ڈبل روٹیاں گھراں وچ کھاوندے نیں
رہو پیوندے سی جیہڑے ڈول بھر کے چاء پی کے دفتراں جاوندے نیں
چُن کے رکھدے سی جیہڑے جوگ سوہنی، بھویں نال ٹریکٹراں بھووندے نیں
ریڑھے مک گئے ٹانگے ناپید ہوئے کاراں ٹیکسیاں لاریاں عام ہویاں
دھواں بدلاں وانگ پیا اڈدا اج رش نال سڑکاں سبھے جام ہویاں
ایکسیڈنٹ دن رات دا عمل بنیا موتاں حادثاتی صبح شام ہویاں
رستہ لبھدا نہیں کدھرے جان جوگا ساڈیاں کوششاں سب ناکام ہویاں
ڈالر پونڈ ریال کمان جیہڑے لیڈر اوہناں نوں لوک بنان لگے
پڑھے لکھے غریب شریف جیہڑے پچھے اَن پڑھاں دے دھکے کھان لگے
جیہناں لٹ کے قوم دا مال کھاہدا اوہ لیڈری خوب چمکان لگے
کارے ویکھ سارے بھٹیؔ زندگی دے اسی آپ ہی آپ شرمان لگے

گوجری شاعری:

محمد رفیق بھٹی کو گوجری ادبی سنگت کا صدر بھی منتخب کیا گیا۔ اس سنگت کا منشور ہے کہ گوجری

بولو،لکھواور پڑھو۔ان کی دادی مرحومہ کا تعلق گوجر قبائل سے ہے۔ان کے آبائی گاؤں کے گرد ونواح میں بیشتر آبادی گوجروں کی ہے۔اس لیے وہ بڑی رواں اور شُستہ گوجری بولتے ہیں۔انھوں نے اپنی گوجری شاعری کے ذریعے انسانیت کو اتفاق و اتحاد اور محبت کا درس دیا ہے۔ان کی ایک نظم کا عنوان ''ترنڈ ناں لیا'' ہے۔اس نظم کا مرکزی خیال یوں ہے کہ ایک ماں اپنی بیٹی سے کہتی ہے کہ شام پڑ رہی ہے جلدی کر اور رات سے پہلے چراگاہ سے جا کر بھیڑ بکریاں گھر لا۔

ترنڈ ناں لیا

کسیاں ماں ستیواں نے پالیو شور اے
تیں کیوں چُپ بیٹھی لگے بے طور اے
لِساں ناں پُچھے کون ڈاہڈاں کو دور اے
لُٹ اے اِت چلے جس کو دی زور اے
اُٹھ نکی گیدری تیں نٹھی نٹھی جا رے
ٹہا کہ دروں موڑ کے ترنڈ ناں لیا رے
گہل گہل جانو اے تے گہل مڑ آ تیں
چوکھی ہشیاری نال ترنڈ ناں لیا تیں
سیل مار کٹو پلو راہ ماں نسا تیں
گلہ کولوں راٹھیاں کا فصل بچا تیں
اٹھ نکی گیدری تیں نٹھی نٹھی جا رے
ٹہا کہ دروں موڑ کے ترنڈ ناں لیا رے
لیڑیاں ناں جنڈ تے کرنڈ تیں بچایو رے
پولو کوئے لب کے تے پیراں نال لایو رے

نیرا کولوں پہلاں پہلاں گھر مُڑ آیو رے
لیلیاں تے چھلیاں ناں چُک کے لیایو رے
اُٹھ نکی گیدری تیں نٹھی نٹھی جا رے
ٹہا کہ دروں موڑ کے ترنڈ ناں لیا رے

پہاڑی شاعری:

محمد رفیق بھٹی پہاڑی زبان سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ وہ اسے اپنی ماں بولی قرار دیتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ جو بات اپنی ماں بولی میں کی جاتی ہے اس کی لذت اور قبولیت کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ وہ عالمی پہاڑی ادبی سنگت کی مجلس ادارت کے بھی سرگرم رکن ہیں۔ان کا پہاڑی کلام چِٹکا اور شیرازہ میں شائع ہوا ہے۔ چند اشعار یہ ہیں:

اُڑنی تہارن والے پاسے جانے او
اساں غریباں کی قانون سکھانے او
ماڑے لوک تُساں کی چنگے نہیہ لگنے
چنگا چوخا تکی یاری لانے او
ہر ویلے پُھلاں نا موسم نہیہ رہنا
کنڈیاں کولوں کِسراں اکھ بچانے او
اساں ریال کماں تہ پہیجاں وطنے کی
تُساں خزانے وطنوں باہر چھپانے او
پردے نی گل پردے پچھے رہن دیو
بھٹی ماہڑے کولوں کے اخوانے او

ہندی شاعری:

محمد رفیق بھٹی نہ صرف پہاڑی بلکہ ہندی زبان پر بھی مہارت رکھتے ہیں۔انھوں نے چار آسمانی کتابوں کے علاوہ رامائن، مہا بھارت، بھگوت گیتااور گورو گرنتھ کا مطالعہ بھی کیا ہے۔اپنی تحریروں میں ویدوں، شاستروں، پرانوں اور اُپنشدوں کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ان کی ایک نظم ''گوروسیوک بنو، چرنوں کو چوموا ور دیا مانگو'' کے عنوان سے ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے استاد کے خدمت گار بنو، اُس کے قدموں میں بیٹھو اور اس سے علم طلب کرو۔یہ نظم سدھارتھ کی تعلیمات کے بارے میں ہے۔اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ علم ہی کی وجہ سے آدمی نجات پاتا ہے۔انسان کی اصل عبادت محبت ہے۔انسان کو پُر امید رہنا چاہیے۔اس کی نجات نیک عمل سے ہی ممکن ہے۔جب انسان محبت کے عظیم ترین مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے تو اس وقت خدا اس کی روح کے ساتھ جڑ جاتا ہے اور سارے پردے ہٹ جاتے ہیں۔اپنی ذات کی بجائے خدا کی یاد میں مستغرق رہنا اور فنا فی اللہ کا مقام حاصل کرنا ہی مکتی یا نروان کہلاتا ہے۔یہ نظم اتنی جامع ہے کہ اس میں بدھ مت، ہندو مت اور فلسفۂ اسلام کی حقیقت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔یہ انسانی تہذیب وتمدن کے عروج کو بیان کرتی ہے۔ہندی نظم درج ذیل ہے:

گوروسیوک بنو، چرنوں کو چوموا ور دَیا مانگو

ہمالہ کی چٹانوں میں کسی بوہڑی کے نیچے
دم بخود بیٹھے سدھارتھ نے پکارا ہے
مرے چیلے، مرے ودیارتھی، پریمی
جو میری پاٹھ شالاؤں میں بیٹھے دھیان کرتے ہیں
مرے اشلوک ہیں جن کی زبانوں پر
بھلے وہ سیتا پال آنند یا شادھوں سارے
کئی جنموں سے اس سنسار میں جونیں بدلتے ہیں
ابھی مکتی نہیں پائے مگر پرلوک کی خاطر
جنھیں نروان سے آگے نکل جانے کی آشا ہے

انھیں کہہ دو ارے پُرشو، ذرا ٹھہرو

تم اپنے دھیان میں کچھ گیان تو کر لو

تمھیں ان پاٹھ شالاؤں کی شکھشا کچھ نہیں دے گی

تمھارے من کی پُستک میں ابھی کچھ شبد باقی ہیں

جنھیں پڑھنا ضروری ہے

اُنھیں تم جب زبانی یاد کر لو گے

تو پھر نروان کی خاطر

کسی بوہڑی کے نیچے یوگ سے سنجوگ کر لینا

یہ دنیا تیاگ کر، سدھ لوک میں جانا

مجھے وشواس ہے پورا

یہ سب سنسار کلجگ اور کرجگ کی کہانی ہے

نہیں ہے بالکوں کا کھیل، جس کو گیان کہتے ہیں

پرتھوی اور اس آکاش میں جتنا بھی پانی ہے

یہ سب اس کی روانی ہے، نشانی ہے

یہ پوجا پریم کی پوجا ہے آشاؤں کی جوتی ہے

مُنش کے واسطے مُکتی بھلے کرموں سے ہوتی ہے

یہ بھکشو سیپ ہے اور گیان اس کے بیچ ہوتی ہے

ابھی تو شاؔد اور آنؔند میں اک یدھ کی حالت ہے

وہی یدھ جو مہا بھارت کی صورت میں
یدھشٹر اور دریودھن کی سیناؤں نے شکتی سے
کیا تھا کوروچھیتر میں
اگرچہ راج گدی کا کوئی ذرگت نہیں ان میں
مگر دونوں کو میں چیتاونی دوں گا
کہ تم میں جیتنے اور ہارنے والا نہیں کوئی
تمھارے پاس تو شکھشا کی شکتی ہے
مگر نروان شکھشا سے نہیں بھکشا سے ملتا ہے
سنو میرے پریمی، میرے چیلے شآداور آنند
میں بدھی مان ہوں آکاش اور پرکاش کی سوگند
اگر نروان سے آگے نکل جانے کی آشا ہے
تو دنیا تیاگ کر ''یشودھرا'' کو چھوڑنا ہوگا
''نہیں'' کے ساتھ اک سنجوگ اپنا جوڑنا ہوگا
کہیں پتھر کی مورت بن کے برسوں کے جنم بھوگو
فقط آٹے کی پیالی اور نمک کی ایک چٹکی تو نہیں کافی
یہ اگنی گھاٹ پر جا کر ستی ہونے کی صورت ہے
گروسیوک بنو، چرنوں کو چومو اور دیا مونگو
چلے ہو تم کہاں نروان سے آگے ذرا سوچو

کہ اس حالت میں مایا اور کایا کچھ نہیں ہوتا

نہ کوئی یاتری، نہ یاترا نہ یوگ ہے اس میں

کہیں سنجوگ ہے نہ سوگ ہے نہ روگ ہے اس میں

نہ بھکشا اور شکھشا کی ضرورت اس میں رہتی ہے

نہ کوئی پاٹھ ہوتا ہے یہاں ''ویدوں'' ''پرانوں'' کا

یہاں پر ماتما کو آتما کا دھیان ہوتا ہے

اسے کہتے ہیں مکتی اور یہی نروان ہوتا ہے [۲]

د: محمد رفیق بھٹی کا اپنے معاصرین سے تقابلی جائزہ:

آزاد جموں و کشمیر میں محمد رفیق بھٹی کے صفِ اوّل کے معاصرین کی تعداد محاورۃً ہی نہیں حقیقتاً بھی انگلیوں پر گنی جاسکتی ہے۔ تقسیمِ ہند کے بعد محمد رفیق بھٹی کے عہد میں شاعری اور نثر کے حوالے سے نمایاں ہونے والی معاصر شخصیات میں عبدالعلیم صدیقی، پروفیسر محمد اکرم طاہر، ڈاکٹر صابر آفاقی، نذیر انجم اور ڈاکٹر افتخار مغل شامل ہیں۔ اس عرصے میں اور بھی بہت سے لوگ اُردو ادب میں شاعری اور نثر کے میدان میں طبع آزما رہے ہیں۔ لیکن پورے ادبی منظرنامے میں یہی مذکورہ بالا پانچ شخصیات نمایاں ہوسکیں ہیں۔

عبدالعلیم صدیقی (۱۹۲۵ء تا ۲۰۰۹ء) فارسی اور اُردو کے استاد رہے ہیں۔ اعلیٰ پائے کے سنجیدہ اور مقصدیت سے لبریز شاعری کے قائل رہے ہیں۔ ان کے اُسلوب و افکار پر اقبالؔ کا بہت اثر ہے۔ بنیادی طور یوپی سے تعلق تھا۔ ہجرت کے بعد پاکستان آئے تو روزگار کے لیے آزاد جموں و کشمیر ہی میں رہ گئے۔ کشمیر میں سرکاری ملازمت کی وجہ سے ان کے ہاں بھی تحریکِ آزادی کے حوالے سے مزاحمتی رجحان نے جنم لیا۔ مجاہدین کا لہو گرمانے اور عام لوگوں کو آزادی کی خاطر جگانے کے لیے غلامی کی ذلّت اور آزادی کی نعمت کا احساس دلاتے رہے۔ چند اشعار یہ ہیں:

آئے ہو جو دنیا میں کر لو کوئی نادر کام
اچھا نہیں لگتا ہے گمنام گزر جانا

دل پہ بجلی سی گری ہو تو غزل ہوتی ہے
آہ سینے سے اٹھی ہو تو غزل ہوتی ہے

وطن کی ساری بستیوں کا جاگ جائے گا نصیب
قدم اٹھاؤ تیز تر کہ منزل آ گئی قریب

عبدالعلیم صدیقی کا اصل کام علامہ اقبال کی مکمل فارسی شاعری کا منظوم اُردو ترجمہ ہے۔ جس پر انھیں حکومتِ پاکستان کی طرف سے تمغۂ امتیاز سے بھی نوازا گیا۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

دل کو دیتا ہے میرے تابندگی سوزِ دروں
میری آنکھوں کو بنایا ہے جہاں بیں اشک و خوں

زندگی کی رمز سے وہ کیوں نہ ہو بیگانہ تر
عشق کو جو بندۂ ناداں سمجھتا ہے جنوں

اے کہ تو ماضی میں شیروں سے بھی لیتا تھا خراج
کر دیا ہے تجھ کو حاجت مندی نے روبہ مزاج

اے کہ عالم میں تیرا آنا شبابِ زندگی
اے کہ جلوہ ہے تیرا تعبیر خوابِ زندگی

نا خدا ہم خاکیوں کی ناؤ کا کوئی نہیں
عالمِ قرآں کہاں ہے جانتا کوئی نہیں

زندگانی ذکر کی گرمی سے وقت پاتی ہے

فکر کی پاکیزگی ہی حریت کہلاتی ہے
ہاتھ سے ہندی مسلمانوں کے سرداری گئی
جب سے ان کی ہمتوں سے بوئے کرّاری گئی

پروفیسر ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی عبدالعلیم صدیقی کے ترجمے کے حوالے سے رقمطراز ہیں: ''وہ اُردو میں اس طرح ترجمہ کرتے ہیں کہ بحر بھی وہی رہتی ہے۔صدیقی صاحب نے یہ کمال دکھایا ہے کہ ترجمہ کی بحر کو بھی برقرار رکھا ہے۔۔۔۔ان کا ترجمہ دلآویزی اور تاثیر سے خالی نہیں''۔[۳] ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں: ''ترجمہ کی زبان اور اندازِ بیاں وہی ہے جو اقبال کے اُردو کلام کا ہے اور ان کے افکار کے اظہار کا یہی موزوں ترین اُسلوب ہے۔زیرِ نظر ترجمہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے راقم ان کو مبارکباد پیش کرتا ہے''۔[۴] پروفیسر فتح محمد ملک کلیات اقبال فارسی کے منظوم ترجمے کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''ہمیں انھوں نے جو تحفہ دیا ہے وہ ہماری آنے والی نسلوں کے لیے متاعِ بیش بہا ہے اور ہمیں یہ پیغام دیا کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کو اقبال سے دور نہ ہونے دیں گے''۔[۵]

مزاحمتی ادب کے اعتبار سے محمد رفیق بھٹی اور عبدالعلیم صدیقی کا موضوع مشترک ہے۔لیکن عبدالعلیم صدیقی کے ہاں یہ مزاحمتی رویہ محض ایک رویہ ہی ہے جب کہ محمد رفیق بھٹی اپنی دھرتی کی غلامی کے دُکھ سے براہِ راست اور بذاتِ خود متاثر ہوئے ہیں۔اس لیے اُن کے ہاں ہمدردی،خلوص اور صداقتِ جذبات کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔اسی طرح محمد رفیق بھٹی اور عبدالعلیم صدیقی دونوں کے اُسلوب اور موضوع پر اقبالؔ کے اثرات کا مشترکہ رنگ ہے۔عبدالعلیم صدیقی اور محمد رفیق بھٹی میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اوّل الذکر صرف شاعر ہیں جب کہ مؤخر الذکر غیر افسانوی نثر کے حوالے سے بھی پہچانے جاتے ہیں۔عبدالعلیم صدیقی اُردو کے شاعر ہیں جب کہ محمد رفیق بھٹی نے اُردو کے ساتھ ساتھ پنجابی،گوجری،پہاڑی اور انگریزی وغیرہ میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔

محمد رفیق بھٹی کے معاصرین میں دوسری اہم شخصیت پروفیسر محمد اکرم طاہر(۱۹۳۲ء تا حال) ہیں۔ اکرم طاہر بنیادی طور گورداس پور مشرقی پنجاب سے تعلق رکھتے تھے۔ملازمت کے سلسلہ میں آزاد جموں کشمیر کے ہو کے رہ گئے۔وہ معاشیات کے پروفیسر رہے ہیں۔زمانہ طالب علمی میں لاہور کے ادبی ماحول اور عظیم ادبی

شخصیات کی صحبت سے فیض یاب بھی ہوئے ۔شاعری میں ان کا زیادہ تر کام غزل کی صورت میں ہے۔اکرم طاہر کی نظموں میں تحریکِ آزادی کے حوالے سے جذبۂ حریت،شہدا اور غازیوں کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے۔وہ محمد رفیق بھٹی کے اُستاد بھی ہیں۔اکرم طاہر کے ہاں مزاحمتی رجحان اتنا نمایاں نہیں جس قدر یہ رجحان محمد رفیق بھٹی کی پہچان ہے۔اکرم طاہر بھی محمد رفیق بھٹی کی طرح اُردو کے علاوہ پنجابی میں بھی لکھتے ہیں۔اکرم طاہر کے ہاں جدید زندگی کے مسائل اور انسانی رویوں کے بارے میں خاصا مواد ملتا ہے جب کے محمد رفیق بھٹی کے ہاں زندگی کے یہ ہنگامی موضوعات نسبتاً کم ہیں۔ چند اشعار درج ذیل ہیں:

کیوں ان سے سر سری سی ملاقات کیجیے
اب کے ملیں تو کھل کے ذرا بات کیجیے

کتنے گھر بے چراغ ہیں لیکن
جگمگاتے ہیں قمقموں سے مزار

دوستو! میری غزل
گدلے پانی کا کنول

آپوں پئے ٹھیڈے کھانے آں
ہوراں نوں راہے پانے آں

کشمیر بھی اپنا جموں بھی ہمارا
ایک چاند کا ٹکڑا اور ایک ستارا

ڈاکٹر وزیر آغا اکرم طاہر کی غزل کے حوالے سے لکھتے ہیں:''اکرم طاہر کی یہ غزلیں وہ نرم و نازک پیمانے ہیں جن میں عرفانِ ذات اور شعورِ کائنات کے عناصر یکجا ہوگئے ہیں''۔[۶] پروفیسر مسرت صبوحی اکرم طاہر صاحب کی نظموں کے حوالے سے رقمطراز ہیں:'' پروفیسر محمد اکرم طاہر کی نظمیں اپنے اندر جذباتی انداز لیے ہوتی ہیں جو قاری کو اپنے سحر میں گرفتار کر لیتے ہیں''۔[۷]

محمد رفیق بھٹی اور اکرم طاہر کے ہاں تحریکِ آزادی، انسانیت نوازی اور انسان دوستی کا موضوع مشترک ہے۔لیکن محمد رفیق بھٹی کی طرح اکرم طاہر کی پہچان کلی طور ایک مزاحمتی شاعر کی نہیں۔

ڈاکٹر صابر آفاقی (۱۹۳۳ء تا ۲۰۱۱ء) محمد رفیق بھٹی کے ایک اہم معاصر ہیں۔صابر آفاقی مظفر آباد سے تعلق رکھتے تھے۔وہ اُردو فارسی کے استاد رہے۔محمد رفیق بھٹی کی طرح صابر آفاقی نے بھی اُردو کے ساتھ ساتھ گوجری اور پہاڑی میں بھی شاعری کی۔صابر آفاقی کے ہاں بھی ایک کشمیری کی حیثیت سے تحریکِ آزادی کا موضوع اور مزاحمتی رنگ نمایاں ہے۔صابر آفاقی کے ہاں دیگر موضوعات بھی ہیں لیکن ان کی شاعری عاشقانہ سے زیادہ واعظانہ ہے۔ان کے ہاں بھی اقبالؔ کے اثرات واضح ہیں۔انسانی مساوات، محبت، ہمدردی اور اتفاق جیسی اقدار کو صابر آفاقی نے اپنی شاعری میں جگہ جگہ بیان کیا ہے۔اصلاحی شاعری میں صابر آفاقی محمد رفیق بھٹی سے قدرے مختلف ہیں۔دونوں میں ایک مشترک خصوصیت یہ بھی ہے کہ دونوں کے ہاں گُل وبُلبُل کی نغمہ سرائی کے بجائے غمِ حیات کی تلخ نوائی زیادہ ہے۔اُن کا نمونہ کلام یہ ہے:

بہانہ بھی نہیں آتا کوئی اس سادہ لڑکی کو
کہ وہ لے کر کبھی بیٹھک میں پانی نہیں آتی

بن جائیں اگر جنسِ محبت کے امیں لوگ
دھرتی کو بنا سکتے ہیں فردوسِ بریں لوگ

سوز و گداز و جہد و مشقت ہے زندگی
وہ مر گیا جو دہر میں راحت طلب ہوا

ناز ہے تم پر ابھی تک جموں و کشمیر کو
اپنے پاؤں پر جھکایا تم نے چرخِ پیر کو

ڈاکٹر انور سدید صابر آفاقی کی شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''ان کی شاعرانہ حیثیت کا مکمل احاطہ بھی وہی شخص کرسکتا ہے جو بیک وقت اُردو، فارسی، پنجابی اور گوجری زبان سے کامل آگاہی رکھتا ہو۔اس لیے کہ

ان چاروں زبانوں میں انھوں نے بڑے معیاری شعر تخلیق کیے ہیں''۔[۸] دہلی یونی ورسٹی کے رئیس شعبہ فارسی ڈاکٹر امیر حسن عابدی لکھتے ہیں: ''صابر آفاقی قرنِ حاضر میں فارسی سخن گوئی میں ایک بہت بڑا نام ہے''۔[۹]

نذیر انجم (۱۹۴۶ء تا ۲۰۱۴ء) سیاسیات کے استاد رہے ہیں۔میر پور سے تعلق تھا۔حبُ الوطنی، جذبۂ حرّیت سے لبریز سخن گوئی نذیر انجم کا بنیادی حوالہ ہے۔اس لیے ان کے برتے گئے دیگر موضوعات قارئین و ناقدین کے ہاں زیادہ نمایاں نہیں ہو سکے۔تحریکِ آزادی جموں و کشمیر کا سلگتا ہوا موضوع محمد رفیق بھٹی اور نذیر انجم دونوں کے ہاں بہت نمایاں ہے۔اس وجہ سے دونوں کے ہاں زیادہ اشتراک پایا جاتا ہے۔البتہ اُسلوب کے اعتبار سے محمد رفیق بھٹی پر اقبالؔ جب کہ نذیر انجم کے اسلوب پر فیضؔ اور احمد فرازؔ کا رنگ جھلکتا ہے۔نذیر انجم کے ہاں آزادی، امن اور انسانیت نوازی کا موضوع شاعری کا حصہ ہے جب کہ یہی موضوع اور انسانی اقدار محمد رفیق بھٹی کے ہاں بھی موجود ہیں۔محمد رفیق بھٹی اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ نذیر انجم کے قریب ہیں۔کیوں کہ دونوں کی شاعری کی پہچان وطن کی غلامی کا شدید اور مشترکہ احساس ہے۔البتہ نذیر انجم نے نثر میں اتنا کام نہیں کیا جتنا محمد رفیق بھٹی نے کیا ہے۔نذیر انجم کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

اگرچہ ان کی رفاقت نہیں ہے راس مجھے
رہا ان سے تعلق کا پھر بھی پاس مجھے

یوں امیدوں کے باب بند ہوئے
اب تو جینے کی آرزو بھی نہیں

ظلم کو امن عداوت کو وفا کہتے ہیں
کیسے نادان ہیں صر صر کو صبا کہتے ہیں

میرے کشمیر! ذرا جاگ کہ کچھ جاہِ طلب
غیر کو تیرے مقدر کا خدا کہتے ہیں

نعرہ ہی نہیں ایمان ہے یہ آزادی کے متوالوں کا
کشمیر کا ذرہ ذرہ ہے کشمیر کے رہنے والوں کا

پروفیسر افتخار مغل انھیں رجحان ساز مزاحمتی شاعر قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''کشمیر میں شعری ادب کے اُفق پر نذیر انجم بیسویں صدی کے اہم ترین اور رجحان ساز مزاحمتی شاعر کے طور ابھر کر سامنے آئے ہیں''۔[۱۰] قمر الاسلام ثاقب نذیر انجم کو چشمِ بینائے کشورِ کشمیر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ان کی شاعری کشمیر پر قابض سامراجی طاقتوں کے خلاف اظہارِ بغاوت ہے۔ اس حوالے سے وہ یقیناً کشمیر کا دیدۂ بینا اور نفسِ ناطقہ ہیں۔ وہ کشمیر کی نژادِ نو کے ترجمان، نمائندہ اور مقبول ترین شاعر ہیں''۔[۱۱] قدرت اللہ شہاب ان کے کلام کے حوالے سے رقمطراز ہیں: ''ان کے کلام کی سب سے نمایاں بات ظلم کے خلاف ان کا بہادرانہ رویہ ہے۔۔۔ آزاد کشمیر کے صاحبانِ علم وادب کو نازاں ہونا چاہیے کہ ایسا صاحب اُسلوب اور منفرد غزل گو شاعر بھی ہم میں موجود ہے''۔[۱۲] ڈاکٹر غلام حسین اظہر انھیں دکھی انسانیت کے ضمیر کی آواز قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وہ ایسے سماج کی بنیاد رکھنے کا بھی متمنی ہے جس میں طبقاتی اونچ نیچ نہ ہو۔۔۔ اس کی شاعری عزم و حوصلہ بخشتی ہے''۔[۱۳]

ڈاکٹر افتخار مغل (۱۹۶۱ء تا ۲۰۱۱ء) بھی محمد رفیق بھٹی کے اہم معاصر ہیں جن کے ہاں نثر اور شاعری دونوں میں اچھا خاصا مواد تخلیق ہوا ہے اور جنھوں نے آزاد جموں کشمیر میں محمد رفیق بھٹی کے صفِ اوّل معاصرین شعرا و ادبا میں اپنی جگہ بنا لی ہے۔ افتخار مغل بھی اُردو کے استاد رہے ہیں۔ شاعری کے حوالے سے ان کے ہاں نظم کا حصہ زیادہ نمایاں اور قابلِ ذکر ہے۔ ان کی نظموں میں تحریکِ آزادیٔ جموں کشمیر کا موضوع پوری طرح غالب ہے۔ دونوں شعرا کی بطور شاعر پہچان مشترکہ ہے۔ مزاحمتی رویہ اور جذبۂ حبُ الوطنی کو ایک بے چین اور حساس فرد کی طرح بیان کیا ہے۔ افتخار مغل نے بھی محمد رفیق بھٹی کی طرح شاعری کے ساتھ نثر میں بھی ادب تخلیق کیا ہے۔ وہ بھی کئی ادبی رسائل اور علمی و ادبی تنظیموں سے وابستہ رہے ہیں۔ البتہ جامعاتی تحقیق کے حوالے سے افتخار مغل محمد رفیق بھٹی سے آگے ہیں۔ انھوں نے آزاد جموں کشمیر میں کی جانے والی اُردو شاعری اور نثر پر الگ الگ تحقیق کر کے آنے والے ناقدین و محققین کے لیے آسانی پیدا کی ہے۔ اُن کا نمونہ کلام درج ذیل ہے:

زرد رو تنگیٔ حالاتِ زمانہ کے قتیل
چہرے تابندہ مگر دل میں سلگتے ارماں
کتنے پر عزم نظر آتے ہیں ہر سمت مگر

میرے کشمیر کے بیٹے میری دھرتی کے جواں
میرے وطن تو مجھے ہو بہو ہے ماں کی طرح
نہ گُلستان کی طرح اور نہ آشیاں کی طرح
وطن۔ وہ نام جو احساس میں خوشبو جگاتا ہے
وطن۔ جو روح کی پنہائیو ں کو گدگداتا ہے
دنیا کے مہذب انسانو! کشمیر توجہ چاہتا ہے
کشمیر کے شہر سلگتے ہیں کشمیر کی گلیاں جلتی ہیں

ہ: کشمیر کے معاصر شعرا میں ادبی دنیا میں مقام و مرتبہ:

محمد رفیق بھٹی کے مطالعہ کا میدان بڑا وسیع ہے۔ انھوں نے نہ صرف اُردو ادب کے تمام مکاتب فکر کے ادیبوں سے استفادہ کیا ہے بلکہ ہندی، فارسی، انگریزی، پنجابی، پہاڑی اور گوجری ادب پر بھی ان کی گہری نظر ہے۔ اس اعتبار سے یہ ہفت زبان ادیب ہیں جن میں اُردو، انگریزی، فارسی اور ہندی تو عالمی زبانیں ہیں جبکہ پنجابی، پہاڑی اور گوجری علاقائی ہیں۔ ان ساری زبانوں کے منظوم اور منثور تحریریں ان کے علمی و ادبی اثاثوں کا حصہ ہیں۔ ان زبانوں میں تخلیقی قلمکاری اعجاز سے کم نہیں۔ ادب کی ہر صنف سے بخوبی آگاہ ہونے اور عصری ادبی ضروریات سے ہم آہنگی نے ان کی تخلیقات کو عصری ادب میں نمایاں مقام عطا کیا ہے۔

آزاد کشمیر کے نامور اہلِ علم و فضل نے سیف الملوک آرٹس اکیڈمی کے زیرِ اہتمام محمد رفیق بھٹی کے اعزاز میں ان کی موجودگی میں منعقدہ تقریب ایک شام پروفیسر محمد رفیق بھٹی کے نام میں جو مقالات پڑھے ان کے بین السطور تنقیدی جائزہ سے اس مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ انھوں نے علم و ادب کے میدان میں جس علمی و قلمی وابستگی اور دیانتداری سے کام کیا ہے وہ سراہے جانے کے لائق ہے اور معاصر ادب میں ان کا کردار ادبی دنیا کے لیے قابلِ توثیق و تقلید ہے۔

محمد رفیق بھٹی اس اعتبار سے جداگانہ حیثیت کے مالک ہیں کہ انھوں نے نظم و نثر دونوں میدانوں میں

اپنی قلم اور فکر کو کامیابی سے بروئے کار لایا ہے۔ ستونِ دار ، لہو نگر اور ریگ زاران کی منظوم طبع شدہ کتب ہیں۔ محسنین کشمیر، قرض حسنہ اور میاں محمد بخشؒ شخصیت و فن ایک تنقیدی جائزہ ان کی تحقیقی نثری مطبوعات ہیں۔ جبکہ دوستی کا سفر ، ایران صغیر سے ایران کبیر تک، حرمین کے مسافر اور آسمانی شہر کا زمینی سفر ان کے پرمغز اور فکر انگیز سفر نامے ہیں۔ یوں ان کی علمی و ادبی اور قلمی جہتوں میں تنوع ہے۔ طالب علمی سے لے کر تا دمِ تحریر ان کا قلم کلاسیکی و نیم کلاسیکی ادبی روایات کے ساتھ عصری ادبی تقاضوں سے جڑا ہوا ہے۔ اتنی ساری فکر انگیز تخلیقی کاوشوں کے باوجود انکساری اور عاجزی کا عالم دیکھیے کیا کہتے ہیں:

میں ناداں ہوں مجھے اس کی خبر ہے
یہی اک بات ہے جو معتبر ہے
وقت کے ریگ زار میں آبلہ پا رواں ہوں میں
لیکن مجھے نہیں خبر پہنچا ہوا کہاں ہوں میں

محمد رفیق بھٹی کی بیٹی فرحت رفیق نے ریگ زار کے اختتام پر مفصل مضمون بعنوان ''پروفیسر محمد رفیق بھٹی کا علمی ادبی سفر'' قلمبند کیا ہے۔ اس کا آخری جملہ یوں ہے: ''اتنی ہمہ جہت علمی و ادبی شخصیت کے علم و فضل سے آئندہ نسلوں کو واقف رکھنے کی ضرورت ہے''۔[۱۴] محمد رفیق بھٹی نے معاصر ادب سے اِکتساب بھی کیا ہے اور اسے متاثر بھی کیا ہے۔ ریگ زار میں حرف تمنا کے عنوان سے لکھتے ہیں:

> ہر شاعر کا اپنا ایک فکری ،نظری اور علمی پسِ منظر ہوتا ہے۔ اس کے کلام کا مطالعہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ قاری اس پسِ منظر کو بڑی حد تک سمجھتا ہو۔ میری غزلیں میرے افکار سے سے زیادہ میرے حالات کی ترجمان ہیں اور بڑی حد تک غزل کے رائج الوقت معیار سے ہٹ کر ہیں ۔ یہ ماضی اور مستقبل سے زیادہ حال کی غماز ہیں۔ لیکن ماضی اور حال سے مبرا نہیں۔ آنے والی نسلیں ان سے زیادہ استفادہ کر سکیں گی۔ یہ حُسن و عشق سے زیادہ فکر و فن کی ترجمان ہیں۔ ان میں جمالیات سے زیادہ واجبات غالب ہیں۔ ان میں گُل و بُلبُل کی نغمہ سرائی کم اور غمِ حیات کی تلخ نوائی زیادہ ہے۔ البتہ یہ آزاد فکر کی آئینہ دار ہیں۔ جامد تقلید اور بے کیف روایت ان میں بہت کم ہے۔[۱۵]

محمد رفیق بھٹی نے کشمیر کی علمی و ادبی تنظیموں کی تشکیل اور تقریبات میں ہمیشہ نمایاں طور حصہ لیا۔ گوجری ادبی سنگت کے صدر اور عالمی پہاڑی ادبی سنگت کے کنوینیر رہے ہیں۔ ادبیکا آزاد کشمیر کے بھی سرپرست رہے۔ انھوں نے واٹ فورڈ یُو۔کے میں بزمِ ادب کا قیام بھی عمل میں لایا۔ آل پاکستان راجپوت بھٹی ایسوسی ایشن لاہور کے سینئر نائب صدر چنے گئے۔ آل پاکستان راجپوت فیڈریشن لاہور نے ان کی علمی، ادبی اور سماجی خدمات کے اعتراف میں گولڈ میڈل اور امتیازی سند عطا کی۔ ۲۰۰۲ء میں سیف الملوک آرٹس اکیڈمی راولپنڈی نے انھیں ''خدمتِ ادب میر کلاں ''ایوارڈ عطا کیا۔ ۲۰۰۸ء میں آزاد حکومت ریاست جموں وکشمیر نے انھیں علمی و ادبی خدمات پر ایوارڈ، سندِ امتیاز اور نقد انعام سے نوازا۔ ۲۰۱۷ء میں بزمِ سُخن ہانگ کانگ نے انھیں ایوارڈ سے سرفراز کیا۔ آج کل بھی وہ کشمیر نیشنل آرٹس کونسل (رجسٹرڈ) میرپور، دائرہ نو بہ نو، بزمِ اہلِ قلم، بزمِ سوز، اقبال اکیڈمی، سیف الملوک اکیڈمی اور ادبی جھوک سے گہری وابستگی رکھتے ہوئے ان کی محفلوں میں شریک رہتے ہیں۔ جنوری ۲۰۱۸ء میں انھیں کشمیر ادیب فاؤنڈیشن (کاف) کی سپریم کونسل کا سینئر ممبر منتخب کیا گیا۔ وہ آزاد کشمیر لیکچررز ایسوسی ایشن کے صدر منتخب ہوئے۔ آزاد کشمیر پرنسپل ایسوسی ایشن کے کنوینیر بنائے گئے۔ علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی کے پینل آف رائٹرز میں شامل رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد قائدانہ صلاحیتوں کے باعث آزاد کشمیر پرائیویٹ کالجز ایسوسی ایشن کے صدر بھی منتخب ہوئے۔

کشمیر کے حوالے سے انھیں اسلام آباد، دہلی، لاہور، تہران، لندن، لوٹن، برمنگھم، لیڈز اور بریڈفورڈ کی کشمیر کانفرنسوں میں شرکت کا اعزاز حاصل ہے۔ دہلی میں کرائسز مینجمنٹ کے زیرِ اہتمام جامعہ ملیہ اسلامیہ اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی کی انٹرنیشنل کانفرنسوں میں شرکت کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں ریڈیو پاکستان راولپنڈی، آزاد کشمیر ریڈیو تراڑکھل، آزاد کشمیر ریڈیو مظفرآباد اور میرپور کے علمی، ادبی اور قومی پروگراموں میں متعدد بار شرکت کر کے داد حاصل کر چکے ہیں۔ قومی اخبارات اور جرائد خاص طور لہران، قرطاس، تہذیب، شمس بری، شیرازہ، مہار و ادب، چٹکا، میزان، نردبان، خبرنامہ، کہکشاں، نویدِ سحر، سروش، جنبشِ قلم، اپنا دیس، مستقبل، عکس کشمیر، بھروسہ، سرپرائز انٹر نیشنل اور عطا میں تعلیمی، سیاسی، معاشی، معاشرتی او راخلاقی موضوعات پر بھی ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ انھوں نے اکتوبر ۱۹۸۳ء میں منعقدہ آل پاکستان محفل مشاعرہ، جنوری ۱۹۸۴ء میں منعقدہ آل پاکستان امام حسینؓ کانفرنس اور آل پاکستان میاں محمد بخشؒ کانفرنس جیسی اہم تقریبات کی نظامت کے فرائض ادا کرنے کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ روزنامہ جنگ، نوائے وقت اور اوصاف لندن میں بھی ان کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ برطانیہ (نانگھم) میں قائم ادبی تنظیم ''کاویا رنگ'' ان کے اعزاز میں محفل منعقد کر کے ایوارڈ دے چکی ہے۔ اولڈھم کالج برطانیہ، بری کالج برطانیہ اور ڈیوز بری کالج برطانیہ کی طرف سے بھی انھیں ایوارڈز اور امتیازی اسناد دی گئی ہیں۔

محمد رفیق بھٹی نہ صرف کشمیر کے معاصر اُردو ادب میں بلکہ بین الاقوامی شہرت یافتہ ادیب، شاعر، دانشور اور ماہرِ تعلیم استاد کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ وہ ادبی دنیا میں اعلیٰ مقام و مرتبہ کے حامل منفرد شاعر ہیں۔ شاعر ہمیشہ ازلی اور ابدی سچائیوں کا علم بردار ہوتا ہے۔ سچی شاعری آفاقی اور ہمہ گیر ہوتی ہے۔ شاعری شہرت کا باعث ضرور بنتی ہے لیکن شاعری کا مقصد شہرت نہیں ہوتا۔ زندگی کو پُرکشش بنانا اور زندگی سے پیار کرنا اور سکھانا ہر اچھے شاعر کا مقصد رہا ہے۔ انھوں نے بھی اپنی شاعری کے ذریعے امن، محبت، اُخوّت، مساوات، انصاف اور انسان دوستی کے جذبہ کو فروغ دیا ہے۔ نثر میں وہ جداگانہ اُسلوب رکھتے ہیں۔ ان کی نثری تصانیف کشمیر کے معاصر اُردو ادب میں گراں قدر اضافے کے ساتھ ادبی دنیا میں ان کے مقام و مرتبہ کی واضح دلیل ہیں۔

ہمارے معاشرے کی یہ پختہ روایت ہے کہ کسی بھی شخص کے سفرِ آخرت پر روانہ ہو جانے کے بعد مثبت یا منفی یا ملی جلی رائے کا اظہار کیا جاتا ہے۔ بلکہ اکثر ایم۔فل اور پی۔ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ (تھیسس) لکھنے کے لیے بھی کسی کے دُنیا سے چلے جانے کے بعد ہی متعلقہ موضوع تفویض کیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جانے والی شخصیت کے لیے اپنی صفائی یا تشریح و تصریح کی گنجائش بھی ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکی ہوتی ہے۔ اکثر موقعوں پر انتہائی ضروری تشریح طلب نکات محض سرگردانی اور سر پھٹول کا سبب بن کر وضاحت طلب اور نامکمل رہ جاتے ہیں۔

کسی ادیب، شاعر کو زندگی میں ہی عزت ملنا باعثِ افتخار ہے۔ انھوں نے مسلسل محنت، مطالعہ اور جانفشانی سے ادبی دنیا میں ایک نام پیدا کر لیا ہے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں عزت، شہرت، مقبولیت اور مقام و مرتبہ دیکھ لیا ہے۔ ایک شام پروفیسر محمد رفیق بھٹی کے نام ان کی علمی، ادبی و قومی خدمات کا اعتراف ہے جس میں ملک کے نامور شعرا اور اساتذہ نے انھیں زبردست خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اب تک ان کی علمی، ادبی اور فکری کاوشوں اور تخلیقات پر کئی ایک اہلِ علم اظہار رائے کر چکے ہیں۔

محمد رفیق بھٹی کا کشمیر کے معاصر شعرا اور ادبی دنیا میں مقام و مرتبہ کو آزاد کشمیر کے نامور شعرا، اساتذہ اور اہلِ علم کی آرا کی روشنی میں بذیل بیان کیا جاتا ہے:

محمد رفیق بھٹی کے استادِ محترم محمد اکرم طاہر رقمطراز ہیں: ''محنت مطالعہ اور لگن سے انھوں نے نظم اور نثر میں اپنے لیے ایک مقام پیدا کر لیا ہے جس پر مجھے فخر ہے''۔[۱۶] پروفیسر نذیر انجم ان کو وطن کا دردمند شاعر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: '' آزادی و انقلاب ان کی شاعری کا محور ہیں۔۔۔ یہ نظمیں اپنے دور کی نمائندہ بھی ہیں

اورنظریاتی و روحانی کشمکش کی ترجمان بھی''۔ [۱۷] پروفیسر امین طارق قاسمی رقمطراز ہیں:''پروفیسر محمد رفیق بھٹی کا نام آزاد کشمیر کے علمی و ادبی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔۔۔اُردو نظم و نثر کے میدانوں میں یکساں طبع آزمائی کی۔ متعدد ادبی تنظیموں کی تشکیل اور تکمیل میں حصہ لیا اور جہاں بھی گئے داستاں چھوڑ آئے''۔ [۱۸] مشتاق شاؔد ان کی شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں:''رفیق بھٹی حساس اور دردمند دل رکھنے والے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کو عام سی شاعری سمجھ کر اس سے اغماض نہیں برتا جا سکتا۔ یہ سچے لفظوں اور سچے جذبوں کی شاعری ہے''۔ [۱۹] کشمیر اکیڈمی مظفر آباد کے ڈائریکٹر جواد جعفری لکھتے ہیں:''پروفیسر محمد رفیق بھٹی نے مختصر عرصے میں نہ صرف آزاد کشمیر بلکہ پاکستان کے علمی ادبی حلقوں میں جو مقام پیدا کر لیا ہے اس میں ان کی محنت کے ساتھ ساتھ ان کی دلآویز اور مرنجاں مرنج شخصیت کا بھی حصہ ہے''۔ [۲۰] ذوالفقار علی اسد محمد رفیق بھٹی کی شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں:'' ان کی شاعری نے عصرِ رواں کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ ان کے اشعار آلام و حوادث، آشوب، آہوں، سسکیوں اور اشکوں کے ترجمان ہیں''۔ [۲۱]

بابائے گوجری رانا فضل حسین (تمغۂ پاکستان) محمد رفیق بھٹی کی شاعری اور مقام و مرتبہ کے حوالے سے رقمطراز ہیں:'' ان کی شاعری مولانا حالیؒ، میاں محمد بخشؒ، اکبر الہ آبادی، علامہ اقبالؒ اور ظفر علی خان کے سچے اور سُچے خیالات سے ہم آہنگ نظر آتی ہے۔ اس میں جوش، سچ اور کھرا پن بھی ہے۔۔۔بھٹی صاحب جموں و کشمیر کے قومی شاعر ہیں''۔ [۲۲] ذاکر نسیم انھیں وطن کا شاعر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:''وہ قلم کی نوک کو ایٹم بم سے زیادہ طاقتور سمجھتے ہیں۔۔۔نظم ہو یا نثر جو بات ان کے جذبات، حواس اور افکار کو متاثر کرتی ہے وہ کمال جرأت سے براہ راست کہہ دیتے ہیں''۔ [۲۳]

پروفیسر محمد عارف کمپلوی عظمت کی دلیل کے عنوان سے رقمطراز ہیں:''خوشی کی بات ہے کہ بھٹی صاحب ابھی زندہ ہیں اور زندگی میں ہی پتھر کھانے کے ساتھ ساتھ صاحبِ شام کے مقام پر بھی آ گئے ہیں۔ یہ ان کی عظمت کی دلیل ہے کہ ان کے ساتھ خوبصورت محفل شام منائی جا رہی ہے''۔ [۲۴] بوٹا خان راجؔس ان کی شاعری کے حوالے سے لکھتے ہیں:''بھٹی صاحب وطن کی مٹی سے بے پناہ محبت کرنے والے قلمکار اور آزادی کے متوالے ہیں۔ ان کی شاعری میں وطن ایک قوت کی حیثیت رکھتا ہے''۔ [۲۵] پروفیسر محمد اکرم طاہر ان کے مقام و مرتبہ کے حوالے سے اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:'' ان کے قلم نے ایسے نثر پارے اور نظم پارے

تخلیق کیے ہیں جن پر ان کے اہلِ وطن ناز کر سکتے ہیں۔نظم ونثر میں مزاحمتی ادب تخلیق کیا۔ایک کثیر الجہات شاعر اور ادیب ہیں''۔[۲۶]

پروفیسر افتخار مغل محمد رفیق بھٹی کے ادبی دنیا میں مقام ومرتبہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:'' آپ آزاد کشمیر کی غزل کے چند اہم ترین شاعروں میں سے ایک ہیں۔اپنے منفرد اُسلوب اپنے موضوعات کے پھیلاؤ، اپنے تلازموں کے نئے پن اور اپنی جدید تخلیقی اور عصری حسیت(modern sensibilty) کے اعتبار سے''۔[۲۷] ماہر اقبالیات پروفیسر محمد عرفان چودھری لکھتے ہیں:'' شاعرِ خوش الحان جناب رفیق بھٹی نے کبھی فیض احمد فیض کی طرح غمِ جاناں کا نغمہ بھی گایا تھا۔مصنف ایک با صلاحیت قلمکار ہیں اور مختلف موضوعات پر قلم اٹھا کر خوبصورت ادب تخلیق کیا ہے''۔[۲۸] پروفیسر عبدالعلیم صدیقی ان کے فن اور نظموں کے حوالے سے رقمطراز ہیں: '' آپ نے بھی یہ کمال کر دکھایا ہے تحریکِ حریتِ کشمیر کے موضوع پر مختلف انداز اور پیرایوں میں اس طرح طبع اظہار کے مرحلوں سے گزرتے ہیں کہ فن مجروح نہیں ہوا۔یہ نظمیں اس لائق ہیں کہ تحریک آزادی کشمیر میں ایک تازہ ولولہ پیدا کریں''۔[۲۹]

زید اللہ فہیم انھیں زود گو اور خوب گو قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:''بھٹی صاحب ایک اچھے شاعر ہیں ساتھیوں میں انھیں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ایک فطری شاعر ہیں۔آسان لکھتے ہیں۔ان کی کتابیں اور کام رہتی دنیا تک باقی رہے گا''۔[۳۰] احمد عطا اللہ ان کی شاعری کے حوالے سے کہتے ہیں:''ان کا شاعری میں اپنا منفرد انداز ہے۔ان کی شاعری میں ایک مقصد، ایک نعرہ اور پیغامِ حریت موجود ہے۔نظم میں مضبوط شعری حوالہ رکھتے ہوئے وہ مختلف قسم کے شاعر ہیں''۔[۳۱] ملک محمد ابراہیم گل کہتے ہیں:''بھٹی صاحب کا آزاد کشمیر کے ادب میں ایک بہت بڑا اور معتبر نام ہے۔شاعری میں، نثر میں اور درس وتدریس میں بھی۔آزاد کشمیر کے ادب کو پروان چڑھانے میں ان کا بڑا کردار ہے۔وہ پختہ قلم کار ہیں۔آنے والے دور میں انھیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا''۔[۳۲]

مخلص وجدانی محمد رفیق بھٹی کی شاعری اور مقام ومرتبہ کے حوالے سے کہتے ہیں:'' بھٹی صاحب بڑی فکر، سنجیدہ اور مدبر قسم کے شاعر ہیں۔اپنی بات کو نہایت خوب صورتی سے شاعری میں بیان کرتے ہیں۔افتخار مغل کے ساتھ ساتھ ان کا نمبر آتا ہے۔گوجری شاعری میں بھی ان کا مقام بلند ہے''۔[۳۳] اکرم سہیل کشمیر کے

معاصرادب میں ادبی دنیامیں اُن کے مقام و مرتبہ کے حوالے سے کہتے ہیں:'' اُن کی شاعری سورج کی مانند قومی شاعری ہے ۔جس میں کشمیری عوام کا دکھ اور سماجی وسیاسی معاملات کا بیان بھی ہے۔اُن کے اشعار ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔اُن کی شاعری میں انسانیت کا درس ہے۔وہ اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔اُن کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے''۔[۳۴] بابائے گوجری رانا فضل حسین کہتے ہیں:''میرے نزدیک کشمیر میں چوٹی کے لوگ بہت کم ہیں ۔چوٹی کے لکھنے والوں میں ان کا نام سرِ فہرست شعرا میں شامل ہے۔یہ ادب کی دنیامیں ہرفن مولا ہیں''۔[۳۵] پروفیسر محمد اکرم طاہر کہتے ہیں:'' بھٹی صاحب قادر الکلام شاعر ہیں۔انھوں نے شاعری کو اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا ہے اور اپنے نظریات کو بلندی کے ساتھ بیان کیا ہے ۔اُن کی شاعری اُن کی پہچان بن گئی ہے''۔[۳۶]

محمد افضل صابری کہتے ہیں:''اُنھیں معاصر اُردو ادب سے خارج نہیں کیا جا سکتا ۔وہ بہت بڑے انقلابی شاعر ہیں۔بلا شبہ اُن کا بڑا مقام ہے''۔[۳۷] ماسٹر عبدالوہاب تبسم کہتے ہیں :''بھٹی صاحب نے اُردو اور پنجابی شاعری میں بہت اعلیٰ پائے کا ادب تخلیق کیا ہے۔وہ اپنے ماحول کی عکاسی بڑی خوب صورتی سے کرتے ہیں۔وہ انسان کو شاعری کے ذریعے سیدھے راستے پر چلاتے ہیں''۔[۳۸]

محمد رفیق بھٹی کا معاصر اُردو ادب میں مقام و مرتبہ کے حوالے سے پروفیسر محمد نذیر مسکین رقمطراز ہیں:''وہ جموں کشمیر کے معاصر اُردو ادب کے نامور شعرا کی زنجیر کی ایک اہم کڑی ہیں۔وہ محض سلسلۂ شعرا کا تمتہ نہیں بلکہ اس کا حصہ ہوتے ہوئے بھی اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔ان کے تذکرے کے بغیر آزاد جموں و کشمیر کا معاصر ادبی منظر نامہ مکمل نہیں ہوتا''۔[۳۹]

مجموعی جائزہ:

جب محمد رفیق بھٹی کے حالاتِ زندگی ،شاعری اور تخلیقی و تحقیقی نثر کا ان کے معاصرین سے موازنہ کرتے ہیں تو رجحانات،موضوعات اور اُسلوب کے حوالے سے وہ زیادہ مختلف نہیں ہیں۔البتہ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ اپنے ان معاصرین میں سے سب سے زیادہ ہجرت کے کرب سے گزرے ہیں اور جموں کشمیر پر قابض قوتوں کے ظلم کا نشانہ بھی بنے اور خاندان بھی تقسیم ہوئے۔ان معاملات میں ان کا کوئی بھی معاصر ان جیسے تجربات و مشاہدات سے نہیں گزرا۔اسی طرح محمد رفیق بھٹی نے اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ غیر ملکی

دورے بھی کیے اور اپنے تجربات و مشاہدات کو داخلیت سے مملو کر کے اپنی تخلیق کا حصہ بنایا۔ وہ اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ علمی و ادبی تنظیموں اور تنظیمی سرگرمیوں سے وابستہ رہنے والے متحرک شخص ہیں۔ اسی طرح محمد رفیق بھٹی کا تعلق خطہ پونچھ سے ہے جو تحریکِ آزادی کے مختلف ادوار میں مسلح کارروائیوں اور طالع آزماؤں کی تجربہ گاہ رہا ہے۔

معاصر ادب میں ان کا کردار ادبی دنیا کے لیے قابلِ توثیق و تقلید ہے۔ آزاد کشمیر کے نامور شعرا اور اہل قلم و علم نے انھیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔ رجحانات و موضوعات اور اُسلوب کے اعتبار سے محمد رفیق بھٹی کا اپنے معاصرین سے اختلاف و اشتراک اپنی جگہ۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ محمد رفیق بھٹی اپنے عہد کے آزاد جموں کشمیر کے چند گِنے چُنے صفِ اوّل کے شعرا و ادبا میں شامل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، *معاصر ادب*، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۹

۲۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ''گوروسیوک بنو، چرنوں کو چوموا ور دیا مانگو'' مشمولہ: نردبان، شمارہ ۱، جولائی ۲۰۰۱ء، مدیر، حنیف خان، محمد، پروفیسر، راجہ محمد نجیب گورنمنٹ ڈگری کالج اسلام گڑھ (آزاد کشمیر) ص ۱۷۵

۳۔ عبدالعلیم صدیقی، کلبات (فارسی) منظوم اُردو ترجمہ، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۷۷۱، ۷۷۵

۴۔ ایضاً، ص ۱۳۰۷

۵۔ فتح محمد، ملک، پروفیسر، "کلیات اقبال فارسی" منظوم ترجمے پر ایک توصیفی نظر، مشمولہ: ماورا، شمارہ ۳، جلد ۷، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء، مدیر، خالد شریف، ماورا پبلشرز، لاہور، ص ۵۹

۶۔ اکرم طاہر، محمد، خواب دیکھتے جائو، خزینہ علم و ادب، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲

۷۔ مسرت صبوحی، پروفیسر، کشمیر میں مزاحمتی ادب، علی پرنٹرز، عقب فیصل بنک میاں محمد بخش روڈ، میر پور، ۲۰۱۴ء، ص ۳۶

۸۔ صغیر آسی، محمد، پروفیسر، شعرائے کشمیر، الفضل کتاب گھر علامہ اقبال روڈ، میر پور آزاد کشمیر، ۱۹۹۳ء، ص ۱۷۶

۹۔ ایضاً، ص ۱۷۶

۱۰۔ نذیر انجم، قرضِ سُخن، ارشد بک سیلرز، میر پور آزاد کشمیر، س ن، ص ۴۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۱۱

۱۲۔ ایضاً، سرورق

۱۳۔ نذیر انجم، پلک پلک زنجیر، کاشر پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۱۹۹۲ء، ص ۱۷، ۱۹

۱۴۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ریگ زار، رُمیل ھاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۵ء، ص ۲۴۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۷

۱۶۔ رفیق بھٹی، محمد، سُتونِ دار، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۱۹۹۴ء، ص ۲۶

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۷، ۱۹

۱۸۔ ایضاً، سرورق

۱۹۔ رفیق بھٹی، محمد، لہو نگر، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۱۹۹۷ء، ص ۱۶، ۱۷

۲۰۔ ایضاً، سرورق

۲۱۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر ویگ زار، رُمیل ھاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۵ء، ص ۳۰

۲۲۔ فضل حسین، رانا، لہو کا خراج، مشمولہ: "ایک شام پروفیسر محمد رفیق بھٹی کے نام" مؤلفہ، فرحت بنتِ رفیق، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۰۲ء، ص ۴۵، ۴۸

۲۳۔ ذاکر نسیم، وطن کا شاعر، ایضاً، ص ۱۳۴، ۱۳۶

۲۴۔ عارف کمپلوی، محمد، پروفیسر، عظمت کی دلیل، ایضاً، ص ۱۴۳

۲۵۔ بوٹا خان راجس، خطاب صدرِ محفل، ایضاً، ص ۱۵۱، ۱۵۲

۲۶۔ اکرم طاہر، محمد کا خط بنام محمد رفیق بھٹی، محررہ، ۲۹ اکتوبر ۲۰۰۱ء، ص ۱

۲۷۔ افتخار مغل کا خط بنام محمد رفیق بھٹی، مقام، چکار، مظفر آباد، محررہ، ۲ ستمبر، ۱۹۹۵ء، ص ۱، ۳

۲۸۔ عرفان چودھری، محمد کا خط بنام محمد رفیق بھٹی، میر پور، محررہ، ۲۴ اکتوبر ۱۹۹۴ء، ص ۳، ۵

۲۹۔ عبدالعلیم صدیقی، پروفیسر کا خط بنام محمد رفیق بھٹی، پلندری، محررہ، ۵ دسمبر ۱۹۹۵ء، ص ۱

۳۰۔ زید اللہ فہیم، شاعر، ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج سے راقم کا انٹرویو، بمقام، میر پور، مؤرخہ، ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۶ء

۳۱۔ عطا اللہ، احمد، شاعر، ادیب، دانشور، سیکرٹری مالیات سے راقم کا انٹرویو، بمقام، مظفر آباد، مؤرخہ، ۰۵ نومبر ۲۰۱۶ء

۳۲۔ ابراہیم گل، محمد، ملک، شاعر، ادیب، صحافی، ڈرامہ نگار، نغمہ نگار سے راقم کا انٹرویو (ابراہیم گل نامور شاعر آذر عسکری کے بیٹے ہیں) بمقام، مظفر آباد، مؤرخہ، ۰۵ نومبر ۲۰۱۶ء

۳۳۔ وجدانی، مخلص، شاعر، ادیب (ڈاکٹر صابر آفاقی کے بھائی) سے راقم کا انٹرویو، بمقام، مظفر آباد، مورخہ، ۵/نومبر ۲۰۱۶ء

۳۴۔ سُہیل، اکرم، شاعر، ادیب، ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر سے راقم کا انٹرویو، بمقام، مظفر آباد، مئورخہ، ۰۶ نومبر ۲۰۱۶ء

۳۵۔ فضل حسین، رانا (تمغۂ پاکستان) بابائے گوجری سے راقم کا انٹرویو، بمقام، میر پور، مئورخہ، ۰۲ جون ۲۰۱۶ء

۳۶۔ اکرم طاہر، محمد، پروفیسر، ریٹائرڈ ڈین آزاد کشمیر یونی ورسٹی سے راقم کا انٹرویو، بمقام، میر پور، مئورخہ، ۱۶ مئی ۲۰۱۶ء

۳۷۔ افضل صابری، محمد، شاعر، ادیب، صحافی روز نامہ جنگ سے راقم کا انٹرویو، بمقام، کوٹلی، مئورخہ، ۲۳ اپریل ۲۰۱۶ء

۳۸۔ عبدالوہاب تبسم، شاعر، سینئر ٹیچر سے راقم کی بات چیت، بمقام، سہر منڈی سہنسہ، مئورخہ، ۰۲ دسمبر ۲۰۱۶ء

۳۹۔ نذیر مسکین، محمد، پروفیسر، اُردو گوجری کے شاعر و نقاد کا راقم الحروف کے نام خط، مئورخہ، ۰۷ دسمبر ۲۰۱۶ء

باب پنجم

ماحصل

محمد رفیق بھٹی ہجرت کے کرب سے گزر کر اور انفرادی و اجتماعی مصائب سہ کر، جذبات کو فن کارانہ اظہار دے کر ایک شخص سے شخصیت بنے۔ان کے ہاں حوصلہ شکن حالات میں رجائیت نے جنم لیا اور انسانیت نوازی کا جذبہ تشکیل پایا۔غلامی کا شدید احساس اور آزادی کی تڑپ ان کے فن کے محرکات ہیں۔وہ آزادی کا نغمہ نہ لکھنے والے قلم کو توڑ دینے اور نغمہ حرّیت سے خالی شاعری کو چھوڑ دینے کے قائل ہیں۔اس طرح وطن سے لگاؤ ان کی شاعری اور نثر دونوں کا بنیادی موضوع ہے۔باقی موضوعات فروعات ہیں۔حتیٰ کہ نثر میں بھی تاریخی حوالے، پس منظر اور ان کا جذبہ حب الوطنی غالب عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔تحریکِ آزادیٔ جموں کشمیر ہی ان کے فکر و آگہی کی اساس ہے۔ان کی نظم میں بنیادی موضوع کے ساتھ اقدارِ حیات کا موضوع بھی موجود ہے۔جب کہ غزل میں اجتماعی دکھ درد کے ساتھ ساتھ ان کی ذاتی زندگی کے دُکھ بھی بیان ہوئے ہیں۔ایسے موضوعات میں ان کے ہاں شاعری میں مسرت انگیزی بہت کم ہے۔

اُسلوب اور موضوع دونوں لحاظ سے محمد رفیق بھٹی پر علامہ اقبالؔ کا اُسلوب جلیل اثر انداز ہوا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ وہ جوش ملیح آبادیؔ، میاں محمد بخشؒ اور وارث شاہ سے بھی افکار کے لحاظ سے متاثر ہوئے ہیں۔انھوں نے اُردو کے علاوہ علاقائی زبانوں میں بھی شاعری کی ہے۔لیکن حیرانی کی بات ہے کہ مختلف زبانیں اُسلوب و الفاظ کے لحاظ سے ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہوئی نظر نہیں آتیں۔

محمد رفیق بھٹی انقلابی شاعری کے لحاظ سے معاصرین میں ممتاز مقام کے حامل ہیں۔لیکن اس کے باوجود ان کے ہاں کوئی ایسا نمایاں رجحان یا انفرادی رنگ واضح نہیں ہے جو انھیں معاصرین سے بالکل الگ کر دے۔اُسلوب اور موضوع دونوں کے اعتبار سے وہ اپنے عصر اور معاصرین سے زیادہ مختلف نہیں ہیں۔انھوں نے نظم و نثر میں مزاحمتی ادب تخلیق کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے معاصرین کی طرح اس دور کے نمایاں رجحان یعنی مزاحمتی رویئے کے نمایندہ شعرا میں سے ہیں۔وہ نظام جبر کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا درس دیتے ہیں۔وہ ظلم و استبداد سے اتفاق نہیں کرتے۔اُن کی شاعری حالات سے سمجھوتہ کرنے کی بجائے حالات سے مقابلہ کرنے کے تصور پر قائم ہے۔مدافعت، مزاحمت اور مقابلہ ان کی فکری اساس ہے۔ان کے ہاں کشمیر اور

اہلِ کشمیر کو مرکزیت حاصل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

آج تک توڑی نہیں تم نے غلامی کی لکیر
ہم پہ الزام ہے کہ رکھا ہے قدرت نے اسیر
حریت ہے دھر میں خود دار قوموں کا کمال
کاروانِ غیرتِ خُفتہ کی منزل ہے زوال

محمد رفیق بھٹی کے ہاں داخلیت کا عنصر زیادہ ہے۔ غیر افسانوی نثر خصوصاً سفر ناموں میں بھی انھوں نے خارجی حالات کو داخلیت سے مملو کر کے بیان کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجموعی طور ان کی شاعری خصوصاً اور نثر عموماً ان کے افکار و خیالات سے زیادہ ان کو پیش آمدہ حالات کی ترجمان ہے۔

محمد رفیق بھٹی متحرک و فعال قلم کار ہیں۔ ادبی تنظیموں، سرگرمیوں اور شخصیات سے جڑے رہتے ہیں۔ وہ آزاد جموں کشمیر میں مشہور و معروف شاعر کی حیثیت سے مختلف مواقع اور مختلف مقامات پر زیرِ بحث آتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو معاصرین اہلِ قلم نے ادبی کاموں پر خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس طرح وہ اپنے عہد کے آزاد جموں کشمیر کے اُردو میں لکھنے والے صفِ اوّل کے شاعروں میں جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ان کے ذکر کے بغیر اِس عہد کی ادبی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ ان کے تخلیق کردہ ادب خصوصاً شاعری نے آزاد جموں کشمیر کے اِس دور کے اُردو ادب میں جذبہ حریت، حب الوطنی اور مزاحمتی ادب کے رجحانات کو آگے بڑھایا ہے۔

محمد رفیق بھٹی کی شاعری ارفع مقاصد کے حصول کی تگ و دو سے عبارت ہے۔ انھوں نے اپنے دور کی ترجمانی بھی کی ہے اور ساتھ ساتھ اپنے دور کو آنے والے دور سے بھی ملایا ہے۔ انھوں نے شاعری کے ذریعے قومی آدرشوں، آرزوؤں، خوابوں اور حُبِ وطن کو قوم کی گردشِ خون میں سمو دیا ہے۔ وطن پرستی ان کی شاعری کے خمیر میں اس طرح شامل ہے جس طرح روح جسم میں شامل ہو کر زندگی کا پیغام دیتی ہے۔ وہ سکوت کی بجائے کلام، جمود کی بجائے حرکت اور قیام کے بجائے سفر کو پسند کرتے ہیں۔

محمد رفیق بھٹی اپنے علمی و ادبی اور تعلیمی و تحقیقی ذوق و شوق اور کام کے حوالے سے ایک بلند مقام پر فائز

ہیں۔ان کے افکار میں پاکیزگی، گہرائی اور بالغانظری ہے۔اپنے سائنسی اندازِفکر ونظر کی وجہ سے بلا شک وشبہ ملک وملت کے روشن مستقبل کے لیے فکر مند رہتے ہیں۔ان کی دور اندیشی اور بصیرت ہمارے لیے اثاثے کی حیثیت رکھتی ہے۔زندہ قومیں اپنے قابلِ ذکر شاعروں کو پہچانتی ہیں اور میرا خیال ہے کہ محمد رفیق بھٹی کشمیر کے معاصر ادب میں ایسے شاعر ضرور ہیں جن کو پہچاننا ہمارا تہذیبی فرض ہے۔

المختصر! محمد رفیق بھٹی ایک علم دوست اور ادب نواز شخصیت ہیں۔تفہیمِ حیات و کائنات بذریعہ شعر وسخن کے ذوق وعمل سے سرشار طالب حقائق ہیں۔میدان تخیل و تدبر کے آدمی ہونے کے باوجود وہ پوری طرح اپنی دھرتی سے جڑے ہوئے ہیں اور اپنی دھرتی ،روایات اور شاعری کے اجتماعی روایتوں کے امین بھی ہیں۔اس کے ساتھ وہ اپنی انفرادیت بھی قائم رکھے ہوئے ہیں مگر اس طرح کہ بحر ادب کے کسی جزیرے میں مقید نہیں بلکہ وسیع سلسلہء سخن میں پیوست ہیں۔ان کے ہاں مزاحمتی لہجہ حوصلے اور امید سے عبارت ہے۔ان کا جذبہ حب الوطنی اور غلامی کا شدید احساس کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔آزادی کی تڑپ اور بچھڑے ہوؤں سے ملاقات کی آرزو شاعری کے کینوس میں حزن و ملال کے رنگ بکھیرتی ہے۔دیگر مستقل موضوعات میں بھی جینے کی اُمنگ اور رجائیت موجود ہے۔زندگی چونکہ کانٹوں کی سیج ہے، اس لیے ان کی شاعری میں تلخ حقیقتوں کے ساتھ بدلتے اقدار و مسائل کی طرف بھی اپنے انداز میں اشارے ملتے ہیں ۔اس تناظر میں اُن کے ہاں تفہیم حیات کا استفہامیہ شاعری میں گہرائی و گیرائی پیدا کرتا ہے۔ان خصوصیات پر مستزاد ان کی انسانیت نوازی اور وسیع المشربی ان کی شاعری کو کسی ایک دائرے میں مقید ہونے سے محفوظ رکھتی ہے۔

ایک شام پروفیسر محمد رفیق بھٹی کے نام کے بین السطور تنقیدی جائزہ سے اس موقف کی تائید ہوتی ہے کہ انھوں نے علم وادب کے میدان میں جس علمی وقلمی وابستگی اور دیانتداری سے کام کیا ہے وہ سراہے جانے کے لائق ہے۔آزاد کشمیر کے ادب کو پروان چڑھانے میں ان کا بڑا کردار ہے۔معاصر ادب میں ان کا کردار ادبی دنیا کے لیے قابل توثیق وتقلید ہے۔راقم الحروف نے مقبوضہ کشمیر کے شعرا اور اہل قلم سے رابطے کی کوشش کی کے ان کی آراء معلوم کی جا سکے لیکن آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے درمیان اس وقت سرحدی حالات کشیدہ ہیں اور ان حالات میں مقبوضہ کشمیر کے اہل قلم سے رابطہ نہیں ہو سکا۔آزاد کشمیر کے نامور شعرا اور اہل قلم وعلم نے اُن کے مقام ومرتبہ کو بیان کرتے ہوئے انھیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

اسناد و ایوارڈز

۱۔ کشمیر ایوارڈ ،۵فروری ۲۰۰۷ء، شیلڈ بدست سردار محمد عبدالقیوم خان وزیر اعظم آزاد کشمیر

۲۔ غازی ملت ایوارڈ ، ۸۔۲۰۰۷ء، مع نقد انعام مبلغ ۲۰۰۰۰ ہزار روپے وسند، بدست سردار محمد عبدالقیوم خان وزیر اعظم آزاد کشمیر

۳۔ میر کلاں ایوارڈ (ادبی ایوارڈ) ۲۰۰۲ء، خطۂ پوٹھوار، منجانب سیف الملوک اکیڈمی راولپنڈی

۴۔ ایوارڈ ماں جی فونڈیشن، ۲۰۱۱ء، بدست وزیر تعلیم میاں عبدالوحید حکومت آزاد کشمیر

۵۔ امتیازی گولڈ میڈل وسند، راجپوت فونڈیشن لاہور، ۲۰۱۲ء، بدست رانا محمد اقبال، سپیکر پنجاب اسمبلی

۶۔ شیلڈ، منجانب برٹش ہائی کمشن اسلام آباد، تنظم سچ

۷۔ شیلڈ وسند راجپوت بھٹی ایسوسی ایشن لاہور، ۲۰۰۷ء۔۲۰۰۸ء

۸۔ شیلڈ میٹرو پولیٹن برو، بری، ۲۰۰۲ء، منجانب میئر میٹرو پولیٹن برو، بری کالج یو کے (علمی ادبی خدمات)

۹۔ شیلڈ، منجانب پرنسپل اولڈھم کالج یو کے، ۲۰۰۲ء، بدست ڈاکٹر ہیلن گلکرائسٹ پرنسپل

۱۰۔ شیلڈ، منجانب میئر اولڈھم سی ایم ویلر، ۲۰۰۲ء یو کے

۱۱۔ شیلڈ و پورٹریٹ، ڈیوز بری کالج یو کے، بدست پرنسپل مسز وینڈی پاسن (عالمی سطح پر علمی ادبی خدمات کے صلے میں)

۱۲۔ شیلڈ، بدست صدر آزاد حکومت سردار محمد یعقوب خان، سالانہ جلسہ تقسیم انعامات محترمہ بے نظیر بھٹو شہید میڈیکل کالج، میر پور

۱۳۔ شیلڈ، منجانب سیف الملوک آرٹس اکیڈمی میر پور، بدست سردار عتیق احمد خان سابق وزیر اعظم آزاد کشمیر

۱۴۔ شیلڈ، منجانب ماں جی فونڈیشن، بدست وزیر اعظم آزاد حکومت سردار سکندر حیات خاں

کتابیات

بنیادی مآخذ

۱۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ایران صغیر سے ایران کبیر تک، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۰۵ء

۲۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، دوستی کا سفر، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر ۲۰۰۳ء

۳۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، محسنین کشمیر، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر ۲۰۰۱ء

۴۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، میاں محمد بخشؒ شخصیت و فن، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر ۲۰۱۶ء

۵۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، قرضِ حسنہ (شاعری و شخصیت خواجہ علی بہادر) پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر ۲۰۰۴ء

۶۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، آزاد کشمیر میں ہائر سیکنڈری سکول اسکیم کے اجراء کا غیر جانبدارانہ تنقیدی جائزہ، ندیم پرنٹنگ پریس، میر پور، س ن

۷۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، حرمین کے مسافر، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۱۰ء

۸۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، ریگ زار، رُمیل ھاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی ۲۰۱۵ء

۹۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، آسمانی شہر کا زمینی سفر ہانگ کانگ، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۱۶ء

۱۰۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، سُتونِ دار، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، جنوری ۱۹۹۴ء

۱۱۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، لہو نگر، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، جنوری ۱۹۹۷ء

غیر مطبوعہ مکاتیب/ڈائریاں/انٹرویو

۱۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، خط بنام ارشاد احمد حقانی، چکسواری میر پور آزاد کشمیر، محررہ، ۲۶۔ جون ۱۹۹۷ء

۲۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، خط بنام افتخار مغل، پروفیسر، میر پور آزاد کشمیر، محررہ، ۲۵۔ اگست ۱۹۹۵ء

۳۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، خط بنام پرویز مشرف، جنرل، میر پور آزاد کشمیر، محررہ، س ن

۴۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، راقم کا انٹرویو، بمقام خالق آباد، میر پور، مورخہ، ۱۷۔ مارچ ۲۰۱۶ء

۵۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، خط بنام عبدالقیوم خان، ، محمد، سردار، چکسواری میر پور آزاد کشمیر، محررہ، ۲۶۔ جون ۱۹۹۷ء

۶۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، خط بنام غلام حسین اظہر، پروفیسر، چکسواری، محررہ، ۱۱۔ ستمبر ۱۹۹۷ء

۷۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، غیر مطبوعہ ڈائری نمبر ۱، ۲، ۳، ۴

۸۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، خط بنام انوار فاروق مرزا، خالق آباد میر پور آزاد کشمیر، محررہ، ۲۷۔ مئی ۱۹۹۸ء

۹۔ رفیق بھٹی، محمد، پروفیسر، خط بنام کرامت صاحب، خواجہ، ڈگری کالج اسلام گڑھ، محررہ، ۲۰۔ فروری ۱۹۹۹ء

ثانوی مآخذ

۱۔ افضل حق، چوہدری، میرا افسانہ، الفیصل ناشران، لاہور ۱۹۹۳ء

۲۔ اکرم طاہر، محمد، پروفیسر، خواب دیکھتے جائو، خزینہ علم وادب، لاہور، ۲۰۰۴ء

۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، سفرنامہ، عصری مطبوعات، کراچی، ۱۹۸۰ء

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب، لاہور، جلد اول، طبع سوم، ۱۹۸۷ء

۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، **معاصر ادب**، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء

۶۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اردو، مطبع عالیہ، لاہور، بار اوّل ۱۹۷۹ء

۷۔ رفیع الدین ہاشمی، اصناف ادب، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء

۸۔ ریاض عباسی، محمد، معلومات کشمیر انسائکلو پیڈیا (ریاضِ کشمیر) مولانا پبلی کیشنز، راولپنڈی، ۲۰۱۳ء

۹۔ زبیر احمد قاضی، پروفیسر، تذکرہ الحاج نواب دین نواب بھٹی، رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی، مئی ۲۰۱۵ء

۱۰۔ صغیر آسی، محمد، پروفیسر، شعرائے کشمیر، الفضل کتاب گھر علامہ اقبال روڈ، میر پور آزاد کشمیر، ۱۹۹۳ء

۱۱۔ عبدالعلیم صدیقی، کلیات (فارسی) منظوم اُردو ترجمہ، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۳ء

۱۲۔ عنایت اللہ سبحانی، محمد، محمد عربی ﷺ، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور پاکستان، ۱۹۹۴ء

۱۳۔ فرحت مشتاق، ایک شام پروفیسر محمد رفیق بھٹی کے نام، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۲۹۔ اکتوبر ۲۰۱۱ء

۱۴۔ فوق، محمد الدین، تواریخ اقوام کشمیر، ویری ناگ پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، جلد ۱، مارچ ۱۹۹۱ء

۱۵۔ محمود آزاد، سید، تاریخ کشمیر، سیادت پبلی کیشنز اپر چھتر ہاؤسنگ سکیم بی ۲۵، مظفر آباد آزاد کشمیر، بار دوم، جنوری ۱۹۹۰ء

۱۶۔ مسرت صبوحی، پروفیسر، کشمیر میں مزاحمتی ادب، علی پرنٹرز، عقب فیصل بنک میاں محمد روڈ، میر پور، ۲۰۱۴ء

۱۷۔ منیر حسین مجددی، دیباچہ از مکاتیب الفردوس، (جلد اول) مرتبہ الحسن، اکبر داد، پروفیسر پبلشرز ماڈل ٹاؤن، فیصل آباد، ۲۰۰۷ء

۱۸۔ نذیر انجم، پلك پلك زنجیر، کاشر پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۱۹۹۲ء

۱۹۔ نذیر انجم، قرضِ سُخن، ارشد بک سیلرز، میر پور آزاد کشمیر، س ن

۲۰۔ نواب دین بھٹی، الحاج، عشق نہ پُچھدا ذاتاں، پنجال پبلشرز، میر پور آزاد کشمیر، ۲۰۰۵ء

رسائل/اخبارات

۱۔ اپنا دیس، شمارہ ۸، ۹، ۱۰، ۱۵ دسمبر ۲۰۰۶ء تا ۱۵ جنوری ۲۰۰۷ء، مدیر، سرفراز حسین کاظمی، سید، کاشر ایڈورٹائزرز میر پور، آزاد کشمیر

۲۔ اخبار اُردو، شمارہ ۱۲، جلد ۱۱، دسمبر ۱۹۹۴ء، مدیر، جاوید، انعام الحق، ڈاکٹر، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

۳۔ سرپرائز انٹر نیشنل، میر پور نمبر، شمارہ ۹، دسمبر ۲۰۰۴ء، مدیر، شہباز جٹ، محمد، جی، ڈی، اے پلازہ سول لائنز گوجرانوالہ، پاکستان

۴۔ سروش، جنوری ۲۰۱۴ء، مدیر، عارف خان، محمد، ڈاکٹر، پروفیسر، ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرکز تحقیقات و گوشہ تحقیق میاں محمد بخش گورنمنٹ کالج،

۵۔ شمس بری، شمارہ۲، اگست ۲۰۰۰ء، مدیر، منہاس، ظفر اقبال، شمس بری پبلی کیشنز، سری نگر
۶۔ ظفر مغل، (انٹرویو) ادبی دنیا، مشمولہ: روزنامہ مرکز اسلام آباد راولپنڈی، ۲۹۔ستمبر ۱۹۹۸ء
۷۔ عطاء، شمارہ۴، س ن، مدیر، خان، عنایت اللہ، ڈیرہ اسماعیل خان
۸۔ ماورا، شمارہ۳، جلد۷، جولائی تا ستمبر ۲۰۰۶ء، مدیر، شریف، خالد، ماورا پبلشرز، لاہور
۹۔ میزان، شمارہ۲، ۱۹۹۸ء، مدیر، عزیز الرحمن، پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج چکسواری، میر پور آزاد کشمیر
۱۰۔ نردبان، شمارہ۱، جولائی ۲۰۰۱ء، مدیر، حنیف خان، محمد، پروفیسر، راجہ محمد نجیب گورنمنٹ ڈگری کالج اسلام گڑھ، آزاد کشمیر

غیر مطبوعہ مکاتیب

۱۔ افتخار مغل کا خط بنام محمد رفیق بھٹی، مقام، چکار، مظفر آباد، محررہ، ۲۔ستمبر ۱۹۹۵ء
۲۔ اکرم طاہر، محمد، پروفیسر، کا خط بنام محمد رفیق بھٹی، محررہ، ۲۹۔اکتوبر ۲۰۰۱ء
۳۔ عبدالعلیم صدیقی، پروفیسر کا خط بنام محمد رفیق بھٹی، پلندری، محررہ، ۵۔دسمبر ۱۹۹۵ء
۴۔ عرفان چودھری، محمد کا خط بنام محمد رفیق بھٹی، میر پور، محررہ، ۲۴۔اکتوبر ۱۹۹۴ء
۵۔ نذیر مسکین، محمد، پروفیسر، اُردو گوجری کے شاعر و نقاد کا راقم الحروف کے نام خط، مورخہ، ۷۔دسمبر ۲۰۱۶ء

انٹرویوز

۱۔ ابراہیم گل، محمد، ملک، شاعر، صحافی، ڈرامہ نگار، سے راقم کا انٹرویو (ابراہیم گل نامور شاعر آذر عسکری کے بیٹے ہیں) بمقام، مظفر آباد، مورخہ، ۵۔نومبر ۲۰۱۶ء
۲۔ اسحاق چوہدری، محمد، ریٹائرڈ سیشن اینڈ ڈسٹرکٹ جج، محمد رفیق بھٹی کے کلاس فیلو سے راقم کا انٹرویو، بمقام، کوٹلی، مورخہ، ۲۳۔اپریل ۲۰۱۶ء
۳۔ افضل صابری، محمد، شاعر، ادیب، صحافی روزنامہ جنگ سے راقم کا انٹرویو، بمقام، کوٹلی، مورخہ، ۲۳۔اپریل ۲۰۱۶ء
۴۔ اکرم طاہر، محمد، پروفیسر، ریٹائرڈ ڈین آزاد کشمیر یونی ورسٹی سے راقم کا انٹرویو، بمقام، میر پور، مورخہ، ۱۶۔مئی ۲۰۱۶ء
۵۔ زید اللہ فہیم، شاعر، ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج سے راقم کا انٹرویو، بمقام، میر پور، مورخہ، ۱۱۔اکتوبر ۲۰۱۶ء
۶۔ سُہیل، اکرم، شاعر، ادیب، ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر سے راقم کا انٹرویو، بمقام، مظفر آباد، مورخہ، ۶۔نومبر ۲۰۱۶ء
۷۔ عبدالحمید خان، راجہ، پروفیسر، ریٹائرڈ کنٹرولر امتحانات کالجز، محمد رفیق بھٹی کے روم میٹ سے راقم کا انٹرویو، بمقام، کوٹلی، مورخہ ۲۳۔اپریل ۲۰۱۶ء
۸۔ عبدالوہاب تبسم، شاعر، سینیئر ٹیچر سے راقم کی بات چیت، بمقام، سہر منڈی سہنسہ، مورخہ، ۲۔دسمبر ۲۰۱۶ء
۹۔ عطاء اللہ، احمد، شاعر، سیکرٹری مالیات سے راقم کا انٹرویو، بمقام، مظفر آباد، مورخہ، ۵۔نومبر ۲۰۱۶ء
۱۰۔ فضل حسین، رانا (تمغہء پاکستان) بابائے گوجری سے راقم کا انٹرویو، بمقام، میر پور، مورخہ، ۲۔جون ۲۰۱۶ء
۱۱۔ منیر حسین خان، سردار، ریٹائرڈ سیشن ڈسٹرکٹ جج، شاعر سے راقم کا انٹرویو، بمقام ساردا، کوٹلی
۱۲۔ وجدانی مخلص، شاعر، ادیب (ڈاکٹر صابر آفاقی کے بھائی) سے راقم کا انٹرویو، بمقام، مظفر آباد، مورخہ، ۵۔نومبر ۲۰۱۶ء

11. Rafiq Bhatti, Muhammad , Mirpur Language,Culture and Heritage, SOICIETY, CULTURE AND POLITICS IN THE KARAKORAM HIMALAYAS, NEW DELHI,23rd-24th july 2009

اشخاص واماکن

اشخاص

ا

۱۔ ابراہیم۔۱۰۸

۲۔ ابراہیم گلؔ، محمد، ملک۔۱۶۸،۱۷۲،۱۸۲

۳۔ ابوحنیفہؒ۔۴۶

۴۔ ابینو (پروفیسر پی۔این۔پشپ کا بیٹا)۔۱۳۴

۵۔ اجمل نیازی، ڈاکٹر۔۱۳۲

۶۔ احسان دانشؔ۔۳۶،۴۱

۷۔ احمد شمیم۔۱۴۷

۸۔ احمد مسعود۔۱۴۷

۹۔ اختر، اختر حسین، ڈاکٹر۔۱۳۲

۱۰۔ اختر الایمان۔۳۶

۱۱۔ اختر شیرانی۳۶،۱۲۱

۱۲۔ ارسطو۔۱۳۸

۱۳۔ ارشاد احمد حقانی۔۱۳۵،۱۴۵،۱۷۸

۱۴۔ اسحاق چوہدری، محمد۔۱۷،۱۸،۲۴،۱۸۲

۱۵۔ اسدؔ، ذوالفقار علی۔۲۰،۱۶۷

۱۶۔ اسرائیل مہجور۔۱۴۷

۱۷۔ اسماعیل ذبیح، محمد۔۱۳۲،۱۴۷

۱۸۔ اسماعیل میرٹھی۔۳۵

۱۹۔ اشوک، مہاراجہ۔۳۸

۲۰۔ امیر خسروؒ۔۱۴۰

۲۱۔ اکرم سہیل، محمد۔۱۴۷،۱۶۸،۱۷۳،۱۸۲۔

۲۲۔ اظہر، غلام حسین، ڈاکٹر۔۱۳۲،۱۳۴،۱۴۴،
۱۴۷،۱۶۲،۱۷۹

۲۳۔ اعظم علی اورکزئی، پروفیسر۔۱۰

۲۴۔ افتخار مغل، ڈاکٹر۔۱۳۲،۱۳۶،۱۴۵،۱۴۷،
۱۵۶،۱۶۲،۱۶۸،۱۷۲،۱۷۹،۱۸۱

۲۵۔ افضل حق، چوہدری۔۳۸،۱۰۲،۱۷۹

۲۶۔ افضلؔ صابری، محمد۔۱۵،۲۴،۳۵،۱۰۲،۱۴۷،
۱۶۹،۱۷۳،۱۸۲

۲۷۔ اقبالؒ، علامہ۔۶،۲۷،۳۵،۳۶،۳۷،۴۱،
۵۱،۸۸،۹۳،۹۷،۹۸،۹۹،۱۰۰،۱۰۱،۱۱۰،
۱۱۷،۱۳۸،۱۳۹،۱۴۰،۱۴۶،۱۵۶،۱۵۷،
۱۵۸،۱۶۰،۱۶۱،۱۶۵،۱۶۷،۱۷۱،۱۷۴

۲۸۔ اقبال، محمد، رانا (سپیکر پنجاب اسمبلی)۔۱۷۷

۲۹۔ اکبر اعظم۔۴،۵

۳۰۔ اکبرؔ الہ آبادی۔۳۵،۴۱،۶۶،۷۴،۱۶۷

۳۱۔ اکبر داد الحسن، پروفیسر۔۱۴۴،۱۸۰

۳۲۔ اکرم طاہرؔ، محمد، پروفیسر۔۱۰،۴۲،۱۰۳،۱۳۲،

۱۴۷،۱۵۶،۱۵۸،۱۵۹،۱۶۰،۱۶۶،۱۶۷،
۱۶۹،۱۷۱،۱۷۲،۱۷۳،۱۷۹،۱۸۱،۱۸۲

۳۳۔ امجد اسلام امجد۔۱۳۲

۳۴۔ امیر مینائی۔۴۱

۳۵۔ انشاء۔۴۱

۳۶۔ انوار فاروق مرزا۔۱۳۲،۱۳۳،۱۴۴،۱۷۹

۳۷۔ انور سدید، ڈاکٹر۔۱۱۱،۱۴۳،۱۶۰،۱۷۹

۳۸۔ انیس۔۴۷،۵۷،۷۱،۱۲۱

۳۹۔ ایاز۔۱۰۸

۴۰۔ ایبٹ سن، لارڈ۔۴

۴۱۔ ایچ جی ویلز۔۱۴۸

۴۲۔ ایلیٹ۔۱۳۸

۴۳۔ آبرو۔۴۱

۴۴۔ آتش۔۴۱

۴۵۔ آدم چغتائی۔۱۳۲

۴۶۔ آدم علیہ السلام۔۷،۸۵،۱۰۶

۴۷۔ آزاد۔۴۰

۴۸۔ آزاد، محمد حسین۔۳۵،۴۱

۴۹۔ آزر عسکری۔۱۳۲،۱۴۷،۱۷۲،۱۸۲

۵۰۔ آسیہ۔۴۶

۵۱۔ آمنا پال، راجہ۔۱

۵۲۔ آنند پال۔۱

۵۳۔ آنند، ستیہ پال۔۱۵۳

۵۴۔ آئن سٹائن۔۱۲۰

ب

۵۵۔ بائرن، لارڈ۔۱۴۸

۵۶۔ بھٹی (یادو)۔۳

۵۷۔ بحر۔۴۱

۵۸۔ بدیع الجمال (پری)۔۱۲۳،۱۲۵

۵۹۔ بروس لی۔۱۰۹

۶۰۔ بزاز، پریم ناتھ، پنڈت۔۱۱۷

۶۱۔ بشارت علی فیضی، پروفیسر۔۲۰

۶۲۔ بشیر مغل، پروفیسر۔۱۳۲،۱۴۷

۶۳۔ بلھے شاہؒ۔۱۱،۱۵۰

۶۴۔ بودھ راج۔۱۰

۶۵۔ بہادر شاہ ظفر۔۴۱

۶۶۔ بہاول بخش، میاں۔۱۳۰

۶۷۔ بیگ، عابد علی۔۱۱۰

۶۸۔ بے نظیر بھٹو۔۱۷۷

پ

۶۹۔ پرتھوی پال، راجہ۔۱

۷۰۔ پرویز مشرف، جنرل۔۱۲۶،۱۳۲،۱۳۴،۱۳۶،
۱۳۹،۱۴۵،۱۷۹

۷۱۔ پطرس بخاری۔۴۷

۷۲۔ پورس، راجہ۔۱

۷۳۔ پی این پُشپ، پروفیسر۔۱۰،۱۳۳،۱۳۴

ت

۷۴۔ تاج الدین، راجہ۔۲

۷۵۔ تھارپ، کرنل، لیفٹیننٹ۔۱۲۲

۷۶۔ تھامس ہارڈی۔۱۴۸

۷۷۔ تھیکرے۔۱۴۸

۷۸۔ تبارک حسین، سید۔۴۰،۱۰۲

۷۹۔ تسلیم۔۴۱

۸۰۔ تشنہ، نذیر احمد، پروفیسر۔۱۳۲

۸۱۔ تصدق حسین۔۳۶

۸۲۔ تقدیس شہزادی۔۶،۱۳

۸۳۔ توساؤ، میڈم۔۱۱۶،۱۴۲

۸۴۔ تہذیب۔۶،۱۳

ث

۸۵۔ ثاقب، قمر الاسلام۔۱۶۲

۸۶۔ ثریا خورشید، بیگم۔۱۳۲

ج

۸۷۔ جان کشمیری۔۱۳۲

۸۸۔ جاوید، انعام الحق، ڈاکٹر۔۲۳،۱۳۲،۱۸۱

۸۹۔ جاوید نظامی۔۳۷

۹۰۔ جرأت۔۴۱

۹۱۔ جعفری، علی سردار۔۳۶

۹۲۔ جگر۔۴۱

۹۳۔ جگ موہن۔۱۲۵

۹۴۔ جلال۔۴۱

۹۵۔ جموں خان بھٹی۔۵

۹۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر۔۳۱،۴۱،۱۰۲،۱۴۷،۱۷۱،۱۷۹

۹۷۔ جواد احمد۔۶،۱۲

۹۸۔ جواد جعفری۔۳۷،۱۴۷،۱۶۷

۹۹۔ جوش۔۳۶،۶۴،۱۷۴

۱۰۰۔ جہانگیر، شہنشاہ۔۲

۱۰۱۔ جیمز ٹاڈ، کیپٹن۔۳

۱۰۲ جے پال، راجہ۔۱

چ

۱۰۳۔ چارلس ڈکنز۔۱۴۸

۱۰۴۔ چارلس لیمب۔۱۴۸

۱۰۵۔ چانکیہ۔۴۷

۱۰۶۔ چراغ حسن حسرت۔۳۷،۱۴۷

۱۰۷۔ چرچل، ونسٹن، مسٹر۔۱۴۹

۱۰۸۔ چکبست۔۳۵،۴۱،۱۳۸

ح

۱۰۹۔ حاتم۔۴۱

۱۱۰۔ حافظ شیرازی۔۶۴

۱۱۱۔ حالؔی، الطاف حسین۔۳۵،۳۶،۴۱،۵۱،۸۸،۱۶۷

۱۱۲۔ حبیب کیفوی۔۲،۲۳،۳۲،۳۳،۱۰۲،۱۷۹

۱۱۳۔ حسرتؔ۔۴۱،۸۱،۱۰۳

۱۱۴۔ حسنؓ۔۴۶

۱۱۵۔ حسن شوقی۔۴۰

۱۱۶۔ حسینؓ۔۴۶،۴۷،۴۸،۱۶۵

۱۱۷۔ حفیظ جالندھری۔۳۶،۴۱

۱۱۸۔ حمید بھٹی، محمد۔۸

۱۱۹۔ حمید ممتاز، خواجہ۔۱۰

۱۲۰۔ حنیف خان، محمد، پروفیسر۔۱۴۳،۱۷۱،۱۸۱

۱۲۱۔ حوّا۔۸۵

خ

۱۲۲۔ خاکی۔۴۰

۱۲۳۔ خالد شریف۔۱۷۱،۱۸۱

۱۲۴۔ خان، فتح محمد عرف مانا خان بھٹی۔۵

۱۲۵۔ خان، منیر حسین، سردار۔۴۰،۱۰۲،۱۸۲

۱۲۶۔ خدیجہؓ۔۴۶

۱۲۷۔ خمینیؒ، امام۔۱۰۵،۱۴۲

۱۲۸۔ خورشید، خواجہ۔۱۳۳،۱۴۳

۱۲۹۔ خوش دیو مینی۔۳،۲۳

د

۱۳۰۔ داغؔ۔۴۱

۱۳۱۔ داؤد۔۴۰

۱۳۲۔ دبیر۔۴۷

۱۳۳۔ درد، میر۔۴۱

۱۳۴۔ دریودھن۔۱۵۵

۱۳۵۔ دُلّا بھٹّی۔۴

ذ

۱۳۶۔ ذاکر نسیمؔ۔۱۶۷،۱۷۲

۱۳۷۔ ذوقؔ۔۴۱

ر

۱۳۸۔ رابرٹ ایسکرافٹ۔۱۱۶۔۱۴۲

۱۳۹۔ رابرٹ تھارپ۔۱۱۷،۱۲۲،۱۳۱

۱۴۰۔ راج بائی۔۲

۱۴۱۔ راجسؔ، بوٹا خان۔۱۴۷،۱۶۷،۱۷۲۔

۱۴۲۔ راشدؔ۔۳۶

۱۴۳۔ رستم۔۱۰۵

۱۴۴۔ رستمی، کمال خان۔۴۰

۱۴۵۔ رشید احمد صدیقی۔۴۷

۱۴۶۔ رضا شاہ پہلوی۔۱۰۵

۱۴۷۔ رضوی، اختر امام۔۱۳۲

۱۴۸۔ رعنا نظامی۔۳۷

۱۴۹۔ رفیق احمد، ڈاکٹر، پروفیسر۔۱۰

۱۵۰ رفیق حریری (وزیر اعظم لبنان)۔۱۲۶

۱۵۱۔ رنگینؔ۔۴۱

۱۵۲۔ رومی، مولانا۔۸۴

۱۵۳۔ جلال الدین، رومیؒ، مولانا۔۱۳۸

۱۵۴۔ رونؔا، آمنا بہار۔۱۴۷

۱۵۵۔ ریاض خیر آبادی۔۶۴

۱۵۶۔ ریاض عباسی، محمد۔۲۳،۱۷۹

۱۵۷ ریسو خان بھٹی۔۵

ز

۱۵۸۔ زاہد، عصمت اللہ، ڈاکٹر۔۱۳۲

۱۵۹۔ زاہد کلیم۔۱۴۷

۱۶۰۔ زاہدہ قاسم، ڈاکٹر۔۱۳۲،۱۴۷

۱۶۱۔ زبیدہ شاد چغتائی، بیگم۔۱۳۲،۱۳۶

۱۶۲۔ زبیر احمد قاضی، پروفیسر۔۲۳،۱۸۰

۱۶۳۔ زید۔۸۴،۸۵

۱۶۴۔ زینبؑ۔۴۷،۴۸

س

۱۶۵۔ ساقی، موتی لعل، آنجہانی۔۱

۱۶۶۔ ساگر، گلزار حسین۔۱۱۰،۱۴۸

۱۶۷۔ ساندل خان بھٹی۔۴،۵

۱۶۸۔ سبحانی، عنایت اللہ، محمد۔۱۹،۲۴،۱۸۰

۱۶۹۔ سٹیون بوتھ۔۱۳۲

۱۷۰۔ سجاد احمد۔۶،۱۲

۱۷۱ سجاول خان بھٹی۔۵

۱۷۲۔ سدھارتھ۔۱۵۳

۱۷۳۔ سراج۔۴۱

۱۷۴۔ سری کرشن۔۳،۴،۵

۱۷۵۔ سعید اسد، محمد۔۱۳۲

۱۷۶۔ سعید ظفر، محمد، پروفیسر۔ ۳۸، ۱۰۲

۱۷۷ سکندر۔ ۱، ۳۰، ۵۰، ۸۳

۱۷۸۔ سکندر حیات خان، سردار۔ ۱۷۷

۱۷۹۔ سلمٰی۔ ۳۶

۱۸۰۔ سودا۔ ۴۱

۱۸۱۔ سوز۔ ۴۱

۱۸۲۔ سہراب۔ ۱۰۵

۱۸۳۔ سی۔ ایم۔ ویلر۔ ۱۷۷

۱۸۴۔ سیف الملوک (شہزادہ)۔ ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵

ش

۱۸۵۔ شاہ بخاریؒ، عطاءاللہ۔ ۶

۱۸۶ شاہ جہاں۔ ۲

۱۸۷۔ شاہ لشکری، محمد۔ ۴۰

۱۸۸۔ شاہ نصیر۔ ۴۱

۱۸۹۔ شبلی نعمانی۔ ۳۵

۱۹۰۔ شبّیر۔ ۴۷، ۸۶

۱۹۱۔ شریف ایڈووکیٹ، محمد۔ ۱۴۷

۱۹۲۔ شوق قدوائی۔ ۳۵

۱۹۳۔ شہاب، قدرت اللہ۔ ۱۶۲

۱۹۴۔ شہباز جٹ، محمد۔ ۲۳، ۱۸۱

۱۹۵۔ شہباز حسینی، سید۔ ۴۰

۱۹۶۔ شہزاد احمد۔ ۶، ۱۲

۱۹۷۔ شیکسپیئر۔ ۱۴۸

۱۹۸۔ شیلے۔ ۱۴۸

ص

۱۹۹۔ صابر آفاقی، ڈاکٹر۔ ۱۳۲، ۱۴۷، ۱۵۶، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۷۳، ۱۸۲

۲۰۰۔ صبا۔ ۴۱

۲۰۱۔ صدیق اکبرؓ۔ ۱۱۴

۲۰۲۔ صدیق بھٹی، محمد۔ ۸

۲۰۳۔ صدیق خان، محمد، ڈاکٹر، پروفیسر۔ ۱۵۸

۲۰۴۔ صغیر آسی، محمد، پروفیسر۔ ۱۷۱، ۱۸۰

۲۰۵۔ صغیر خان، محمد۔ ۲، ۲۳، ۱۴۷

۲۰۶۔ صغیر قمر، ڈاکٹر۔ ۱۳۲

ض

۲۰۷۔ ضمیر جعفری، سید۔ ۱۳۲

ظ

۲۰۸۔ ظفر اقبال۔ ۲۳، ۱۸۱

۲۰۹۔ ظفر رضوی۔ ۱۱۰

۲۱۰۔ ظفر سلیمہ، بنت فوق۔ ۱۳۲

۲۱۱۔ ظفر علی خان۔۱۶۷

۲۱۲۔ ظفر مغل۔۲۴،۱۸۱

ع

۲۱۳۔ عابد، عابد علی، سید۔۷۱،۸۳،۸۴،۱۰۳

۲۱۴۔ عابدی، امیر حسن، ڈاکٹر۔۱۶۱

۲۱۵۔ عاجز۔۴۱

۲۱۶۔ عادل شاہ۔۴۰

۲۱۷۔ عارف خان، محمد، ڈاکٹر، پروفیسر۔۲۲،۱۳۲، ۱۴۴،۱۸۱

۲۱۸۔ عارف کمپلوی، محمد، پروفیسر۔۱۶۷،۱۷۲

۲۱۹۔ عاصی۔۴۰

۲۲۰۔ عاصم شاہ (بادشاہ)۔۱۲۴

۲۲۱۔ عالم خان بھٹی۔۵

۲۲۲۔ عالم دین۔۷

۲۲۳۔ عبدالحق، مولوی۔۱۰۷

۲۲۴۔ عبدالحمید خان، راجا۔۱۶،۲۴،۱۸۲

۲۲۵۔ عبدالمجید ملک (ر، چیف جسٹس آزاد کشمیر)۔۱۳۲

۲۲۶۔ عبدالعزیز، چوہدری (سابق وزیر تعلیم)۔۱۳۲

۲۲۷۔ عبدالعلیم صدیقی، پروفیسر۔۱۰،۱۳۲،۱۴۷، ۱۵۶،۱۵۷،۱۵۸،۱۶۸،۱۷۱،۱۷۲،۱۸۰،۱۸۱

۲۲۸۔ عبدالغنی بٹ، پروفیسر۔۱۰

۲۲۹۔ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ۔۱۳۰

۲۳۰۔ عبداللہ قطب شاہ، سلطان۔۴۰

۲۳۱۔ عبدالقیوم خان، محمد، سردار۔۱۳۵،۱۴۵،۱۷۷،۱۷۹

۲۳۲۔ عبداللہ لاروئیؒ، میاں۔۴

۲۳۳۔ عبداللہ، محمد۔۱۱۵

۲۳۴۔ عبدالوحید، میاں (وزیر تعلیم آزاد کشمیر)۔۱۷۷

۲۳۵۔ عبدالوہاب تبسّم، ماسٹر۔۱۶۹،۱۷۳،۱۸۲

۲۳۶۔ عتیق احمد خان، سردار (سابق وزیر اعظم آزاد کشمیر)۔ ۱۳۲،۱۷۷

۲۳۷۔ عذرا۔۳۶

۲۳۸۔ عرفان چودھری، محمد، پروفیسر۔۱۶۸،۱۷۲،۱۸۱

۲۳۹۔ عزیز الرحمان، پروفیسر۔۲۳،۱۴۳،۱۸۱

۲۴۰۔ عطاء اللہ، احمد۔۱۴۸،۱۶۸،۱۷۲،۱۸۲

۲۴۱۔ علی بہادر، خواجہ۔۲۱،۱۰۲،۱۷۸

۲۴۲۔ علی رضاؑ، امام۔۱۰۵

۲۴۳۔ علی عدالت۔۱۴۸

۲۴۴۔ علی ہمدانیؒ، سیّد۔۲۱،۸۷،۱۱۷

۲۴۵۔ عماد احمد۔۶،۱۳

۲۴۶۔ عمرؓ۔۱۱۴

۲۴۷۔ عمران شفیع، محمد، پروفیسر۔۱۲۴

۲۴۸۔ عمر خیام۔۶۴، ۱۰۵

۲۴۹۔ عنایت اللہ خان۔۱۴۴، ۱۸۱

۲۵۰۔ عیسیٰؑ۔۱۱۴

غ

۲۵۱۔ غالبؔ۔۴۱، ۵۶، ۷۵، ۸۸، ۹۲، ۱۲۰، ۱۳۱، ۱۳۶، ۱۳۸

۲۵۲۔ غزنوی، سلطان محمود۔۱، ۷۶، ۱۰۸

۲۵۳۔ غلام عباس، چوہدری۔۱۱۵

۲۵۴۔ غواصیؔ۔۴۰

۲۵۵۔ غوث الحق، بابا۔۵

ف

۲۵۶۔ فاطمہؓ۔۴۶، ۱۰۵

۲۵۷۔ فانی بدایونی۔۴۱، ۵۶

۲۵۸۔ فتح محمد ملک، پروفیسر۔۱۵۸، ۱۷۱

۲۵۹۔ فرازؔ، احمد۔۱۶۱

۲۶۰۔ فراق۔۴۱

۲۶۱۔ فراقی۔۴۰

۲۶۲۔ فرحت۔۶، ۱۲، ۱۹، ۲۳، ۲۴، ۱۳۳، ۱۶۴، ۱۷۲، ۱۸۰

۲۶۳۔ فرید خان بھٹی۔۴، ۵

۲۶۴۔ فضل حسین، رانا۔۴، ۱۲۷، ۱۳۲، ۱۴۷، ۱۶۷، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۲

۲۶۵۔ فلپ سڈنی۔۱۴۸

۲۶۶۔ فوق، محمد الدین۔۳، ۲۳، ۱۱۷، ۱۸۰

۲۶۷۔ فہیم، زید اللہ (جج ریٹائرڈ)۔۱۶۸، ۱۷۲، ۱۸۲

۲۶۸۔ فیروز شاہ۔۳۸

۲۶۹۔ فیضؔ۔۳۶، ۴۱، ۱۶۱، ۱۶۸

ق

۲۷۰۔ قاسمی، احمد ندیم۔۳۶، ۴۱

۲۷۱۔ قاسمی، امین طارق، پروفیسر۔۱۰، ۱۳۲، ۱۶۷

۲۷۲۔ قائداعظمؒ۔۶، ۱۳۴

۲۷۳۔ قلی قطبؔ شاہ، محمد۔۴۰

ک

۲۷۴۔ کاظمی، سرفراز حسین، سید۔۱۰۲، ۱۴۴، ۱۸۱

۲۷۵۔ کبیر خان بھٹی۔۵

۲۷۶۔ کرامت حسین، خواجہ۔۱۳۳، ۱۴۴، ۱۷۹

۲۷۷۔ کرشنا راؤ۔۱۲۵

۲۷۸۔ کرشن چندر۔۳۷

۲۷۹۔ کیٹس۔۱۴۸

۲۸۰ کیشم گپت۔۱

۲۸۱۔ کے کے بالی، پروفیسر۔۳۷

گ

۲۸۲۔ گجرال، آئی کے (وزیراعظم بھارت)۔۱۲۵

۲۸۳۔ گجر، فیض محمد۔۸

۲۸۴۔ گج، راجہ۔۳،۴

۲۸۵۔ گلاب سنگھ، مہاراجہ۔۲،۳۲

۲۸۶۔ گندھرپ کپل۔۳

۲۸۷۔ گنج شکرؒ، فرید۔۵

ل

۲۸۸۔ لطفیؔ۔۴۰

۲۸۹۔ لنکن، ابراہم (صدرِ امریکہ)۔۱۴۰

۲۹۰۔ لیلیٰ۔۹۵

م

۲۹۱۔ مارکس۔۱۳۸

۲۹۲۔ مجازؔ۔۳۶،۴۱

۲۹۳۔ مجددی، منیر حسین۔۱۳۲،۱۴۴،۱۸۰

۲۹۴۔ مجنوں۔۹۵

۲۹۵۔ مجنوں گورکھ پوری۔۳۲

۲۹۶۔ مجید امجد۔۳۶

۲۹۷۔ محمد ﷺ۔۱۹،۳۷،۴۵،۱۸۰

۲۹۸۔ محمد بخشؒ، میاں۔۴،۱۰،۱۱،۲۱،۱۱۵،۱۱۷،۱۲۱،
۱۲۳،۱۲۴،۱۲۵،۱۲۶،۱۲۸،۱۲۹،۱۳۰،۱۳۱،
۱۴۴،۱۴۹،۱۵۰،۱۶۴،۱۶۵،۱۶۷،۱۷۱،۱۷۴،
۱۷۸،۱۸۰،۱۸۱

۲۹۹۔ محمود آزاد، سید۔۲،۲۳،۱۸۰

۳۰۰۔ محمود ہاشمی۔۱۴۷

۳۰۱۔ مریمؑ۔۴۶،۸۲

۳۰۲۔ مسرت صبوحی، پروفیسر۔۱۴۲،۱۴۵،۱۵۹، ۱۷۱،
۱۸۰

۳۰۳۔ مشتاق سلطان۔۴۰

۳۰۴۔ مشتاق شادؔ۔۲۰،۱۳۲،۱۴۷،۱۶۷

۳۰۵۔ مشرقیؔ۔۴۰

۳۰۶۔ مصحفیؔ۔۴۱

۳۰۷۔ مقصود حسین، سیّد۔۱۴۸

۳۰۸۔ ملک خوشنود۔۴۰

۳۰۹۔ ملی خان بھٹی (محمد علی)۔۵

۳۱۰۔ منصور، حلاج۔۹۳

۳۱۱۔ منظر عباس۔۱۱۰

۳۲۲۔ موسیٰؑ۔۸۲،۸۳،۱۳۸

۳۱۳۔ مومنؔ۔۴۱،۸۱

۳۱۴۔ میراجی۔۳۵

۳۱۵۔ میر تقی میر۔۴۱،۵۶،۸۹

۳۱۶۔ میر حسن۔۴۱،۱۲۱

۳۱۷۔ میر حسن، مولوی۔۱۳۹

۳۱۸۔ میر، غلام احمد۔۱۶

۳۱۹۔ میوس ہارڈنگ (ٹیچر) ۱۱۳،۱۱۴

ن

۳۲۰۔ ناجی۔۴۱

۳۲۱۔ ناسخ۔۴۱

۳۲۲۔ ناصر کاظمی۔۴۱

۳۲۳۔ ناہید۔۶،۱۲

۳۲۴۔ نجم الدین، فقیر۔۱۳۹

۳۲۵۔ نجیب، محمد، راجہ۔۱۴۳،۱۸۱

۳۲۶۔ ندیم۔۱۴۴،۱۷۸

۳۲۷۔ نذیر انجم، پروفیسر۔۳۵، ۳۷، ۱۱۶، ۱۳۲، ۱۴۲، ۱۴۷، ۱۵۶، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۶، ۱۷۱، ۱۸۰

۳۲۸۔ نذیر مسکین، محمد، پروفیسر۔۱۶۹، ۱۷۳، ۱۸۱

۳۲۹۔ نرگس۔۶،۱۲

۳۳۰۔ نطشے، حکیم۔۱۲۵

۳۳۱۔ نظام الدینؒ اولیاء، خواجہ۔۱۴۰

۳۳۲۔ نظامی۔۱۴۸

۳۳۳۔ نظیر اکبر آبادی۔۳۵

۳۳۴ نعمت بی بی۔۶،۱۲،۱۴

۳۳۵۔ نکلسن، پروفیسر۔۱۳۹

۳۳۶۔ نواب دین بھٹی۔۶، ۱۱، ۲۳، ۱۳۴، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۸۰

۳۳۷۔ نورالدین عرف نیل سیہنہ۔۱

۳۳۸۔ نور جہاں۔۶،۱۳

۳۳۹۔ نہرو، جواہر لعل۔۱۲۶،۱۴۱

و

۳۴۰۔ وارث شاہؒ، سید۔۱۱، ۲۱، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۵۰، ۱۷۴

۳۴۱۔ وجدانی، مخلص۔۱۶۸، ۱۷۳، ۱۸۲

۳۴۲۔ وجدی۔۴۰

۳۴۳۔ وجہی۔۴۰

۳۴۴۔ ودھو خان بھٹی۔۵

۳۴۵۔ ورڈزورتھ۔۱۲۱، ۱۴۸

۳۴۶۔ وزیر۔۴۱

۳۴۷۔ وزیر آغا، ڈاکٹر۔۱۵۹

۳۴۸۔ ولی دکنی۔۳۵، ۴۰، ۴۱

۳۴۹۔ ولیم بلیک۔۱۴۸

۳۵۰۔ وہاج احمد۔۶،۱۳

۳۵۱۔ وینڈی پاسن۔۱۷۷

ہ

۳۵۲۔ ہاشمی، رفیع الدین۔۱۰۲، ۱۴۴، ۱۵۸، ۱۷۹، ۱۸۱

۳۵۳۔ ہاشوخان بھٹی۔۶

۳۵۴۔ ہکسلے۔۱۴۸

۳۵۵۔ ہیلن گلکرائسٹ، ڈاکٹر۔۱۷۷

ی

۳۵۶۔ یدھشٹر۔۱۵۵

۳۵۷۔ یشودھرا۔۱۵۵

۳۵۸۔ یعقوب خان، محمد، سردار۔۱۷۷

۳۵۹۔ یک رنگ۔۴۱

۳۶۰۔ یوسفؑ۔۸۲

۳۶۱۔ یوسف چوہدری، محمد، پروفیسر۔۱۰، ۱۳۲

۳۶۲۔ یوسف شاہ۔۱۱

۳۶۳۔ یوسفی، مشتاق احمد۔۴۷

اماکن

ا

۱۔ اٹک۔۴

۲۔ احد۔۱۰۸، ۱۲۸

۳۔ اسلام آباد۔۲۳، ۲۴، ۱۴۰، ۱۶۵، ۱۷۷، ۱۸۱

۴۔ اسلام گڑھ۔۱۵، ۲۳، ۱۳۳، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۷۱، ۱۷۹، ۱۸۱

۵۔ افغانستان۔۱۴۰

۶۔ اکھنور۔۲

۷۔ اگہار (کوٹلی)۔۴۷

۸۔ انگلستان۔۱۳۹

۹۔ اولڈھم (انگلینڈ)۔۱۰۶، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۴۸، ۱۷۷

۱۰۔ اولمپک ٹارچ۔۱۰۹

۱۱۔ اوش پارک۔۱۰۹

آ

۱۲۔ آشٹن۔۱۰۶

ب

۱۳۔ باکسٹن۔۱۰۶

۱۴۔ بھٹیاں حسیوٹ۔۹

۱۵۔ بھکر۔۱۰۵

۱۶۔ بھمبر۔۲

۱۷۔ بھنگارگالہ۔۸

۱۸ بریڈفورڈ۔۱۰۶، ۱۶۵

۱۹ برمنگھم۔۱۰۶، ۱۶۵

۲۰ بری۔۱۰۶

۲۱ بگ ویل۔۱۰۹

۲۲ بلتستان۔۱۱

۲۳ بلیک برن۔۱۰۶

۲۴ بلیک پول۔۱۰۶

۲۵ بولان۔۱۰۵

پ

۲۶ پلندری۔۱۷۲،۱۸۱

۲۷ پونچھ۔۱،۹،۱۴،۱۶،۲۵،۳۷۔۱۳۴،۱۷۰

۲۸ پیر پنجال۔۱۶،۱۱۹

ت

۲۹ تھنہ منڈی۔۱۶

۳۰ تراڑکھل۔۱۶۵

۳۱ تہاڑ جیل۔۱۲۵

۳۲ تہران۔۱۰۵

ج

۳۳ جھنگ۔۴،۱۶

۳۴ جبلِ رحمت۔۱۰۸

۳۵۔ جموں۔۵

۳۶۔ جنت المعلیٰ۔۱۰۸

۳۷۔ جہلم۔۳

۳۸۔ جیکب آباد۔۱۰۵

چ

۳۹۔ چالوس۔۱۰۵

۴۰۔ چکار۔۱۷۲،۱۸۱

۴۱۔ چکسواری۔۱۲،۱۵،۲۳،۱۱۸،۱۴۳،۱۴۴،۱۴۵،
۱۷۸،۱۷۹،۱۸۱

۴۲۔ چکوال۔۱۰۵

۴۳۔ چم شاشوئی۔۱۰۹

ح

۴۴۔ حجاز۔۱۹

خ

۴۵۔ خالق آباد (میر پور)۔۲۳،۱۰۴،۱۰۶،۱۴۱،۱۷۹

د

۴۶۔ دراوا بھیسار۔۱

۴۷۔ دکن۔۴۱

۴۸۔ دہلی۔۵،۳۱،۴۱،۱۲۶،۱۴۱،۱۴۴،۱۶۱،۱۶۵

۴۹۔ دینہ۔۱۶

ڈ

۵۰۔ ڈربی۔۱۰۶،۱۶۵

۵۱۔ ڈیرہ اسماعیل خان۔۱۰۵،۱۲۵،۱۴۴،۱۸۱

۵۲۔ ڈیوزبری۔۱۰۶،۱۷۷

ر

۵۳۔ راجن پور۔۱۰۵

۵۴۔ راجوری۔۱،۲،۳،۶،۹،۱۲،۳۷

۵۵۔ رادرم۔۱۰۶

۵۶۔ راولپنڈی۔۳،۴،۵،۲۳،۲۴،۱۰۲،۱۰۳،۱۶۵،
۱۷۱،۱۷۲،۱۷۷،۱۷۸،۱۷۹،۱۸۰

۵۷۔ رحیم یارخان۔۱۰۵

۵۸۔ ریاسی۔۲،۶

۵۹۔ ری پلس بے۔۱۰۹

س

۶۰۔ ساج۔۶،۸

۶۱۔ ساردہ (کوٹلی)۔۱۰۲،۱۸۲

۶۲۔ سالٹ ریج۔۱

۶۳۔ ساندل بار۔۴

۶۴۔ سعی۔۱۰۵

۶۵۔ سپیس میوزیم۔۱۰۹

۶۶۔ سٹارفیری۔۱۰۹

۶۷۔ سٹینلے (ہانگ کانگ)۔۱۰۹

۶۸۔ سری نگر۔۲۳،۱۸۱

۶۹۔ سعد آباد۔۱۰۵

۷۰۔ سلو۔۱۰۶

۷۱۔ سماہنی۔۱۵

۷۲۔ سندھ۔۳۱

۷۳۔ سوہاوہ۔۱۰۴

۷۴۔ سہرمنڈی (سہنسہ)۔۳،۱۷۳،۱۸۲

۷۵۔ سیالکوٹ۔۳

ش

۷۶۔ شاطین۔۱۰۹

۷۷۔ شکارپور۔۱۰۵

۷۸۔ شِنگ من ریور۔۱۰۹

۷۹۔ شہرزناں۔۱۲۹

۸۰۔ شیفیلڈ۔۱۰۶

ص

۸۱۔ صادق آباد۔۱۰۵

۸۲۔ صفاومروہ۔۱۰۸

غ

۸۳۔ غارِحرا۔۲۶

ف

۸۴۔ فتح پور۔۸

۸۵۔ فیصل آباد۔۱۴۴،۱۸۰

ق

۸۶۔ قم۔۱۰۵

ک

۸۷۔ کراچی۔۱۲،۱۴۳،۱۷۹

۸۸۔ کربلا۔۴۷،۴۸،۷۶،۱۲۸

۸۹۔ کشمور۔۱۰۵

۹۰۔ کلاک ٹاور۔۱۰۹

۹۱۔ کلچر سنٹر۔۱۰۹

۹۲۔ کندھ کوٹ۔۱۰۵

۹۳۔ کوٹلہ (بھارت)۔۳۸

۹۴۔ کوٹلی۔۱،۸،۱۵،۲۴،۱۰۲،۱۷۳،۱۸۲

۹۵۔ کورو چھیتر۔۱۵۵

۹۶۔ کوفہ۔۷۶

۹۷۔ کولمبو۔۱۰۹

۹۸۔ کولون پارک۔۱۰۹

۹۹۔ کوہستان پنجال۔۶،۳۷

۱۰۰۔ کوہِ طور۔۸۱،۸۲،۸۳،۹۲،۹۸

۱۰۱۔ کوئٹہ۔۱۰۴،۱۰۵

گ

۱۰۲۔ گجرات۔۴،۵

۱۰۳۔ گجرانوالہ۔۳،۸،۲۳،۱۸۱

۱۰۴۔ گجرخان۔۴

۱۰۵۔ گلاب دیوی مندر۔۸

۱۰۶۔ گلاسکو۔۱۰۶

۱۰۷۔ گلگت۔۱۱

۱۰۸۔ گنڈہ پور۔۱۴۴

۱۰۹۔ گورداس پور۔۱۵۸

ل

۱۱۰۔ لاہور۔۱،۹،۲۳،۲۴،۱۰۲،۱۰۳،۱۵۸،۱۶۵،
۱۷۱،۱۷۷،۱۷۹،۱۸۰،۱۸۱

۱۱۱۔ لکھنؤ۔۴۱

۱۱۲۔ لنکا۔۹۷

۱۱۳۔ لیڈز۔۱۰۶

۱۱۴۔ لیوٹن۔۱۰۶،۱۶۵

م

۱۱۵۔ مالوہ (مالدیپ)۔۱۲۹

۱۱۶۔ مانچسٹر۔۱۰۶

۱۱۷۔ مانسر۔۴

۱۱۸۔ مدین۔۸۳

۱۱۹۔ مدینہ منورہ۔۲۱، ۴۵، ۴۶، ۷۶، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۴

۱۲۰۔ مزدلفہ۔۱۰۸

۱۲۱۔ مشہد۔۱۰۵

۱۲۲۔ مظفر آباد۔۲۳، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۶۷، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲

۱۲۳۔ مکہ ٹاور۔۱۰۸

۱۲۴۔ مکہ مکرمہ۔۲۱، ۳۷، ۴۵، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۴

۱۲۵۔ ملتان۔۳۱

۱۲۶۔ منیٰ۔۱۰۸

۱۲۷۔ میانوالی۔۱۰۵

۱۲۸۔ میدانِ عرفات۔۱۰۸

۱۲۹۔ میر پور۔۴، ۹، ۱۲، ۱۴، ۲۰، ۲۳، ۲۴، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۷، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۴۰، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۶۵، ۱۶۱، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲

ن

۱۳۰۔ ناٹنگھم۔۱۰۶

۱۳۱۔ نکیال۔۸

۱۳۲۔ ننن سر۔۱۶

۱۳۳۔ نیشاپور۔۱۰۵

۱۳۴۔ نیوٹیری ٹری۔۱۰۹

و

۱۳۵۔ وادیٔ بطحا۔۹۲

۱۳۶۔ وادیِ سینا۔۸۳

۱۳۷۔ وکٹوریہ ہاربر۔۱۰۹

۱۳۸۔ ونچائی۔۱۰۹

۱۳۹۔ ونڈسر۔۱۰۶

ہ

۱۴۰۔ ہڈرشفیلڈ۔۱۰۶

۱۴۱۔ ہزارہ۔۱

۱۴۲۔ ہولنگ۔۱۲۹

۱۴۳۔ ہیلی فیکس۔۱۰۶

ی

۱۴۴۔ یوپی۔۱۵۶

۱۴۵۔ یولانگ پارک۔۱۰۹